

بحث و تحقیق ہیئت التفسیر سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معارف پہلوی

جلد دوم

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ پہلوی قدس سرہ



ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی

بحث تحقیق، سیرت و تفسیر، سلوک و احسان اور تصوف و تکشف
کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر رسائل کا حسین گلدستہ

معانی و کلمات

تالیف

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

جلد دوم

ترتیب و تسہیل

مولانا سعید احمد جلالپوری

مکتبہ لدھیانوی



نام کتاب: _____ معارفِ بہلوی
تالیف: _____ حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ
ترتیب و تسہیل: _____ مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب
تاریخ اشاعت: _____ جولائی ۲۰۰۶ء
قیمت: _____

ناشر: _____ مکتبہٴ ہدیائوں
18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
برائے رابطہ: _____ جامع مسجد باب رحمت
پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی
فون: 2780337 - 2780340



اجمالی فہرست

۲۳	قوانین تعلیم و تربیت طلباء یعنی طلبہ کی تعلیم و تربیت کے اصول
۵۳	فوائد قرآن یعنی اصطلاحات القرآن
۱۵۹	القول الوجیز فی اصول کلام العزیز یعنی اصول قرآن پر ایک مختصر رسالہ
۱۸۵	الکلمات الراجحة فی تفسیر سورة الفاتحة یعنی سورة فاتحہ کی تفسیر
۲۴۵	ترک منکرات در صدقہ جمعرات یعنی جمعرات اور قل خوانی کی بدعات
۲۶۳	تین استفتاء کے جوابات یعنی زمین کے عشر اور شبینہ کا حکم
۲۸۳	تعظیم الشعائر یعنی شعائر اللہ کی تعظیم
۳۰۱	تحفة الفقیر الی اللہ یعنی حج کے احکام و مسائل
۳۵۷	آداب الدعا یعنی دُعا کے آداب
۳۷۷	کتاب الادعیۃ والتعوذات یعنی تعویذات و دُعاؤں کی کتاب

فہرست

۲۳	قوانین تعلیم و تربیت طلباء
۲۷	فصل اول: علم کی فضیلت و تعریف میں
۳۰	فصل دوم: پڑھنے کے وقت صحت نیت
۳۱	فصل سوم: علم، اُستاد اور رفیق سے کیا برتاؤ کرے؟
۳۵	فصل چہارم: علم اور عمل والوں کی تعظیم
۳۷	فصل پنجم: علم کے لئے سعی، دوامِ طلب اور ہمت
۳۹	فصل ششم: سبق کتنے؟ اور کیا ترتیب و مقدار ہو؟
۴۱	فصل ہفتم: توکل
۴۳	فصل ہشتم: علم کی تحصیل کے اوقات
۴۳	فصل نہم: شفقت و نصیحت
۴۴	فصل دہم: استفادہ
۴۵	فصل یازدہم: ورع و تقویٰ
۴۵	فصل دوازدہم: حفظ میں معین امور
۴۷	فصل سیزدہم: رزق کے بڑھانے اور کم کرنے کے اسباب
۵۱	پند در زبانِ سرائیکی

فوائدِ قرآن یعنی اصطلاحات القرآن

۵۳	فوائد
۵۶	تعریف

۶۰ موضوع
۶۰ غرض و غایت
۶۰ اصطلاحات
۶۰ تفسیر
۶۲ تاویل
۶۲ تحریف
۶۳ شانِ نزول
۶۵ حالتِ اقوام بوقتِ نزولِ قرآن
۶۹ عربِ محصلہ
۷۰ مذہبِ عیسوی کے پابند
۷۲ یہودی
۷۴ ہندو قوم
۷۶ قوی
۷۶ قرآن کے علوم
۷۶ ۱۔ قوتِ نظریہ
۷۷ ۲۔ قوتِ عملیہ
۷۸ علومِ خمسہ
۷۸ ۱۔ علمِ الخاصہ
۸۲ ۲۔ تذکیرِ بآلاء اللہ
۸۲ ۳۔ تذکیرِ بایام اللہ
۸۳ ۴۔ تذکیرِ بما بعد الموت

۸۳ ۵۔ علم الاحکام
۸۵ اجرائے احکام بلحاظ فطرت
۸۵ اندازِ خطاب
۸۹ آغازِ سور
۹۰ ترتیبِ سور
۹۰ الایمان فی القرآن
۹۲ مکی و مدنی آیات
۹۲ نسخِ آیات
۹۸ سورت
۹۸ وجہ تسمیہ
۹۸ ربط الآیات
۱۰۰ تنظیر
۱۰۰ مضادات
۱۰۱ استطراد
۱۰۲ حسنِ تخلص
۱۰۴ حروفِ مقطعات
۱۰۶ محاورات
۱۰۸ دلائل القرآن
۱۱۲ لفظِ قرآن و کتاب
۱۱۳ روح
۱۱۴ تخویف و تبشیر

۱۱۵	تأویب.....
۱۱۶	تسلية.....
۱۱۷	جباریت.....
۱۱۹	دفع شبہ.....
۱۲۰	ربط القلوب.....
۱۲۰	قصص القرآن.....
۱۲۱	تخصیص عام.....
۱۲۱	تعمیم خاص.....
۱۲۳	دفع الوہم.....
۱۲۴	حذف.....
۱۲۵	إبدال.....
۱۲۸	مجاز.....
۱۲۹	استعارہ.....
۱۳۰	تشبیہ.....
۱۳۱	کنایہ.....
۱۳۳	ثُمَّ.....
۱۳۵	مَا.....
۱۳۶	إِنَّمَا.....
۱۳۷	إِذْ.....
۱۳۸	كَذَلِكَ.....
۱۳۹	أَلَمْ تَرَ.....

۱۴۰الَّا
۱۴۱وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ
۱۴۳ماضی
۱۴۵أَمْرٌ
۱۴۵أَرَأَيْتَ
۱۴۷أَوْ كَلَّمَا
۱۴۸خطابِ عام
۱۴۹اختلافِ معمولین
۱۵۱مسئلہ الہ
۱۵۳الہ بمعنی معبود کون کون بنائے گئے؟
۱۵۵الہ کے معنی کی تشریح
۱۵۵قانون

القول الوجیز فی أصول کلام العزیز

یعنی اصول قرآن پر ایک مختصر رسالہ

۱۵۹اجرائے احکام بلحاظ فطرت
۱۶۵مضامین قرآن
۱۶۷آغازِ سور
۱۶۷اندازِ خطاب
۱۶۸تفسیر

۱۷۰	تأویل.....
۱۷۱	شانِ نزول.....
۱۷۲	نزولِ قرآن کا سبب.....
۱۷۲	ربطِ آیات.....
۱۷۲	ترتیبِ سور.....
۱۷۳	بیانِ محاورات.....
۱۷۴	الایمان فی القرآن.....
۱۷۵	جہاریت.....
۱۷۸	نزولِ قرآن کے وقت قوموں کے حالت.....
۱۷۸	مشرکین کے مذاہب.....
۱۸۰	یہود.....
۱۸۲	نصاریٰ.....
۱۸۳	منافق.....

الکلمات الراجحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ

یعنی سورۃ فاتحہ کی تفسیر

۱۸۸	الْحَمْدُ لِلَّهِ.....
۱۹۰	مدح، حمد اور شکر میں فرق.....
۱۹۰	رَبِّ الْعَالَمِينَ.....
۱۹۳	دفعِ شبہ.....

۱۹۵ رَبِّ
۱۹۵ تربیت کی دو قسمیں
۱۹۶ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
۱۹۶ رحمت کی دو قسمیں
۱۹۸ ایک اعتراض کا جواب
۱۹۹ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ
۲۰۱ اَيَّاكَ نَعْبُدُ
۲۰۳ عبادت کی اغراض
۲۰۴ وَ اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ
۲۰۵ رفعِ شبہ
۲۰۷ عبادت کی دو قسمیں
۲۰۷ مشرکانہ و غیر مشرکانہ تعظیم میں فرق
۲۰۸ امتعانتِ جائز و ممنوع
۲۰۹ عبادت و استعانت کن وجوہ پر ہے؟
۲۱۰ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
۲۱۱ انزالِ کتاب کی دو قسمیں
۲۱۱ ہدایت کے تین درجے
۲۱۲ طریقِ مستقیم کی تشریح
۲۱۲ آدمی میں تین قوتیں
۲۱۳ تفکرِ علمِ الہی میں افراط و تفریط
۲۱۳ علمِ نبوت میں افراط و تفریط

۲۱۴	علم معاد و سمعیات میں افراط و تفریط.....
۲۱۴	علم الجواہر والاعراض میں افراط و تفریط.....
۲۱۵	قوتِ شہویہ میں افراط، تفریط اور اعتدال.....
۲۱۵	قوتِ غضبیہ میں افراط، تفریط اور اعتدال.....
۲۱۵	حکمت و عدالت.....
۲۱۶	کمالِ توسط: قوتِ نطقیہ و غضبیہ و شہویہ کا بیان.....
۲۱۷	دُعا منافی رضا بر قضا نہیں.....
۲۱۸	صِرَاطِ الَّذِینَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ.....
۲۱۸	منعم علیہم کے چار گروہ.....
۲۲۰	غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ.....
۲۲۰	مغضوب اور ضال میں فرق.....
۲۲۱	نبی کی تعریف.....
۲۲۲	صدیق کی تعریف.....
۲۲۳	شہید کی تعریف.....
۲۲۳	صالح کی تعریف.....
۲۲۳	ولی اللہ کی علامات.....
۲۲۴	توسل ولی کی صورت.....
۲۲۴	ولی اللہ کے قبیعین ہادی و مہدی ہیں.....
۲۲۵	ضلالت کے اسباب و نتائج.....
۲۲۵	نیکی کے درجات.....
۲۲۶	غضب و ضلال لانے کا نکتہ.....

۲۲۶	فائدہ جو ساری سورت کے متعلق بیان ہوا.....
۲۲۶	سجدوں کی تمثیل.....
۲۲۷	فائدہ پنج گانہ اور اسمائے حسنیٰ سے پانچ سوال کی مناسبت.....
۲۲۷	انسان سے مناسبت.....
۲۲۹	سورت کے نام اور وجوہ تسمیہ.....
۲۳۲	علم اصول عقائد.....
۲۳۳	۱... ذات کی معرفت.....
۲۳۳	۲... ذات پاک کے وجود کی معرفت.....
۲۳۳	۳... صفات کی معرفت.....
۲۳۳	۴... معرفت توحید.....
۲۳۴	۵... معرفت عبادت.....
۲۳۴	۶... معرفت نبوت و ولایت.....
۲۳۴	علم فروع احکام.....
۲۳۵	علم طریقت اور اس کا حصول.....
۲۳۷	علم حقیقت.....
۲۳۸	شیطان کے مداخل.....
۲۳۸	ظلم کے مراتب.....
۲۳۸	شہوت کا نتیجہ.....
۲۳۸	غضب کا نتیجہ.....
۲۴۰	لطیفہ.....
۲۴۰	فوائد سورہ فاتحہ.....

۲۴۵

ترکِ منکرات در صدقہ جمعرات

- ۲۶۳ تین استفتاء کے جوابات یعنی زمین کے عشر اور شبینہ کا حکم
- ۲۶۹ الجواب
- ۲۷۱ گزشتہ فتویٰ پر شبہ کیا گیا، دوبارہ بھیج کر جواب لیا
- ۲۷۲ الجواب
- ۲۷۳ وہ خط یہ ہے
- ۲۷۴ الجواب
- ۲۷۵ شبینہ کا حکم
- ۲۷۸ الجواب

- ۲۸۳ تعظیم الشعائر یعنی شعائر اللہ کی تعظیم
- ۲۸۶ فصل اول: مسجد کے آداب
- ۲۸۷ مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں
- ۲۸۷ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں
- ۲۸۸ مساجد جنت کے باغات ہیں
- ۲۸۹ مسجد بنانے کا ثواب
- ۲۸۹ گھروں میں مسجد بنانا
- ۲۸۹ مسجدوں کو حد سے زیادہ مزین کرنا مکروہ ہے
- ۲۹۱ مساجد کی صفائی کا بیان

۲۹۱ مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا
۲۹۲ مسجد میں ناجائز و مکروہ کام
۲۹۲ مسجد میں دُنیا کی باتیں
۲۹۳ فصل دوم: حقوق والدین
۲۹۶ فصل سوم: مرشد اور اُستاذ کے آداب
۲۹۹ وصیت

تحفۃ الفقیر الی اللہ حج کے احکام و مسائل

۳۰۱ حج کے واجب ہونے کی شرائط
۳۰۵ ارکانِ حج
۳۰۶ واجباتِ حج
۳۰۶ حج کی سنتیں
۳۰۶ آدابِ حج
۳۰۸ وہ چیزیں جو حج میں ممنوع ہیں
۳۰۸ میقات کے بیان میں
۳۰۹ احرام کے بیان میں
۳۱۰ ممنوعاتِ احرام
۳۱۱ ادائے حج کی کیفیت
۳۱۷ مزدلفہ کے متعلق
۳۱۸ منیٰ کے احکام

۳۲۲ عورت کے احکام
۳۲۳ مسائل متفرقہ
۳۲۴ حج قرآن اور تمتع کے بیان میں
۳۲۵ عمرہ کے بیان میں
۳۲۶ ممنوعات حج کے بیان میں
۳۲۹ جماع کے بیان میں
۳۳۱ طواف، سعی، رمل اور جنایات کے بیان میں
۳۳۳ شکار کے بیان میں
۳۳۶ بغیر احرام کے میقات سے گزرنا
۳۳۷ ایک احرام سے دوسرا احرام ملادینا
۳۳۷ احصار، یعنی حج سے روکے جانے کا بیان
۳۳۹ حج کے فوت ہو جانے کا بیان
۳۳۹ غیر کی طرف سے حج کرنے کا بیان
۳۴۱ ہدی کا بیان
۳۴۳ حج کی نذر کا بیان
۳۴۴ آداب دعا کا بیان
۳۴۵ قبولیت دعا کے اوقات
۳۴۵ قبولیت دعا کی جگہیں
۳۴۵ حضور نبی اکرمؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کے آداب
۳۵۲ قبولیت حج کی علامت
۳۵۲ زیارت فیض بشارت مدینہ منورہ کی قبولیت کی علامات

- ۳۵۳ مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟
 قصیدہ مدحیہ بجناب حضرت مرشد ارشد مولانا محمد عبداللہ صاحب شجاع آبادی
 ۳۵۵ مدظلہم العالی علینا: در فیض

آداب الدعاء یعنی دُعا کے آداب

- ۳۵۷ پہلی فصل: دُعا کے متعلق فوائد و منافع
 ۳۵۹ دوسری فصل: ہر دُعا قبول ہوتی ہے
 ۳۶۰ تیسری فصل: اپنے اور اپنے متعلقین کے خلاف بددُعا
 ۳۶۲ چوتھی فصل: ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے
 ۳۶۲ پانچویں فصل: اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں
 ۳۶۲ چھٹی فصل: آداب دُعا
 ۳۶۳ آداب دُعا جو رکن کا درجہ رکھتے ہیں
 ۳۶۳ شرط کا درجہ رکھنے والے آداب
 ۳۶۳ استحباب کا درجہ رکھنے والے آداب
 ۳۶۵ ساتویں فصل: دُعا قبول ہونے کے مقامات
 ۳۶۶ آٹھویں فصل: اجابت دُعا کے اوقات
 ۳۶۶ نویں فصل: کن لوگوں کی دُعا قبول ہوتی ہے؟
 ۳۶۶ دسویں فصل: دُعا کس طور کرے؟
 ۳۶۸ گیارہویں فصل: جن اسماء کے وسیلہ سے دُعا جلد قبول ہوتی ہے
 ۳۷۰ بارہویں فصل: جب قبولیت دُعا دیکھے تو کیا پڑھے؟

- ۳۷۱ تیرھویں فصل: وہ دعائیں جو صبح و شام پڑھنی چاہئیں
- ۳۷۲ چودھویں فصل: گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت کی دعا
- ۳۷۳ پندرھویں فصل: غم اور سختی سے نجات کی دعائیں
- ۳۷۴ سو لھویں فصل: نیک اولاد ملنے کی دعا
- ۳۷۵ سترھویں فصل: گناہوں کی مغفرت کی دعا
- ۳۷۶ اٹھارھویں فصل: وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے

۳۷۷ کتاب الادعیۃ والتعوذات

- ۳۸۱ فصل اول
- ۳۸۲ ہر ملاقاتی سے خیر حاصل ہونے کا وظیفہ
- ۳۸۳ مجلس سے ناگوار آدمی کے اٹھانے کا طریقہ
- ۳۸۳ غیبت سے حفاظت کا نسخہ
- ۳۸۳ خط یا قاصد آنے سے پہلے یہ دعا پڑھے
- ۳۸۳ صبح کو یہ دعا پڑھے
- ۳۸۴ صبح و شام کی بڑے فائدے والی مختصر دعا
- ۳۸۴ فالج، جذام، نایبناپن سے نجات کی دعا
- ۳۸۴ قیدی کی رہائی اور دفع غم کے لئے
- ۳۸۵ غم و سختی دور کرنے کا نسخہ مجرب
- ۳۸۵ ہر بلا اور مصیبت کے لئے امن و امان کی چیز
- ۳۸۵ ایمان کی سلامتی کی دعا

- ۳۸۶ گناہوں کی مغفرت کی دُعا
- ۳۸۶ ثوابِ عظیم حاصل کرنے کا طریقہ
- ۳۸۶ مغفرت کے لئے اعلیٰ نسخہ
- ۳۸۶ عافیت کے لئے دُعا
- ۳۸۷ وہ متبرک دُعائیں جو صالحین سے منقول ہیں
- ۳۸۷ حضرت علیؑ کی دُعا
- ۳۸۸ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی دُعا
- ۳۸۸ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دُعا
- ۳۸۸ حضرت عبدالسلام بن مشیشؒ کی دُعا
- ۳۸۸ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی دُعا
- ۳۸۹ امام الحرمینؒ کی دُعا
- ۳۸۹ حضرت مجدالدین بغدادیؒ کی دُعا
- ۳۸۹ دوسری دُعا
- ۳۸۹ تیسری دُعا
- ۳۹۰ ایک کامل بزرگ کی حکایت اور تعویذ
- ۳۹۰ ایک اور کامل بزرگ کا تعویذ
- ۳۹۱ حضرت علیؑ خواصؒ سے منقول دُعا
- ۳۹۱ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ سے منقول دُعا
- ۳۹۱ نیند کم کرنے کی دُعا
- ۳۹۲ بُرے خیال اور وسوسے کا نسخہ
- ۳۹۲ عقیدہ پختہ کرنے کی بہترین دُعا

۳۹۳ سفر کے حوادث سے بچنے کی دُعا
۳۹۳ ہر تنگی سے بچنے کی دُعا
۳۹۴ مقدمہ میں کامیابی کا نسخہ
۳۹۴ محبتِ الہی اور دفعِ شرمساری کے لئے
۳۹۴ محبتِ الہی کا دوسرا نسخہ
۳۹۵ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے
۳۹۵ فصل دوم
۳۹۵ نظر لگ جانے کا علاج
۳۹۶ سورۃ فاتحہ کے خواص
۳۹۷ سورۃ لہب کے خواص
۳۹۷ سورۃ کوثر کے خواص
۳۹۸ سورۃ فیل کے بعض خواص
۳۹۸ سورۃ قریش کے بعض خواص
۳۹۸ سورۃ نصر اور فتح کے بعض خواص
۳۹۹ سورۃ واقعہ کے خواص
۳۹۹ سورۃ منزل کے خواص
۳۹۹ سورۃ یٰس کے بعض خواص
۳۹۹ سورۃ یوسف کے خواص
۴۰۰ فوائد سورۃ بقرہ و آل عمران
۴۰۱ آیۃ الکرسی کے فوائد
۴۰۱ ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ“ کے فائدے

۴۰۱ سورہ کہف کے فائدے
۴۰۱ سورہ ملک کے فائدے
۴۰۲ فصل سوم
۴۰۲ دفعِ آسیب کے لئے
۴۰۳ بخار کے لئے تعویذ
۴۰۳ جانوروں کی بیماری کے لئے
۴۰۳ درِ زہ کی آسانی کے لئے
۴۰۴ حفاظتِ حمل کے لئے
۴۰۴ بچہ زندہ نہ رہنا
۴۰۴ ہمیشہ لڑکی ہونا
۴۰۵ بچے کو نظر لگ جانا یا سوتے میں ڈرنا
۴۰۵ چیچک کے لئے
۴۰۵ ہر طرح کی بیماری کے لئے
۴۰۶ برکت اور دفعِ قرض کے لئے
۴۰۶ آسیب کا لپٹ جانا
۴۰۷ اگر گھر میں آسیب کا اثر معلوم ہو
۴۰۷ دفعِ مرگی
۴۰۷ دفعِ تپِ لرزہ و ہر قسم کے بخار کے لئے
۴۰۸ ماہواری کی کمی
۴۰۸ ماہواری کی زیادتی
۴۰۹ بانجھ ہونا

- ۴۰۹ دماغ کا کمزور ہونا
- ۴۰۹ نگاہ کی کمزوری
- ۴۱۰ عقل کے بڑھنے کے لئے
- ۴۱۰ دل کے ہول کے لئے
- ۴۱۰ ردِ غائب
- ۴۱۱ محبت زوجین کے لئے
- ۴۱۱ سانپ یا بچھو کاٹ لے
- ۴۱۱ سانپ کے لئے
- ۴۱۲ بچھو، بھڑ وغیرہ درد کے لئے
- ۴۱۳ پھوڑا پھنسی
- ۴۱۳ ہیضہ، ہر قسم کی وبا اور طاعون وغیرہ
- ۴۱۳ تلی بڑھ جانا
- ۴۱۴ ناف ٹل جانا
- ۴۱۵ ہر کام و مطلب کے لئے
- ۴۱۶ اسماء الحسنی کے خواص و فوائد
- ۴۱۶ ”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ“ کے خواص
- ۴۱۶ ”السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِمِّنُ“ کے خواص
- ۴۱۶ ”الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ“ کے خواص
- ۴۱۷ ”الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيدُ“ کے خواص
- ۴۱۷ ”الْغَفَّارُ الرَّؤُوفُ الرَّحِيمُ“ کے خواص
- ۴۱۷ ”الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ“ کے خواص

- ۴۱۸ "الْعَلِيمُ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" کے خواص
- ۴۱۸ "الْجَلِيلُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ" کے خواص
- ۴۱۸ "الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْكَرِيمُ" کے خواص
- ۴۱۸ "الْحَفِیْظُ الرَّقِیْبُ الْمُقِیْتُ" کے خواص
- ۴۱۹ "الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمَجِیْدُ" کے خواص
- ۴۱۹ "الْوَدُودُ اللَّطِیْفُ الْمُجِیْبُ" کے خواص
- ۴۱۹ "الْحَىُّ الْقَیُّوْمُ" کے خواص
- ۴۲۰ "أَحَدٌ، صَمَدٌ" کے خواص
- ۴۲۰ "مَالِكُ الْمُلْكِ وَذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" کے خواص
- ۴۲۰ "الْهَادِي النَّافِعُ النُّورُ" کے خواص
- ۴۲۱ "الْقَهَّارُ الْمُنتَقِمُ الْجَبَّارُ الْقَادِرُ" کے خواص
- ۴۲۱ "الْبَاقِي الْبَدِيعُ الْبَاسِطُ" کے خواص
- ۴۲۱ "الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ" کے خواص
- ۴۲۲ "يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ" کے خواص
- ۴۲۲ "الْوَكِيلُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ" کے خواص
- ۴۲۳ فائدہ

قَوَائِدِ تَعْلِيمِ وَتَرْبِيَةِ طُلَبَاءِ

یعنی

طُلباء کی تعلیم و تربیت کے اصول



قُطْبُ الرِّشَادِ حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ
وَفَضَّلَهُ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ عَلَى جَمِيعِ الْعَالَمِ، وَالصَّلَاةِ
وَالسَّلَامِ عَلَى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَعَلَى آلِهِ
وَأَصْحَابِهِ يَنَابِيعِ الْعُلُومِ وَالْحِكَمِ، أَمَّا بَعْدُ!

اس وقت کے طلباء کرام اکثر و بیشتر باوجود جدوجہد و سعیِ بلیغ کے یا تو تکمیلِ علم سے محروم رہتے ہیں یا علم کے فوائد و ثمرات سے بے نصیب ہو جاتے ہیں، نہ دین کے رہتے ہیں، نہ دُنیا کے۔ بعض تو دُنیا داروں کی کاسہ لیلی و چا پلوسی سے پیٹ بھرتے ہیں، اور بعض غلط روایات، موضوع اخبار، بے سند احادیث، مؤول معانی قرآن، اشعارِ دلربا، تصوف کے مقامات اور من گھڑت کرامات کے بیان سے عوام الناس کو خوش کر کے عزت و جاہ اور مال و دولت حاصل کرتے ہیں، اور بعض تعویذ دہی سے پیر و مرشدِ خلق ہو جاتے ہیں، اور بعض راگ باجا، وجد اور رقص کا جذبہ دکھا کے خداع و مکر (دھوکا اور فریب) کر کے وجاہت پاتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث اور علم فقہ و اصول فقہ کو بالائے طاق رکھ کر عمل و اخلاص سے محروم ہو کر خسر الدنیا والآخرة کا مصداق بن جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو قواعد و ضوابط، شرائط و ارکان اور واجبات کی

رعايت سے حاصل نہ کیا جائے، اس کے نتائج و ثمرات صحیحہ سے اکثر محرومی ہی حاصل ہوتی ہے، اسی لئے کتب معتبرہ و مسموعات اساتذہ کرام سے تعلیم و تعلم کے آداب سے متعلق چند معروضات، طلباء کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں، شاید مؤلف و قارئین کو اللہ تعالیٰ نقصان سے بچالے اور اپنی رحمت و فضل سے دُنیوی و اُخروی فوائد سے نواز دے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

اس میں چند فصول ہیں:

فصل اول: علم کی فضیلت و تعریف میں۔

فصل دوم: تحصیل علم میں نیت کی دُستی میں۔

فصل سوم: کون سا علم پڑھے اور اُستاذ کیسے ہوں؟ اور شریک سبق کے ساتھ

برتاؤ میں۔

فصل چہارم: علم اور علماء کی عزت میں۔

فصل پنجم: علم میں سعی اور دوام طلب اور ہمت میں۔

فصل ششم: سبق کتنے ہوں اور کیا ترتیب و مقدار ہو۔

فصل ہفتم: توکل میں۔

فصل نہم: شفقت و نصیحت میں۔

فصل دہم: استفادہ میں۔

فصل یازدہم: پڑھنے کے وقت ورع و تقویٰ میں۔

فصل دوازدہم: وہ چیزیں جو حفظ میں معین ہیں، اور وہ چیزیں جو نسیان کا

موجب ہیں۔

فصل سیزدہم: وہ چیزیں جو رزق بڑھاتی ہیں اور جن سے رزق تنگ ہو جاتا

ہے، وغیرہ ذالک۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

فصل اول:

علم کی فضیلت و تعریف میں:

علم کی شرافت و عزت و وقعت کسی پر مخفی نہیں ہے، جہل و لاعلمی کو کون بُرا نہیں سمجھتا؟ علم کے باعث تو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت ملی، اسی علم کے سبب انسان کو باقی حیوانات سے امتیاز ہے، اس لئے کہ تمام اوصاف میں سوائے علم کے انسان کو تمام حیوانات سے اشتراک ہے، مثلاً: شجاعت و جرأت، شفقت، سمع، بصر، قوت، خورد، نوش، وغیرہ میں۔ اگر انسان کو حیوانات سے امتیاز ہے تو صرف علم ہی سے ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”خَلَقَ الْإِنْسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“ (الرحمن: ۳، ۴)

ترجمہ:.... ”پیدا کیا انسان کو اور بات کرنا سکھلایا۔“

”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“ (العلق: ۵)

ترجمہ:.... ”انسان کو وہ چیزیں سکھلائیں جو نہ جانتا تھا۔“

اور علم کی فضیلت و شرافت اس لئے ہے کہ یہ تقویٰ کے لئے وسیلہ ہے، اور تقویٰ سے ہی دربارِ خدائی میں عزت و عظمت ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ“ (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ:.... ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو

اللہ تعالیٰ سے زیادہ پر لحاظ ہے۔“

یعنی ہر فرمان کی تعمیل پر دل و جان سے کمر بستہ ہے اور ہر چیز سے جس سے روکا جاتا ہے دور بھاگنے والا ہے، اور علم کی فضیلت سے قرآن و حدیث بھی پُر ہے،

اور عقل و نقل بھی اس پر شاہد ہے۔

علم کی تعریف یہ ہے کہ علم ایسی صفت ہے جس سے معلوم پورے طور یا کسی درجہ میں واضح ہو جائے۔

علم دو قسم پر ہے: ۱... علم الادیان - ۲... علم الابدان۔

علم الابدان کو علم الطب کہتے ہیں۔ بدن و جسم کے امراض و صحت کی پہچان و علاج کرنا، کرانا، اور اس کو سیکھنا شرعاً و عقلاً محمود اور مرغوب ہے، مگر اس میں اتنا انہماک نہ کرے کہ دین میں خلل آنے لگے۔
علم الادیان کو علم الفقہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فقہ کی یہ تعریف فرمائی ہے:

”الْفَقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا.“

یعنی نفس کے فائدہ و نقصان کی پہچان کا نام فقہ ہے، اور فرمایا کہ علم سے مقصد عمل ہی ہے، اور عمل سے مقصد اخلاص ہے، یعنی محض اللہ تعالیٰ کے لئے نیکی ہو، کسی دنیوی غرض کی اس میں ملاوٹ نہ ہو۔

جاننا چاہئے کہ تمام مسلمان جوان ہوں یا بزرگ، مرد ہو یا عورت ہر ایک پر ہر علم کا پڑھنا فرض نہیں ہے، بلکہ جو کام اور واقعہ پیش آئے، مثلاً: بیع و شراء، کرایہ، اجارہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اس کی صحت کے قوانین و احکام شرعی کا سیکھنا فرض ہے، مثلاً:

نماز، اس کے شرائط و ارکان اور واجبات کا سیکھنا فرض ہے، جیسے نماز کا صحیح پڑھنا فرض اور ضروری ہے، اسی طرح نماز کی صحت جن چیزوں پر موقوف ہے مثلاً:

جامہ (لباس) پاک، جسم پاک، قبلہ کی طرف رخ کرنا، قراءت، قیام، رکوع، سجدہ، وغیرہ کا معلوم کرنا بھی فرض ہے۔

اسی طرح صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے ضروری احکام و قوانین کا پڑھنا (جب یہ چیزیں فرض ہو جائیں) بھی فرض ہے، خوب سمجھ لو!

اسی طرح بیع و شراء وغیرہ، اسی طرح اخلاق حمیدہ، مثلاً: اخلاص، توکل، تسلیم، تفویض وغیرہ کی تحصیل کا، اور اخلاق رذیلہ، مثلاً: بخل، جبن، حسد، کبر، عجب، وغیرہ کے ازالہ کا علم سیکھنا بھی فرض عین ہے، کذا فی الشامی، رد المحتار، کتاب العلم۔

اور تمام علوم مثلاً: تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ میں مہارت و تبحر حاصل کرنا فرض علی الکفایہ ہے۔ جو چیزیں کہ ہر شخص پر ہر وقت ضروری ہیں، مثلاً: نماز، وہ بمنزلہ طعام کے ہیں، جس کی ہر ایک کو ضرورت ہے، اور جو چیزیں کبھی کبھی پیش آتی ہیں، مثلاً: حج، وہ بمنزلہ دوا کے ہیں، جس طرح ضرورت کے وقت دوا لینا ضروری ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت ان چیزوں کا علم سیکھنا ضروری ہے، فافہم! اور علم نجوم و تبحر فی الفلسفہ والریاضی وغیرہ امراض ہیں نہ کہ دوا، ہاں! اضطرار کے وقت یہ مباح ہیں۔

تمام مسلمانوں کو مناسب ہے کہ ذکر، تضرع اور دُعا میں اپنے اوقات کو صرف کریں اور اپنی زندگی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے اتباع میں گزاریں، اس لئے کہ:

”فَإِنَّ فِقْهَهَا وَاحِدًا مُتَوَرِّعًا أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ

مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ.“

ترجمہ: ”شرعی قوانین جاننے والا ایک پرہیزگار عالم،

شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔“

فصل دوم:

پڑھنے کے وقت صحت نیت:

متعلم اور معلم ہر دو کو نیت کی دُرستی کی سخت ضرورت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (مشکوٰۃ ص: ۱۱)

ترجمہ:.... ”(نیک) اعمال کی (دُرستی یعنی ثواب و

مقبولیت کا) مدار نیت پر ہے۔“

بہت سے اعمال جن کی ظاہری صورت دُنیا کے کاموں کی سی ہوتی ہے، جیسے کھانا پینا، بیوی کے پاس جانا، مگر اچھی نیت کے باعث وہ اعمال آخرت میں شمار ہوتے ہیں، مثلاً: کھانے اور پینے میں نیت کرے کہ قوتِ عبادت ہو اور بیوی کے پاس جانے میں یہ نیت کرے کہ میں گناہِ زنا سے بچ جاؤں، پھر یہ دُنوی چیزیں ثواب کا موجب ہو جائیں گی۔

اور بہت سے کام جن کی صورت ظاہری اعمالِ آخرت کی ہوتی ہے، مثلاً: حج و نماز، اگر ان میں فسادِ نیت ہو، مثلاً: ریا و شہرت، تو آخرت میں یہ عبادات ناکارہ، بلکہ وبالِ جان بن جائیں گی۔ پس پڑھنے اور پڑھانے والے کو یہ نیت کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یا آخرت کے ذخیرہ کے لئے یا جہل کے دفع کے لئے یا بقائے اسلام و دین کے لئے پڑھ اور پڑھا رہا ہوں، کیونکہ بقائے دین و اسلام علم پر ہی موقوف ہے، زہد و تقویٰ کی صحت بھی علم پر ہی موقوف ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

فَسَادٌ كَبِيرٌ عَالَمٌ مُتَهَتِكٌ
وَ اكْبَرُ مِنْهُ جَاهِلٌ مُتَنَسِكٌ

ترجمہ:.... ”بڑا فساد (دین میں) عالم کا ہے جو حدود

شرعیہ پر قائم نہ ہو، اور اس سے زیادہ فساد والا جاہل عابد ہے۔“
تحصیلِ علم میں یہ نیت نہ کرے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے یا دُنیا
کی کثرت ہوگی کیونکہ علم ہر ہنر سے اعلیٰ ہنر ہے، یا بادشاہ و امیر کے نزدیک میری
عزت ہوگی، وغیر ذالک۔

طالب علم کو چاہئے کہ طمع و سوال سے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے،
خود پسندی اور کبر و حسد سے بچے، اپنے آپ کو متواضع رکھے، اساتذہ کرام کی خدمت
جان و مال سے کرے، خدمت و ادب سے ہرگز ہرگز تنگ دل نہ ہو، ساتھیوں کا بھی
ادب کرے، اور قبلہ و کتاب کا بھی ادب کرے۔

اگر ان معروضات پر عمل کیا تو اس کی رُوحانی ترقی اعلیٰ ہوگی اور اس کے
اتباع و اولاد میں صدیوں تک برکاتِ رُوحانی و ایمانی، علمی و عملی جاری رہیں گی، بفضلہ
تعالیٰ و کرمہ۔

فصل سوم:

علم، اُستاد اور رفیق سے کیا برتاؤ کرے؟

طالب علم کو چاہئے کہ اولاً وہ علم دین اختیار کرے جس کی فی الحال اسے
ضرورت ہے، جیسے نماز، پھر وہ علم کہ آئندہ وقت میں کارآمد ہوگا، مثلاً: حج، بیع وغیرہ۔
علم میں سب سے پہلے توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یگانہ وحدہ لا شریک لہ دلائل
عقلیہ و نقلیہ سے اپنی سمجھ کے موافق سمجھے۔ اس لئے کہ مقلد کا ایمان گواہل سنت

والجماعت کے نزدیک صحیح ہے، مگر دلائل سے سمجھنا افضل و اکمل، بلکہ ضروری ہے۔ اگر توحید کو دلائل سے نہیں پہچانا تو اس کو ہر لیکچرار مشرک، توحید کے اعتقاد سے بچلا سکتا ہے، اور دلائل بھی وہی قرآن کریم، حدیث صحیح اور اسلاف کرام والے ہونے چاہئیں، نہ کہ نئی نئی چیزیں ہوں۔

اور علم کے حصول کی غرض میں مناظرے اور مجادلے نہ ہوں، کیونکہ اس سے عمر ضائع کرنے، وحشت و نفرت اور حسد پیدا ہونے کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہے، فافہم! اعتقاد زیادہ تر توحید پر یقین، قرآن مجید کے مطالب سمجھنے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکی و مدنی زندگی یعنی نبوت و تبلیغ والی زندگی کے مطالعہ اور موحّد کی صحبت سے راسخ و کامل ہوتا ہے۔ طالب علم اپنی عقل و فراست پر پورا اعتماد نہ کرے، کیونکہ ہزاروں دانش مند اس ورطہ میں ڈوب گئے ہیں، شاعر کہتا ہے:

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار

کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

ترجمہ: "... اس بھنور میں ہزاروں کشتیاں غرق ہو گئیں،

کہ کوئی تختہ کنارہ پر ظاہر نہیں ہوا۔"

اسی کو اُستاز بنائے جو بڑا عالم، زیادہ پرہیزگار، خداوند تعالیٰ سے ڈرنے والا، حرام اور شبہ حرام سے بچنے والا، بڑی عمر والا، تجربہ کار اور ماہر فن ہو، جیسے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو اختیار کیا، اور اس میں بھی کسی دانش مند سے مشورہ کر لے، اور اسی طرح ہر کام مشورہ سے کیا کرے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گو ہر دانش مند سے زیادہ دانش مند تھے، لیکن ان کو بھی مشورہ کرنے کا حکم ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (آل عمران: ۱۵۹)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ: مشورہ کرنے والا ہلاک نہیں ہوتا۔
 نیز کہا گیا ہے کہ بعض لوگ پورے جوان ہیں، اور بعض نصف جوان ہیں۔
 پورا جوان وہ ہے کہ عقیل و فطین بھی ہو اور مشورہ بھی کرے، اور نصف جوان وہ ہے کہ
 عقیل ہو مگر مشورہ نہ کرے، یا مشورہ تو کیا ہے مگر سمجھ دار نہیں ہے۔ چونکہ علم کا طلب
 کرنا اعلیٰ امور میں سے ہے، اس لئے اس میں مشورہ کرنا ضروری ہے، مگر مہربان،
 مشفق، سمجھ دار اور نیک انسان سے مشورہ کرے۔ مشورے کے بعد بھی جلدی نہ
 کرے، چنانچہ اُستاذ کے پاس پہنچتے ہی سبق شروع نہ کر دے، بلکہ چند دن رہ کر تامل و
 تدبر کر کے پھر سبق شروع کرے، ممکن ہے کہ وہاں سبق کے سمجھنے میں کلفت ہو جائے،
 پھر دُوسرے، تیسرے اُستاذ کے پاس جائے گا، اس میں برکت نہ رہے گی، اور پڑھنے
 سے فائدہ نہ ہوگا، اور جب ہر طور سے اطمینان ہو جائے تو اُستاذ کے پاس بہت مدت
 رہے۔ ہر جائی نہ بنے، کیونکہ اس میں بے برکتی و بد نصیبی ہے، اور تھوڑی بہت تکلیف
 پیش آئے تو برداشت کرے، کما قیل: ”خزائن المنن علی قناطر المحن“، اور یاد
 رکھو! کہ صبر اور ثبات بڑی نعمت ہے، مگر ہر کسی کو نصیب نہیں ہے، فافہم!
 نیز طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اُستاذِ کامل کی خدمت میں ثابت قدم
 رہے، اور کتاب کو ناقص نہ چھوڑے، اور مختلف فنون کے بہت سے اسباق ایک ہی
 وقت میں شروع نہ کرے، وگرنہ ناقص رہے گا اور کسی فن کی تکمیل نہ ہوگی، اکثر طلباء کی
 محرومی و عدم تکمیل کے یہی اسباب ہیں:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے

نیز ایک جگہ جہاں تعلیم اچھی ہو رہی ہو، اس کو چھوڑ کر دُوسری جگہ نہ جائے،

بلا ضرورت دُوسری جگہ جانے میں نہ اُستاذ کو اس پر اعتماد ہوگا، اور نہ اس کی تسکینِ قلب

رہے گی، نتیجتاً وقت اور عمر ضائع ہوں گے۔

نیز خواہشاتِ نفسانی، لذاتِ طبعی، سیر بازار، لہو و آوارگی اور اُستاذ کی بے ادبی سے بچے، اُستاذ کی بے ادبی سم قاتل ہے، بے ادب نہ دُنیا کا رہتا ہے، نہ دین کا۔
طالبِ علم کے لئے واجب ہے کہ اپنے حجرہ یا سبق کا ساتھی ایسے آدمی کو رکھے جو نہایت محنتی، مجاہد اور دین دار ہو۔ بے دین، بد مزاج، کاسل و کاہل، بے محبت، بے ادب اور واپسی تباہی بکنے والے ساتھی سے بچے، ایک شاعر کہتا ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَأَبْصِرْ قَرِينَهُ

فَكُلُّ قَرِينٍ بِالْمُقَارِنِ يَفْتَدِي

ترجمہ: ”کسی مرد کے (ظاہر حال کو) مت پوچھ، بلکہ

اس کے رفیق کو دیکھ، ہر ساتھی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے۔“

لَا تَصْحَبِ الْكُسْلَانَ فِي حَالَتِهِ

كَمْ صَالِحٍ بِفَسَادِ آخَرٍ يَفْسُدُ

ترجمہ: ”ست و کاسل کی رفاقت مت اختیار کر،

بہت سے صالح دُوسرے رفیقِ فاسد (کی رفاقت) سے فاسد

ہو جاتے ہیں۔“

يَا رِبْدُ آرد ترا سوائے جحیم

يَا نیکو گیر تا یابی نعیم

ترجمہ: ”برا دوست تجھے دوزخ کی طرف لے

جائے گا، نیک دوست بناتا کہ تو دارِ نعیم پائے۔“

فصل چہارم:

علم اور عمل والوں کی تعظیم:

اُستاد کی تعظیم کے متعلق کچھ نہ کچھ گزر چکا ہے، پھر بھی اس کا کچھ حصہ ایک مستقل فصل میں پیش خدمت ہے۔

من جملہ علم کی تعظیم کے یہ ہے کہ طالب علم اُستاد کی عزت کرے۔ حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے منقول ہے، فرمایا کہ:

”میں غلام ہوں اس شخص کا جس سے میں نے ایک حرف سیکھا، وہ اگر چاہے تو مجھے بیچ دے، اور اگر چاہے آزاد کرے۔“

حضرت امام سدید الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا عالم ہو، اسے چاہئے کہ وہ فقہاء جو کہ مسکین ہیں، ان کی رعایت و خدمت زیادہ کرے، اگر اس کا بیٹا عالم نہ ہوا تو اس کا پوتا ضرور عالم ہوگا۔“

من جملہ توقیرِ معلم کے یہ ہے کہ اس کے آگے نہ چلے، اس کے مصلے پر نہ بیٹھے، اس کے سامنے ابتداً بالکلام نہ کرے، مگر اجازت لے کر، اُستاد کے سامنے بہت کلام نہ کرے، بات پوچھنے کے لئے وقت کا انتظار کرے، اُستاد کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بلکہ صبر کرے تاکہ وہ گھر سے خود تشریف لائیں، اُستاد کی رضا کا طالب رہے، اس کی ناراضگی سے بچے، اگر شریعت کے خلاف فرمان نہیں ہے تو اس کے فرمان کی تعمیل کرے، اور نافرمانی سے بچے۔

اور من جملہ اُستاز کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی اولاد و متعلقین کی عزت کرے، اور اُستاز و متعلقین اُستاز کی، مال و جان سے خدمت کرے۔

حضرت برہان الدین، صاحب الہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی تدریس کے درمیان کھڑے ہو جاتے، آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

”میرے اُستاز کا بیٹا بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد کے

دروازے تک آ جاتا ہے، اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔“

امام الائمہ قاضی فخر الدین ارسابندی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مرو میں رہتے تھے، بادشاہ وقت آپ کی نہایت عزت کرتا تھا، قاضی امام فخر الدین کہتے تھے کہ:

”میں نے یہ عزت اُستاز کی خدمت سے پائی ہے،

وہ اس طرح کہ میں نے اُستاز امام ابو یزید دبوسی رحمۃ اللہ علیہ

کی تیس سال روٹی پکائی ہے اور اس میں سے کچھ بھی نہ کھاتا

تھا، اور جس نے اُستاز کو تکلیف پہنچائی، وہ علم کی برکت سے

محروم رہے گا۔“

من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ طالب علم کتاب کی عزت کرے۔ کتاب

کو زمین پر نہ رکھے، اس پر ٹیک نہ لگائے۔

حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

”جو کچھ مجھے ملا، علم کی تعظیم سے ملا، میں نے کسی کاغذ

کو ہاتھ نہیں لگایا مگر طہارت سے۔“

اور یہ بھی ہے کہ طالب علم کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے اور کتاب پر

کوئی چیز نہ رکھے، کیونکہ اس میں کتاب کی تحقیر ہے۔

(کذا نقل عن الشیخ برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، کدانی تعلیم المستعلم)

من جملہ اس کے یہ ہے کہ جب بھی دین کا مسئلہ سنے مکمل طور پر تر متوجہ ہو کر اور عزت سے سنے، گو اس مسئلہ کو پہلے ہزار بار سنا ہوا ہو۔
 من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ کسی کتاب یا علم کو اپنے لئے خود منتخب نہ کرے، بلکہ اُستاذ کی طرف مفوض کرے۔

من جملہ آداب کے یہ بھی ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ سے بچے، کیونکہ اخلاقِ ذمیمہ معنوی کتے ہیں، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:
 ”فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتاب یا صورت (تصویر) ہو۔“ (مشکوٰۃ ص: ۵۰ بحوالہ ابوداؤد و نسائی)

اور انسان، فرشتے کے واسطے سے سیکھتا ہے، جب اس میں بُرے اخلاق ہوں گے تو گویا اس کے دل میں کتے موجود ہیں، تو اس کے پاس فرشتہ کیسے آئے گا؟

فصل پنجم:

علم کے لئے سعی، دوامِ طلب اور ہمت:

علم میں کوشش و جدوجہد ضروری ہے، جو سعی نہیں کرتا وہ محروم رہتا ہے۔
 حضرت یحییٰ علیہ السلام کو حکم ہوا:

”يَسْحِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ“ (مریم: ۱۲)

(قُوَّة کا معنی محنت و ہمت ہے) یعنی: ”اے یحییٰ! کتاب کو محنت و ہمت سے لے۔“ یعنی اس پر عمل اور اس کی تبلیغ، تدریس اور یاد میں محنت و ہمت کر۔ علم کی تعلیم و تعلّم میں تین شخص محنت کرتے ہیں: طالب، اُستاذ اور باپ، بشرطیکہ باپ زندہ و سلامت ہو۔

”بِقَدْرِ مَا تَتَعَنَّى تَنَالُ مَا تَتَمَنَّى“

مشقت کی مقدار پر اپنی آرزو کو پائے گا۔

بِقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِي

مَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَهَرَ اللَّيَالِي!

ترجمہ:.... ”محنت کی مقدار پر بلند درجات والی چیزیں

حاصل کی جاتی ہیں، جو عالی چیز حاصل کرنا چاہتا ہے، راتوں کو

بھی جاگتا ہے۔“

طالب علم کو عالی ہمت ہونا چاہئے:

بلندی بخش ہر ہمت بلندے

بہ پستی افکن ہر خود پسندے

ترجمہ:.... ”ہر بلند ہمت کو بلندی بخشتا ہے، ہر خود پسند کو

پستی میں ڈالتا ہے۔“

”عَلُّوْ الْمَرْءِ عَلَى قَدْرِ هِمَّتِهِ“

ترجمہ:.... ”جوان کی بلندی اس کی ہمت کی مقدار پر ہے۔“

ہمت یہ ہونی چاہئے کہ قرآن و حدیث میں علما، عملاً اور اخلاصاً اعلیٰ کمال

حاصل کر کے رہوں گا:

اگر گوئی کہ بتوانم برو کہ بتوانی

اگر گوئی کہ نتوانم برو بہ نشیں کہ نتوانی

ترجمہ:.... ”اگر کوئی کہے کہ میں کر سکتا ہوں، تو کہہ کہ

کر سکتا ہے، اگر کوئی کہتا ہے کہ میں نہیں کر سکتا، تو کہہ: جا بیٹھ جا!

تو نہیں کر سکتا۔“

اعلیٰ کمال وہ ہوتا ہے جو دنیا و آخرت میں کامیاب و سرفراز کر دے، اور دربارِ الہی میں مکرم و محترم کر دے، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ اٰمِیْن!

اور ہمت یہ ہونی چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت نصیب ہو جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو نصیحت فرمائی:

”اَيَّاكَ وَالْكَسْلُ! فَاِنَّهُ شُوْمٌ وَّ اَفَّةٌ عَظِيْمٌ.“

ترجمہ:...”سستی سے بچ! کہ یہ نحوست ہے اور بڑی

آفت ہے۔“

فصل ششم:

سبق کتنے؟ اور کیا ترتیب و مقدار ہو؟

شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ سبق کی ابتدا بدھ کے دن کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے، انتہی۔ جو حدیث اس میں روایت کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم!

اور سبق کی مقدار اس قدر ہو کہ دو چار بار دہرانے سے یاد ہو جائے، پھر درجہ بدرجہ بڑھاتا جائے، اول صغار علم کو پڑھے، پھر کبار کو، اور سعی کرے کہ خود اُستاذ سے سمجھے، پھر سبق کی بار بار تکرار کرے اور تامل و تدبیرِ بلیغ سے کام لے اور دوسروں کے سہارے پر نہ رہے کہ وہ لوگ مجھے سمجھا دیں گے، خود محنت و جانفشانی سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کے آگے زاری، نیاز اور تضرع کیا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عقل و فہم میں برکات عطا فرمائے، وہ مجیب الدعوات، سمیع الدعاء اور سریع القبول ہے۔

طالب علم کے لئے ایک دوسرے سے گفت و شنید، گفتگو و مناظرہ مہذب ضروری ہے، ہاں! اختلاف، تعصب، جدال، شغب اور ترفع سے بچے، اور چاہئے کہ ہر وقت اور ہر حال میں ہر شخص صحیح سے فائدہ لینے والا رہے اور استفادہ میں بالکل عار نہ کرے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ: اس قدر علم کیسے حاصل کیا؟ فرمایا:

”فائدہ لینے میں شرمایا نہیں، اور فائدہ دینے میں بخیلی

نہیں کی۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ: ایسا علم کیسے حاصل کیا؟ فرمایا:

”بِلِسَانٍ سَأُولَ وَقَلْبٍ عَقُولَ“

ترجمہ:.... ”زبان بہت سوال کرنے والی اور قلب سمجھنے

والے سے۔“

طالب علم کو چاہئے کہ کسب بھی سیکھے تاکہ اپنے بچوں کے کھلانے میں کسی کا

محتاج نہ ہو۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

”میں نے علم کو حمد و شکر سے پایا، جب بھی میں

نے کوئی علم سیکھا یا سمجھا تو ”الحمد للہ تعالیٰ“ کہا، تو میرا علم

بڑھ گیا۔“

طالب علم اپنے علم و عقل پر اعتماد نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور

اللہ تعالیٰ سے حق کو طلب کرے۔ اور اگر مال دار ہے تو علم کی تحصیل کرنے کرانے میں

بخل نہ کرے۔

حضرت شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ طلباء و علماء کو حلوا کھلایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: ”میرے بیٹے کے لئے علم کی دُعا کرو۔“ اس جود و تضرع الی اللہ سے ان کا بیٹا کیا ہی کمال علمی و عملی کو پہنچا۔

طالب علم کو چاہئے کہ جب صحت بدن و عقل ہو تو پڑھنے، سبق یاد کرنے، مطالعہ اور دُعا کو نہ چھوڑے، اپنی غربت و افلاس اور اپنی دولت و غنا پر نظر نہ کرے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی فقیر و مفلس نہیں ہوا کہ پانچ، پانچ دن بھوکے پیٹ، نشاط سے پڑھا کرتے تھے اور پتا بھی نہ چلنے دیتے تھے، اور نہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی دولت مند طالب علم ہوا کہ ان کے مال و متاع پر تین صد کارکن ہوتے تھے، امام مذکور علیہ الرحمۃ نے سارا مال طلب علم میں صرف کیا تا آنکہ ان کے مبارک بدن پر کوئی نفیس کپڑا نہ رہا۔

فصل ہفتم:

توکل:

طالب علم پر واجب ہے کہ معیشت کے کام میں اس قدر تن دہی نہ کرے کہ اس کی تحصیل علم میں خلل آجائے، بلکہ اس کا اصل کام، فرض منصبی اور مقصد حیات تعلیم و تعلم، عمل و اخلاص ہونا چاہئے، اسی میں انہماک، شغل اور مصروفیت رکھے۔ دُنیا کے کام اور معاش کی تلاش بھی فرائض علمی و عملی کے حصول اور وصول کے لئے ہونی چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللَّهِ كَفَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى هَمَّهُ

وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.“

(کنز العمال ج: ۱۰ ص: ۱۶۵ حدیث: ۲۸۸۵۵)

ترجمہ:.... ”جس نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی
(یعنی پڑھا) اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کو پورا کرے گا اور ایسی جگہ
سے اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔“

پس جس نے اپنے اوقات کو خوراک، پوشاک، جاہ و مال میں صرف کیا اور
اپنا وقت تعیش و عشرت میں گزارا، ایسے شخص کو مکارم اخلاق، بلند درجات اور معارف و
کمالات کا حاصل ہونا مشکل ہے۔

نیز طالب علم کو چاہئے کہ علائق دنیویہ، دوستانہ تعلقات، آمد و رفت،
آؤ بھگت، دینا لینا، کھانا پلانا، حتی الوسع کم کرے، وگرنہ پڑھنے پڑھانے، تالیف، تبلیغ
اور خلوت بخدا کی فرصت کم ملے گی، اور ”تَبْتَئِلُ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا“ (المزل: ۸) (اللہ تعالیٰ کی
طرف اکیلا ہو جا) کی نعمت سے محروم رہے گا۔

نیز طالب علم دین کو چاہئے کہ سفر کی تکالیف، غربت، بھوک اور پیاس کو علم
کے لئے برداشت کرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا“ (الکہف: ۶۲)

ترجمہ:.... ”ہم نے اس سفر (یعنی علم کے حاصل
کرنے) میں تکلیف اٹھائی۔“

اس لئے کہ علم بڑی نعمت ہے اور بے بہا خزانہ ہے، بڑی نعمت کے حاصل
کرنے میں مشقت لازم ہے، اور اکثر علماء کے نزدیک علم تو جہاد سے بھی افضل ہے۔
اور ثواب و انعام، مشقت کی مقدار پر ہوتا ہے، جیسا کہ منقول ہے: عَظُمُ الْعَطَايَا عَلَى
مَنْ الْبَلَايَا!

فصل ہشتم:

علم کی تحصیل کے اوقات:

تحصیل علم کے افضل اوقات میں سے ابتدائے جوانی ہے، اسی طرح سحری کا وقت، اور مغرب و عشاء کے درمیان کا وقت ہے، طالب علم تمام اوقات کو تحصیل علم میں مصروف رکھے اور اگر پڑھتے پڑھتے طبیعت اُکتانے لگے تو دوسرے علم میں یا تبلیغ میں شروع ہو جائے یا راحت کے لئے قدرے آرام کرے۔

فصل نہم:

شفقت و نصیحت:

طالب علم کو چاہئے کہ مشفق و خیرخواہ ہو، حاسد نہ ہو، اس لئے کہ حسد فائدہ نہیں، نقصان پہنچاتا ہے، معلم کا بیٹا عالم ہی ہوگا، اس لئے کہ معلم اپنے شاگردوں و تلامذہ پر شفقت کرتا ہے، اس کی برکت سے اس کا بیٹا بھی عالم ہوگا۔ کذا قالہ شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور طالب علم کو لائق ہے کہ کسی کے ساتھ جھگڑانہ کرے، اس سے وقت ضائع ہوتا ہے اور فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے حسد، کبر اور عجب بڑھتا ہے، اخلاص، محبت اور خیرخواہی دور بھاگتی ہے، بُرے سے بُرائی مت کر، انعام و احسان سے اس کو ممنون احسان بنالے:

بدی را بدی سہل باشد جزا

اگر مردی احسن الی من اساء

ترجمہ: ”برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے، اگر

تو مرد ہے تو جس نے برائی کی اس پر احسان کر۔“
نیز طالب علم بدگمانیوں سے بچے، اس لئے کہ بُرا گمان خبثِ طبیعت سے
پیدا ہوتا ہے۔

فصل دہم:

استفادہ:

طالب علم فائدہ لینے اور دینے سے نہ شرمائے، اور جو علمی فائدہ سنے، اس کو
تحریر میں لائے، کہا گیا ہے:

”مَنْ حَفِظَ فَرَّ وَمَنْ كَتَبَ شَيْئًا فَرَّ“

ترجمہ: ”جس نے یاد کیا، یاد کی ہوئی چیز بھاگ
جائے گی، یعنی بھول جائے گی، اور جس نے لکھ لیا، وہ چیز قرار
پکڑ گئی، یعنی محفوظ رہی۔“

حضرت عصام بن یوسف رحمہ اللہ نے دینار دے کر قلم خریدا تھا۔
حضرت صدر الشہید رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے شمس الدین صاحب کو وصیت کی کہ:
”علم کی لکھنے کے ذریعہ حفاظت کر، ہر دن علم کو لکھتا
رہ، یہ تھوڑا تھوڑا کثیر ہو جائے گا۔“

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”رات لمبی ہے، اس کو نیند سے چھوٹا مت کر، اور دن

روشن ہے، اس کو گناہوں سے اندھیرا مت بنا۔“

طالب علم کے لئے ہر چیز میں چا پلوسی و نیاز ممنوع ہے، مگر علم کی تحصیل میں
اساتذہ کرام کے سامنے منت سماجت، عجز اور نیاز کیا کرے۔

فصل یازدہم:

ورع و تقویٰ:

ایک حدیث میں ہے کہ:

”جو شخص پڑھتے وقت پرہیزگاری نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ

اس کو تین چیزوں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرے گا: ۱۔... یا

جوانی میں اس کو موت آجائے گی، ۲۔... یا اس کو بازاروں میں

ڈال دے گا، ۳۔... یا اس کو امیر کی ملازمت میں پھنسا دے گا۔“

طالب علم میں جس قدر ورع و تقویٰ زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کو علم زیادہ فائدہ

دے گا، اس کے لئے علم کا پڑھنا آسان اور اس کے فوائد زیادہ نصیب ہوں گے۔

من جملہ ورع کے یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے بچے، زیادہ نیند نہ

کرے، بے فائدہ چیزوں کے بارے میں بات کم کرے، بازاری طعام کھانے سے

بچے، کیونکہ وہ بے نمازی ہاتھوں کا پکا ہوا ہوتا ہے، اس میں حلت کم اور خیانت زیادہ

ہوتی ہے، اور (بسا اوقات) اس کی بیع و شراء صحیح نہیں ہوا کرتی۔

امام جلیل شیخ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ بازاری طعام نہ کھاتے تھے، ان کا

بیٹا انہیں گھر کا طعام پہنچایا کرتا تھا۔

فصل دوازدہم:

حفظ میں معین اُمور:

حفظ علم میں سب سے قوی اسباب یہ ہیں:

۱:.... محنت۔

۲:.... تعلیم علم میں مواظبت۔

۳:.... غذا کو اس مقدار پر کھائے کہ پیٹ بھرنے سے ذرا کم درجہ ہو۔

۴:.... تہجد پڑھنا۔

۵:.... قرآن کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا۔

شہاد بن اوس رحمۃ اللہ علیہ نے بعض دوستوں کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ زیادہ فائدہ مند کیا چیز پائی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا۔

۶:.... جب کتاب پڑھنے کے لئے اٹھائے تو یہ پڑھے:

”بِسْمِ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ
بِعَدَدِ كُلِّ حَرْفٍ كُتِبَ وَيُكْتَبُ اَبَدًا اَبَدَيْنِ وَدَهْرٍ
الدَّاهِرَيْنِ.“

۷:.... ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھے:

”اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ الْحَقِّ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَكَفَرْتُ بِمَا سِوَاهُ.“

۸:.... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھے۔

۹:.... مسواک زیادہ استعمال کرے۔

۱۰:.... شہد کا پینا مفید ہے۔

۱۱:.... زاری سے دُعا مانگنا۔

اور نسیان کے اسباب یہ ہیں:

۱:.... کثرتِ گناہ۔

۲:.... دُنیوی ہم و غم کا وارد ہونا۔

۳:.... تعلقات اور مشاغل کا بڑھنا وغیرہ نسیانِ علم کے موجب ہیں۔

فصلِ سیزدہم:

رزق کے بڑھانے اور کم کرنے کے اسباب:

طالبِ علم کے لئے ایسی چیزیں ضروریات میں سے ہیں جس سے وہ کسی کا محتاج نہ رہے، اللہ تعالیٰ روزی دیتا رہے، صحت عطا ہو، اور عمر میں برکت ہو، ان چیزوں میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، بعض چیزیں مختصراً پیش خدمت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے:

”لَا يَرُدُّ الْقَدْرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ“

(مشکوٰۃ ص: ۴۱۹ بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:.... ”تقدیر کو کوئی چیز رد نہیں کر سکتی سوائے دُعا کے، اور زندگی کو کوئی چیز نہیں بڑھا سکتی سوائے نیکی اور احسان کے (ماں باپ سے، پیر و اُستاد سے، یتامی و مساکین وغیرہ سے)، پس انسان رزق سے محروم ہو جاتا ہے، گناہ کے باعث سے کہ (جسے وہ) کر لیتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ رزق سے محرومی کا سبب ہے، خصوصاً جھوٹ، کہ یہ تو محتاجی کا پھل لاتا ہے، کذا روی عن السلف۔

اسی طرح صبح کی نماز کے بعد کی نیند، اور کثرت سے نیند کرنا یہ بھی فقر اور محرومی علم کا باعث ہے۔

رزق بڑھانے والی چیزیں یہ ہیں:
صلوۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز) کا پڑھنا، سورۃ واقعہ کا پڑھنا، خصوصاً رات کے وقت، عشاء کے وقت سورۃ ملک کا پڑھنا، صبح و شام سورۃ ملک اور سورۃ مزمل کا پڑھنا، مغرب کے وقت سات بار سورۃ الليل اذا يغشى اور الم نشرح کا پڑھنا، اذان سے پہلے مسجد میں آنا، ہر وقت با وضو رہنا، سنت صبح اور وتر کا گھر میں پڑھنا، وتر کے بعد لغو کلام سے بچنا، اور عورتوں کی کثرت مجالست سے بچنا موجب برکت رزق ہے۔
حضرت علی کریم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: جب عقل کامل ہو جاتی ہے، تو کلام کرنا کم ہو جاتا ہے۔

إِذَا تَمَّ عَقْلُ الْمَرْءِ قَلَّ كَلَامُهُ
وَأَيُّقِنُ بِحَقِّقِ الْمَرْءِ إِنْ كَانَ مُكْثِرًا
ترجمہ:.... ”جب آدمی کی عقل کامل ہو جاتی ہے، تو اس کا بات کرنا کم ہو جاتا ہے، اور یقین کر آدمی کی حماقت کا، اگر بہت بات کرنے والا ہے۔“

صلہ رحمی کرنا، بوڑھوں کی عزت کرنا، کثرت سے دُرود شریف کو معنی کے لحاظ سے اور نیاز و عاجزی سے پڑھنا، ماں باپ کی مال و جان سے خدمت کرنا، اس میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

اسی طرح اُستاذ و مرشد کی مال و جان سے خدمت کرنا، مرنے کے بعد ان کی قبور کی زیارت کرنا، ان کی اولاد و متعلقین کی عزت و محبت کرنا، دُنیا و دین اور عزت کے بڑھنے کا اعلیٰ سبب ہے، فافہم!

وہ وظائف جن سے روزی اور عزت بڑھے، قرب الہی تعالیٰ نصیب ہو، قبر میں روشنی حاصل ہو، درجات بلند ہوں، اور ذلت و رسوائی سے نجات ہو، یہ ہیں:

۱:.... صبح ہونے کے بعد نماز تک: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ ایک سو بار صبح اور ایک سو بار شام کو پڑھے، اور اول آخر درود شریف ایک سو سے زیادہ بار پڑھے، تو بہتر ہے۔

۲:.... ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِينُ“ صبح و شام سو، سو بار، اول و آخر درود شریف، پھر نیاز (عاجزی) سے دُعا مانگے۔

۳:.... ”سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ“ تینتیس، تینتیس بار، ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ چونتیس بار، ہر نماز کے بعد پڑھنا، خصوصاً سوتے وقت، جیسے بے انتہا ثواب کا موجب ہے، ویسے ہی روزی کے بڑھنے اور عزت کے زیادہ ہونے کا بھی بڑا سبب ہے، اور حال یہ ہے کہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

۴:.... ”يَا مُغْنِي“ گیارہ سو بار بعد سنت فجر و قبل فرض، اول و آخر درود شریف، اور ”يَا وَهَّابُ“ بعد سنت عشاء و قبل وتر چودہ سو بار، اول و آخر درود شریف، بعدہ نیاز (عاجزی) سے دُعا کرنا، یہ عمل غرباء و فقراء کے لئے کیمیا ہے، دوام و پابندی کر کے دیکھیں۔

نیز دفع قرض، قضائے حاجات اور دفع مشکلات کے لئے ”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ“ فرض نماز کے سلام سے پہلے اور سلام کے بعد تین بار اور نوافل کے سجدہ میں تین، تین بار پڑھتا رہے، رحمت ہوگی، بفضلہ تعالیٰ و کرمہ۔

دفع دشمن کے لئے ”يَا اللَّهُ يَا عَزِيزُ“ ۳۱۳ بار، اول و آخر درود شریف پڑھتا رہے، دشمن ظاہری و باطنی غلبہ نہ کر سکیں گے، اِنْ شَاءَ اللَّهُ تعالیٰ۔

طلباء کرام سَلِّمُہُمْ وَعَلِّمُہُمْ اللہ تعالیٰ کو خصوصاً اور دوسرے احباب کو عموماً

واجب ہے کہ علم اور علمائے کرام مدظلہم کی عزت، ادب اور مالی و جانی خدمت اپنے اُوپر لازم سمجھیں، اس سے ہزار ہا برکاتِ روحانی و جسمانی، دُنیا و آخرت میں نازل ہوں گی، بفضلہ تعالیٰ و کرمہ۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوة والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین
من الصلوۃ والسلام افضلہما واكملہما واودہما
اللہم تقبل منا انک انت السميع العليم
لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
رب العالمین اللہم وبحمدک اتمدنا لا اله الا انت استغفرک وانوب الیک!

پند: در زبانِ سرائیکی

نہڑ دیں نہڑ دیں نہڑ گیا زمانہ
 نہ بدلیو بھرا شیوہ غافلانہ
 جوانی دی جس رس جوانی نہڑ گئی
 جوانی غلط زندگانی نہڑ گئی
 اوہک خواب شیریں کہانی نہڑ گئی
 نہڑ گئی حیاتی اُجڑ گیا خزانہ
 اُتھاں پل دی پچھ گچھ اُتھاں سال گل گئے
 نہ سوچو بھرا ڈینہ جوانی دا ڈھل گئے
 او بدبخت جو بے عمل بے سمل گئے
 پکری نہ اُتھ امڑی بابا بھرا نہ
 اُتھاں نفسی نفسی دیاں ہو سن پکاراں
 عمل دیاں خزائیں عمل دیاں بہاراں
 نہ اُتھ اپنے اپنے نہ اُتھ یار یاراں
 عمل دے سوا اُتھ بیا آسرا نہ
 شہنشاہیں دے سرتے نہ اُتھ تاج ہوسی
 نہ جھنڈا دامہ اتے راج ہوسی
 خدا دے غضب دی فقط گاج ہوسی

او حاضر عدالت دے وچ مجرمانہ
 نہ رنگیں محل اُتھ نہ گھوڑے تے جوڑے
 تمبیدے قبر وچ پئے کیڑے مکوڑے
 اُتھاں کوئی نہ حامی جو ہٹکے تے ہوڑے
 چراغِ عمل بن اُتھاں سو جھلا نہ
 اجل سرتے کڑکے تیڈا دل نہ دھڑکے
 اُچے گائے والے بھنا گئے ہن منڑ کے
 نہ ڈیہدے قبر کوں جو مغرور کھڑکے
 او قیدی قبر دے قبر قیدخانہ
 توں اج کل دے مومن دا کیا حال پچھدیں
 گناہیں دے وچ تھی گئے پامال پچھدیں
 میں کیا آکھاں ایندی توں کیا چال پچھدیں
 ہے کلمہ زباں تے عمل کافرانہ
 میڈے مدنی آقادی اُمت سڈا کر
 توں سرکار مدنی توں کچھ تاں حیا کر
 نکل ونج گناہیں توں دامن بچا کر
 میڈے سائیں کوں قیامت دے اندر لجانہ
 وڈی رَہ دی ہستی وڈی بارگا ہے
 وکیلں اپلیں دی کوئی اُتھ نہ جا ہے
 نہ لگ چھپ دی اُتھ نہ دُھرک بھج دی جا ہے
 دُعا منگ فخر شالا پکڑی خدا نہ

فوائد قرآن

یعنی

اصطلاحات قرآن



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
بعد الحمد والصلوة:

تمنا ہے کہ اس دُنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں
برادرانِ اسلام! یہ دین کی ایک حقیر سی خدمت ہے جو اپنے مسلمان بھائیوں
کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اُمید ہے کہ اگر خدا تعالیٰ جل و علا شانہ نے منظور
فرمائی تو میری تمام لغزشیں اسی کی بدولت نیست و نابود ہو جائیں گی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ
عِوَجًا. هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا. وَصَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَآصْحَابِهِ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمًا
أَبَدًا، أَمَّا بَعْدُ!

دُنیا جہالت کی ظلمتوں میں حیران و سرگرداں تھی، نورِ قرآن آفتابِ عالم تاب
کی شکل میں نمایاں ہوا، تو اس نے شرق و غرب کو نورِ ہدایت سے جگمگادیا، انسانیت
کے لئے سعادت کی راہیں کھول دیں، قوتِ نظریہ و عملیہ کی تکمیل کی اور انسان کے

لئے جو ایک طویل سفرِ زندگی درپیش ہے، اس کی ابتدا و انتہا کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے لئے واضح احکام عنایت فرمائے، تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل، سیاستِ مدنیہ وغیرہ کے زرین اصول کی راہ نمائی فرمائی، خالق و مخلوق کے تعلقات پر روشنی ڈالی، بلاشبہ قرآن مجید میں ہر اہل علم کے لئے بے بہا اسرار و نکات موجود ہیں، بشرطیکہ اس کا شعور پختہ اور علم محکم ہو، البتہ عوامِ تفسیر و ترجمہ کے محتاج ہیں، اور بعض مطالبِ عالیہ جو عبارت کی تہ میں مستور ہیں، مثلاً: اشارة النص، اقتضاء النص، دلالة النص وغیرہ کو جب تک کسی عالمِ کامل سے نہ سمجھا جائے، خود اہل زبان کے لئے بھی سمجھنا مشکل ہے، بنا بریں چند ایک اصطلاحات فوز الکبیر، مقدمہ تفسیرِ حقانی و روح المعانی وغیرہ سے منتخب کر کے پیش کی جاتی ہیں:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

راقم نے اپنی سعی میں کمی نہیں کی، لہذا اگر ہو سکے تو اس کے لئے دُعاے مغفرت فرمائیں:

شاہاں را چہ عجب گر بنوازند گدارا!

نیز اگر کہیں خامی دیکھیں تو اصلاح فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں، فقط۔

فوائد:

۱۔۔۔ قرآن کریم اپنی وضع، اُسلوب، اندازِ بیان، طریقِ خطاب، طرزِ تفہیم اور طریقِ استدلال، غرضیکہ ہر بات میں دُنیا کے وضعی و صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے، اور نہ اسے پابند ہونا چاہئے، کیونکہ یہ کلامِ الہی ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں پایا جاتا ہے، اور اسے تمام وضعی و صناعی علوم سے ممتاز کر دیتا ہے۔ زمانہ بعثت میں موجود عرب، جو قرآن کریم کے اولین مخاطب ہیں، ایسے

لوگ تھے جن کے فطری قوی رومی و ایرانی علوم و فنون کی تصنع پسندیوں سے داغ دار نہ ہوئے تھے، بلکہ قدرتی سادگی پر باقی تھے، لہذا قرآن اپنی شکل اور معنوں میں جیسا کچھ تھا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی ان کے دلوں میں بس گیا، چنانچہ حضرات صحابہ قرآن کریم کی آیات کو سنتے ہی اس کے مقصدِ اولین کو پالیتے تھے، مگر قرنِ اول ختم نہ ہوا تھا کہ رومی و ایرانی تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں، اور علوم و فنون کا نیا دور شروع ہو گیا، جس سے بعض طبیعتیں متاثر ہوئیں، اور ان علوم کی ظاہری چمک دمک سے ایسی مرعوب ہوئیں کہ قرآنی تعلیمات کی لازوال صداقت و عظمت کو منطق و فلسفے کے بودے اور بناوٹی معیاروں پر پرکھا جانے لگا، جس سے ایسے متاثر لوگوں کے لئے فہم قرآن میں دشواریاں بڑھ گئیں، نیز یہ کہ بہت سے بے بنیاد شکوک اور لاطائل شبہات کا دروازہ کھل گیا، اس طرح یہ لوگ قرآن کی سیدھی سادی تعلیم سے بہت دور جا پڑے۔

۲:۔۔۔ جب کسی کتاب کی مطالب فہمی کا سوال ہو تو قدرتی طور پر اُن ہی لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے، جنہوں نے خود صاحبِ کتاب سے اس کا مطلب سمجھا ہو، قرآن کریم تیس برس میں بتدریج نازل ہوتا رہا، صحابہ کرام سنتے اور نمازوں میں دُہراتے رہے، اور جو اشکال پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھتے رہے، چنانچہ بعض افراد فہم قرآن میں ممتاز ہوئے، جن کے لئے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شہادت دی، لیکن بد قسمتی سے بعد کے لوگوں نے اپنی فکری ساخت سے متاثر ہو کر نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں، نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت روز بروز مستور ہوتی چلی گئی، اور صاف صاف واقعات ناقابلِ حل عقدے بن گئے۔

۳:۔۔۔ نو مسلم عوام کے قصص و روایات مثلاً اسرائیلیات وغیرہ بھی بعض غیر محتاط مفسرین کی کتب تفسیر میں آ گئے، مگر حضرات محققین نے ہمیشہ ایسی روایات پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان مقامات کی صحیح اور مستند تفسیر اُمت کے سامنے پیش کی،

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی خدمات اس سلسلے میں بہت بڑھی ہوئی ہیں، نیز انہوں نے یہ التزام بھی کر رکھا ہے کہ قرآن کی تفسیر حدیث سے کرتے ہیں۔

۴:..... انبیاء علیہم السلام کا طریق استدلال یہ نہیں ہوتا کہ نظری مقدمات ترتیب دیں، اور مخاطب کو اس قسم کی بحثوں میں الجھائیں، وہ براہ راست ارشاد و تلقین کا فطری طریقہ اختیار کرتے ہیں، جسے ہر دماغ وجدانی طور پر پالیتا ہے، لیکن اکثر مفسرین و متکلمین کو اپنے اپنے زمانے میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑا، جنہیں فلسفہ و منطق کے انہماک نے اس قابل ہی نہ رکھا تھا کہ کسی حقیقت کو اس کی سیدھی سادی شکل میں دیکھ کر اسے قبول کر لیں، ان کے زعم میں انبیاء کرام کی بڑی فضیلت اس میں تھی کہ انہیں اعلیٰ درجے کا منطقی ظاہر کیا جائے، اور ان کی تعلیم سراسر منطق ارسطو کے سانچے میں ڈھلی نظر آئے، ایسے وقت میں حضرات مفسرین کے لئے قرآنی مطالب کی تفہیم کی خاطر یہ بات ناگزیر ہو گئی کہ اپنے استدلالات میں مروجہ اصطلاحات کو استعمال کریں اور تعلیمات قرآنیہ کو مروجہ علوم کے تناقض سے بچائیں، چنانچہ ان حضرات نے رائج الوقت اصطلاحات کو استعمال فرمایا، لیکن طرز استدلال میں اس جدت کو اپنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کے دلائل و براہین کی ساری خوبی و دل نشینی جدت پسند عوام کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، اور جوں ہی یہ طرز استدلال گم ہوا، سب کچھ گم ہوا، اور یہ آفت صرف طرز استدلال تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ تمام چیزوں میں پھیلی، منطق و فلسفے نے نئی نئی اصطلاحات پیدا کر دیں، جن سے عربی لغت بوقت نزول قرآن آشنا نہ تھی، پس جہاں کہیں قرآن میں وہ الفاظ آئے، اُن سے وہ معانی متعذر ہو گئے جو وضعی طور پر بعد میں قرار پا گئے، لیکن نئی دنیا میں اسی وجہ سے بہت سی دُور کار بحثیں پیدا ہو گئیں، مثلاً: قدم، حدوث، خلود، احدیت، مثلثیت وغیرہا نے وہ معانی پیدا کر لئے، جن کا صدرِ اوّل میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا۔

۵: ... علم تفسیر کے بارے میں جو چیز سب سے خطرناک ثابت ہوئی وہ تفسیر بالرائے ہے، جس سے حضرات صحابہؓ اور سلفؒ کی رُو میں لرزتی تھیں، تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآنی مطالب میں عقل و بصیرت سے بالکل کام نہ لیا جائے، کیونکہ تعقل و تفکر کی تو قرآن میں جا بجا دعوت موجود ہے۔

تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں کہ سیاق و سباق اور قواعد عربیت سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی آیت کا ایسا مفہوم و مطلب بیان کیا جائے، جو دین کے مقررہ اصولوں سے متصادم ہو، یا کم از کم اس آیت کے بارے میں سلف کی متفقہ رائے کے مخالف ہو، جیسے کہ فرقہ مرزائیہ، منکرین حدیث اور آج کل کے نیچری لوگ کرتے ہیں۔

ہر زمانے میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ موجود رہے ہیں، جنہوں نے آیات کی من مانی تفسیریں کر کے مراد خداوندی کو اپنی غوغا آرائیوں میں گم کرنا چاہا ہے، مگر دست قدرت نے سوادِ اعظم کے قلم سے ہمیشہ ایسے فتنوں کی مدافعت فرمائی ہے۔

۶: ... ہر کتاب اور تعلیم کے لئے چند مرکزی مقاصد ہوا کرتے ہیں، جن کے سمجھے بغیر اس کتاب و تعلیم کا فہم مشکل ہوا کرتا ہے، اسی طرح علم تفسیر کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، جب تک انہیں نہ سمجھا جائے، علم تفسیر کا سمجھنا مشکل ہے، چنانچہ اس سلسلے میں علم تفسیر کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کا جاننا ضروری ہے۔

تعریف:

تعریف کو بعض وجوہ کی بنا پر متاخر کر دیا گیا ہے، غرض و غایت کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

موضوع:

علم تفسیر کا موضوع قرآن مجید ہے، اس حیثیت سے کہ اس کے مطالب و معانی کو معلوم کیا جائے۔

غرض و غایت:

قوت علمیہ اور قوت عملیہ کی تکمیل، تاکہ رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ کو حاصل کیا جاسکے۔

تنبیہ:.... نیز اس علم میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے لئے چند مبادی کا جاننا ضروری ہے، علم تفسیر کے مبادی یہ علوم ہیں: علم صرف، علم نحو، علم ادب و غیرہ جن کی تعداد علماء نے دس سے اوپر بتلائی ہے۔

اصطلاحات

تفسیر:

تفسیر ”فَسْرَ“ سے ہے، جس کا معنی بیان و کشف ہے اور اس کی تعریف یہ ہے:

”هو علم يبحث فيه من كلام الله من حيث انه

يكشف به مراد الله او مراد كلام الله.“

مفسرِ اوّل:.... قرآن مجید کا پہلا مفسر خود قرآن مجید ہے، کما قیل:

”القرآن يفسرُ بعضه بعضاً“۔

مفسرِ دوم:.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بحکم: ”لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ“ چنانچہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہ کرامؓ کو تفسیر و تاویل کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

مفسرِ سوم:.... صحابہ کرامؓ ہیں جو کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور

موقع نزول وغیرہ سے خوب واقف تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی بدولت فہم صحیح کی دولت سے مالا مال تھے۔

مفسر چہارم:.... تابعین کرام ہیں جنہوں نے مدتوں تک حضرات صحابہؓ کی خدمت میں رہ کر دین کو سیکھا اور دین کو آنکھوں سے دیکھا۔

مفسر پنجم:.... تبع تابعین ہیں جو کہ موثق بہم ہیں، ان کی تفسیر بھی عمدہ شمار کی جاتی ہے، اور اسی دور میں تصنیف تفاسیر کا دور شروع ہو گیا تھا، یہ لوگ صحابہؓ اور تابعینؓ کے اقوال روایت کرتے تھے، مگر یہ روایات رطب و یابس سے خالی نہیں، ان میں سے علی بن ابی طلحہ ہاشمی رحمہ اللہ کی سند زیادہ معتبر ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو اس سند کے ساتھ جگہ جگہ بطور تعلق نقل کیا ہے۔

بعض علماء کو شبہ ہوا ہے کہ بخاری کی کتاب التفسیر میں علی بن ابی طلحہ کا نام کسی سند میں نہیں پایا جاتا، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ: بخاری نے جو ”قال ابن عباس“ بغیر سند کے نقل کیا ہے، اصل میں یہ قول علی بن ابی طلحہ کی سند کے ساتھ مروی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباسؓ میں دو ثقہ اشخاص مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ میں سے کسی ایک کا واسطہ ضرور ہوتا ہے، بنا بریں یہ سند منقطع نہیں ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس سند کی تعریف کی ہے۔

اسی طرح عطاء بن سائب اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کی سند بھی صحیح مانی جاتی ہے، نیز وہ اقوال جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بواسطہ مرۃ بن شریبیلؓ، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ابوالعالیہؓ منقول ہیں، درست تسلیم کئے جاتے ہیں، (کذا فی مقدمۃ احسن التفاسیر) ان کے علاوہ دوسری سندوں سے جو بعض لمبی لمبی روایتیں ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، ان

(مقدمہ تفسیر حقانی)

میں سے اکثر قابل وثوق نہیں۔

تأویل:

تأویل، اَوَّل سے ہے، جس کے معنی ہیں: رُجوع کرنا، گویا مؤول لفظ کے چند معانی محتملہ میں سے بقرائن ایک معنی کی طرف رُجوع کرتا ہے۔ معالم التنزیل میں تأویل کی تعریف یوں کی گئی ہے:

”صرف اية الى معنى محتمل موافق لما قبلها

وما بعدها غير مخالف لكتاب الله وسنة رسول الله من

طريق استنباط، فقد رخص فيه لأهل العلم.“

یعنی: تأویل اس کو کہتے ہیں کہ ایک آیت کے وہ محتمل معنی جو ماقبل و مابعد کے موافق ہوں، اور کتاب و سنت کے مخالف بھی نہ ہوں، وہ لئے جائیں، اہل علم کو اس کی رخصت دی گئی ہے۔

سید سند نے شرح کشاف اور مملّا علی قادری نے شرح مشکوٰۃ میں اسے جائز قرار دیا ہے، اور تفسیر بالرائے جو ان شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ کی گئی ہو، اگرچہ درست بھی ہو، اس کو تمام علمائے محققین نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

تحریف:

جو تفسیر ظاہر قرآن، نصوص صریحہ، احادیث صحیحہ یا عقائد جمہور اسلام کے خلاف ہو، اُسے تحریف کہتے ہیں، اس کا قائل خواہ کوئی ہو، بہر حال یہ حرام، زندقہ اور الحاد ہے۔ کبھی بعض عیار لوگوں کی طرف سے ایسی تفسیریں معتمد علماء کی طرف بھی منسوب کر دی جاتی ہیں، اسے صریح بہتان سمجھنا چاہئے۔

مخالفین اسلام نے اپنی بدباطنی سے بعض قصص اور احکام قرآنیہ کو اپنی تأویل

باطل کے پردے میں مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً یہ کہا کہ: نماز سے مراد فقط توجہ الی اللہ ہے، احکام مخصوصہ نہیں، اسی طرح روزہ، زکوٰۃ اور دوسرے حقائق شرعیہ کے واہی تباہی معنی بیان کئے، حاصل یہ نکلا کہ کہیں نماز ندارد، کہیں سب محرمات حلال۔

اسی طرح ایک آفت یہ چھائی کہ کبھی کوئی تفسیر بنا کر کسی بزرگ کے نام مشتہر کردی اور دیباچہ میں اس کا نام لکھ دیا، مجہول راویوں کے نام سے ”حدیثا“ اور ”اخبارنا“ کہہ کر سند بھی بنالی، اب کوئی نہیں پوچھتا کہ حقیقت کیا ہے؟ مگر محدثین کو خدا تعالیٰ جزائے خیر دے! کہ انہوں نے اس قسم کے چور اور راہ زن پکڑ کر دین کی وہ خدمت کی، جس سے پوری ملت ابد الابد تک ان کی زیر بار احسان رہے گی، ایسی موضوع روایات شیعہ کتب تفاسیر میں پائی جاتی ہیں۔

شان نزول:

قرآن کریم کی آیات کے نازل ہونے کا عمومی سبب اور مقتضی دراصل بندوں کی حاجات اور ضروریات ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو بتدریج نازل فرمایا، مگر اکثر آیات کا نزول بظاہر کسی نہ کسی واقعے کے پیش آنے کے وقت ہوا ہے، اگرچہ ان آیات کی تفسیر اس واقعے کے علم پر موقوف نہیں ہے، اصطلاح مفسرین میں شان نزول سے یہی واقعہ مراد ہوتا ہے، جیسا کہ ظہار کی بابت ایک عورت کے سوال پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

”قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ الخ“

(المجادلہ: ۱)

ترجمہ: ”سن لی اللہ نے بات اس عورت کی جو

جھگڑتی تھی تجھ سے.....“

چنانچہ ایسے واقعات کافی ہیں جنہیں محدثین نے بہ سند صحیح نقل کیا ہے، مگر بعض اہل سیر نے اس معاملے میں افراط سے کام لیا ہے، چنانچہ ہر آیت کے تحت ایک قصہ نقل کر دیتے ہیں، محدثین کے نزدیک ان میں سے اکثر غیر صحیح ہیں۔

قرن اول میں شان نزول کا اطلاق وسیع معنوں میں ہوتا تھا، مثلاً اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سوال کے جواب میں کوئی آیت پڑھ دی تو اسے سبب نزول کہہ دیا کرتے تھے، کبھی کسی واقعے کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا تو اسے بھی ”نزلت فی کذا“ کہہ دیتے تھے، کبھی کسی عام حکم کی آیات کا کسی فرد خاص پر انطباق کرنا، یعنی اس کا مصداق بننا، سبب نزول سمجھا جاتا تھا، کبھی ایک واقعہ دو بار ہو جاتا تو کہہ دیتے کہ آیت دو بار نازل ہوئی ہے، کبھی محدثین اس آیت کو جسے صحابہؓ نے استشہاداً پڑھا تھا، شان نزول فرما دیتے ہیں، حالانکہ یہ سبب نزول نہیں ہے۔

یہاں پر ایک اور بات ذہن نشین کر لینی چاہئے، وہ یہ کہ شان نزول کے انفرادی واقعات کے علاوہ ہر صنف آیات کے لئے ایک ایسا عمومی سبب نزول بھی ہے، جو ایسی آیات کے نزول کا مقتضی ہوا کرتا ہے، کیونکہ نزول قرآن کا اصل مقصد اصلاح نفوس بشریہ ہے، پس لوگوں میں عقائد باطلہ کا پایا جانا، آیاتِ مخالفہ کا سبب نزول ہے، اور اعمالِ فاسدہ کا وجود، آیاتِ احکام کا سبب نزول ہے، نیز لوگوں کا نڈر ہونا، آیاتِ غضب، اور عذاب سے خوف زدہ ہونا، آیاتِ رحمت کے لئے شان نزول ہے، اس بحث کی زیادہ تحقیق مقدمہ اتقان، فوز الکبیر اور مقدمہ تفسیر حقانی میں دیکھیں۔

فائدہ:.... واضح رہے کہ جمہور صحابہؓ اور تابعینؓ کا اتفاق ہے کہ آیت کو سبب نزول کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جائے گا، بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوگا، ہاں! کبھی سبب نزول بیان کرنے سے مفسرین کا مقصد صرف تاسخ آیات ہوا کرتا ہے، جیسے آیت:

”فَإِنَّ مَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهَ اللَّهِ“ (البقرہ: ۱۱۵)

ترجمہ:.... ”پس تم جس طرف منہ کرو ادھر ہی خدا ہے۔“
 بظاہر اس سے قبلہ رخ ہونے کی فرضیت اٹھ جاتی ہے، لیکن اس کا سبب نزول و موقع بتاتا ہے کہ جب سفر یا جنگل میں قبلہ نامعلوم ہو یا انسان سواری پر ہو اور نوافل پڑھ رہا ہو تو جدھر رخ ہوگا نماز جائز ہوگی، کیونکہ ہر سمت ذاتِ حق جل و علا ہے، اس سے تقابل آیات بھی رفع ہوا اور فرضیت قبلہ بھی باقی رہی۔

حالتِ اقوام بوقتِ نزولِ قرآن:

بعثت سے پہلے دُنیا ظلمت و الحاد کے طوفانوں میں غوطے کھا رہی تھی، عرب میں مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے: مشرکین، یہود، نصاریٰ، مجوس وغیرہ۔
 عرب کو بلحاظ خیالات دو قسم پر منقسم کیا جاسکتا ہے: اوّل: معتقدِ ملتِ ابراہیمیہ، دوم: جو کسی مذہب کے معتقد نہ تھے۔
 اوّل گروہ عرب محصلہ اور دوم معطلہ کہلاتا ہے۔
 معطلہ کی پھر بہت سی اقسام تھیں، کیونکہ انسانی سعادت کا قصور دو ہی طرح سے ہوتا ہے، یا قصور قوتِ نظریہ سے یا فتور قوتِ عملیہ سے۔
 قوتِ نظریہ کے فتور سے مندرجہ ذیل گروہ پیدا ہو گئے تھے:

۱:۔۔۔ جو خدا تعالیٰ، انبیاء، جزا و سزا اور حشر و نشر کی بھی چیز کے قائل نہ تھے، بلکہ کہتے تھے کہ تمام چیزیں دہر کے ذریعے ہو رہی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

”قَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيٰی

وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ“ (الجاثیہ: ۲۴)

ترجمہ:.... ”اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا

جینا دُنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو

زمانہ سے۔“

اسی کا ابطال:

”أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

..... الخ“ (الاعراف: ۱۰۵)

ترجمہ:.... ”کیا انہوں نے نظر نہیں کی سلطنت میں

آسمان اور زمین کی۔“

اس جیسی آیات سے کیا گیا ہے کہ یہ انتظام خود بخود نہیں چل رہا ہے، بلکہ

مالک مختار کا کام ہے۔

۲:.... خدا تعالیٰ کے قائل تو تھے، مگر موت کے بعد جی اٹھنے اور حساب و

کتاب کے منکر تھے، چنانچہ کسی شاعر نے جو اسی فریق سے ہے، کہا ہے:

حیوة ثم موت ثم نشر

حدیث خرافة یا أم عمرو

اس کا رد قرآن مجید میں جا بجا مصرح و مشرح ہے۔

۳:.... رسالت بشری کے منکر تھے، اور اس بارے میں شبہات رکیکہ پیش

کرتے، مثلاً: یہ کہ خدا کو کھانے پینے والے بشر کی کیا ضرورت ہے کہ اسے رسول بنا کر

بھیجے؟ جس کا ذکر اس طرح پر ہے:

”مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي

الْأَسْوَاقِ“ (الفرقان: ۷)

ترجمہ:.... ”یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے

بازاروں میں۔“

دوسرے مقام پر ہے:

”أَبْعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا“ (بنی اسرائیل: ۹۴)

ترجمہ:.... ”کیا بھیجا اللہ نے آدمی کو پیغام دے کر؟“

جس کا جواب سورہ فرقان وغیرہ میں منقول ہے، مثلاً:

”لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ..... الخ“

(بنی اسرائیل: ۹۵)

ترجمہ:.... ”اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے.....“

۴:.... فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں خدا کی لاڈلی بیٹیاں بتاتے تھے، جس کا

بیان یوں ہوا ہے:

”وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ

(الزخرف: ۱۹)

ترجمہ:.... ”اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے

ہیں رحمن کے عورتیں۔“

اور بعض جنوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے، جیسا کہ فرمایا ہے:

”وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا“ (الصافات: ۱۵۸)

ترجمہ:.... ”اور ٹھہرایا انہوں نے خدا میں اور جنوں

میں ناتا۔“

۵:.... بعض لوگ بزرگوں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ: جس طرح بغیر

وزیروں، مشیروں کے سلاطین کے درباروں میں باریابی حاصل نہیں ہو سکتی، اسی طرح

بغیر واسطہ انبیاء و اولیاء کے خدا سے بھی عرض معروض نہیں ہو سکتی، ان کے خیال میں

اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو خدائی کا حصہ عطا فرما رکھا ہے، جن کے تقرب کے بغیر نہ

کسی کی عبادت قبول ہوتی ہے، نہ حاجت روائی اور مشکل کشائی ہوتی ہے، اسی کے رد

میں فرمایا گیا:

”أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ

(الکہف: ۱۰۲)

ذُنُنِي أَوْلِيَاءَ“

ترجمہ:.... ”اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے

بندوں کو میرے سوا حمایتی۔“

۶:.... بعض کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں میں حلول کرتا ہے اور ان کی

شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

”لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ

(المائدہ: ۷۲)

مَرْيَمَ“

ترجمہ:.... ”بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ

وہی مسیح ہے مریم کا بیٹا۔“

جیسا کہ یہود اپنے اوتاروں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی

عقیدہ رکھتے تھے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ غُلُوبًا كَبِيرًا!

اسی بنا پر بڑے بڑے بزرگوں کے ڈھانچے بصورتِ بت بنا کر رکھتے اور

کسی بت کو رزق رساں، کسی کو دافع مصیبت، کسی کو حاجت روا، اور کسی کو مشکل کشا

سمجھ کر دُور و نزدیک سے انہیں پکارتے، ان کے تقرب کے لئے قربانی، نذر و نیاز

دیتے، انہیں سجدے کرتے، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے، جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

”وَأَنعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ“ (الانعام: ۱۳۸)

ترجمہ:.... ”اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں

لیتے اللہ کا۔“

اور ان کا خون بتوں پر لگاتے، گویا انہوں نے اس سے کھایا ہے، ان کے

آگے باجا بجاتے، ناچتے کودتے، ان کے گرد طواف کرتے، ہاتھ جوڑ جوڑ کر ان سے

مرادیں مانگتے، بعض دفعہ ان پر اولاد کی قربانی بھی کرتے، جیسا کہ سورہ انعام میں ہے:

”وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ
أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ“
(الانعام: ۱۳۷)

ترجمہ:.... ”اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں

کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو ان کے شریکوں نے۔“

ان کے نام پر جانور چھوڑتے، کھیتی باڑی سے ان کا حصہ نکالتے، اور یوں سمجھتے کہ ان بتوں کا تقرب، تقرب الہی ہے، اور ان سے رُگردانی سبب نقصانِ جان و مال ہے، بنا بریں ان کی پرستش کو ضروری سمجھتے۔

مقدمہ تفسیرِ حقانی میں ہے کہ: جن لوگوں کے متعلق ان کا یہ خیال و عقیدہ تھا وہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیائے کرام اور ملائکہ عظام تھے، اور اس فریق کا رد قرآن مجید میں سورہ مائدہ و بنی اسرائیل وغیرہ میں جا بجا موجود ہے۔

۷:.... بعض لوگ آگ، پانی، سورج، چاند اور ارواحِ خبیثہ وغیرہ کی عبادت کرتے تھے، بعض کاہنوں کو غیب دان سمجھ کر ان سے غیب کی باتیں پوچھتے تھے، ان کے رد میں:

”لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ“

(حَم السجده: ۳۷)

ترجمہ:.... ”سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو۔“

وغیرہ آیات کثیرہ وارد ہیں، بالخصوص سورتِ حم اور النحل وغیرہ۔

عربِ محصلہ:

اس کے بھی کئی گروہ تھے، تفصیل ملاحظہ ہو: اول ملتِ ابراہیمیہ کے پابند،

اگرچہ یہ لوگ قلیل تھے، لیکن کہیں کہیں ان کے افراد پائے ضرور جاتے تھے، مثلاً زید بن عمرو بن نفیل، قیس بن ساعدہ اور قیس بن عاصم تمیمی وغیرہ، جن سے اسلامی تاریخ داں بخوبی واقف ہیں۔

مذہب عیسوی کے پابند:

اگرچہ یہ مذہب ایک آسمانی مذہب تھا، لیکن پہلی صدی میں اس پر وہ آفات نازل ہوئیں کہ اصلی انجیل گم ہو گئی، یونانی اور رومی لوگوں میں اس کے متعلق نئے نئے خیالات پیدا ہو گئے، تصنیفِ اناجیل کا بازار گرم ہوا، حتیٰ کہ ستر انجیلیں لکھی گئیں، ان میں سے چار مشہور ہیں، پھر ان میں بھی بے دریغ تغیر و تبدل اور حک و اضافہ ہوتا رہا، حتیٰ کہ چوتھی صدی عیسوی میں ان کی سات جداگانہ جماعتیں قائم ہو گئیں، جن کی وجہ سے عیسائی اب تک بُری طرح اختلاف و تشتت کا شکار ہیں۔

الوہیتِ مسیح، تثلیث اور مسئلہ کفارہ بھی اسی زمانے کی ایجاد ہے۔

ملکِ اٹلی، روم میں پوپ قائم ہوا، جسے اپنے عہد میں مسیح کا نائب سمجھا جاتا تھا، لہذا اسے دینی احکام میں حلت و حرمت، دستور میں ترمیم و تنسیخ اور معمولی نذرانے پر گناہوں کی معافی کا پروانہ دینا، وغیرہ، کا مجاز تصور کیا جاتا تھا، غرض ان کی حرام کاری کی کوئی انتہا نہ تھی، اسی سے ناراض ہو کر مارٹن لوتھر نے مذہبِ عیسوی کی ترمیم شروع کی، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک عیسائیوں میں بت پرستی، قبر پرستی، توہمات پرستی اور بد اطواری عام طور پر رواج پا چکی تھی، سب سے بڑھ کر ان میں یہ تین بدترین اصول اس وقت بھی تھے اور اب بھی ہیں:

۱۔... تثلیث: خدا تعالیٰ، رُوح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام کو اقنومِ ثلاثہ مانتے تھے، یعنی تینوں کو ملا کر ازلیت اور ابدیت والا ایک خدا مانتے تھے، نہ کہ تین، اور اسے

توحید فی التثلیث کہتے تھے۔

۲.... اُلُوہیتِ مسیح: عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے ہیں، لہذا انہیں قاضی الحاجات، دافع البلیات جان کر پکارتے تھے۔

۳.... تصلیبِ مسیح: جو کہ یہود کے ہاتھوں سے ہوئی تھی، اُسے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ خیال کرتے تھے، نیز یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو سہواً بہشتی درخت سے کچھ کھالیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے... نعوذ باللہ... انہیں لوگوں کے گناہوں میں ملعون بنا کر تین دن تک جہنم میں رکھا تھا، اس طرح سے وہ تمام لوگوں کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو گئے... العیاذ باللہ... اس کا ردّ: ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى“ (فاطر: ۱۸) (اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا) میں ہے۔

فنڈر پادری اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں اس کا ذکر بڑے فخر سے کرتا ہے۔ اور ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ بندوں کے گناہ معاف کرنے پر قادر ہی نہیں ہے، اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء علیہم السلام گناہگار چلے آئے ہیں قرآن کریم کی اس آیت:

”وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنِ الْأَخْيَارِ“

(ص: ۴۷)

ترجمہ:.... ”اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے

ہوئے نیک لوگوں میں۔“

میں ان کے ردّ کی طرف اشارہ ہے، نیز یہ گروہ رہبانیت کو عمدہ عبادت خیال کرتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

(الحمد: ۲۷)

”وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا“

ترجمہ:.... ”اور ایک ترک کرنا دُنیا کا جو انہوں نے نئی

بات نکالی تھی۔“

ان کا رد بھی قرآن مجید میں عام ملتا ہے۔

یہودی:

ان میں سے بعض تشبیہ کے قائل تھے، یعنی حق جل شانہ کے لئے جسم اور مکان ثابت کرتے تھے، اور قوت و قدرت ایزدی کو متناہی مانتے تھے، نیز ان کا خیال تھا کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تھک گیا ہے، اور ہفتے کا دن اس کے آرام کے لئے مقرر ہے، اس کے رد میں:

”وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ“ (ق: ۳۸)

ترجمہ:.... ”اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان۔“

”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ:.... ”نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی۔“

”وَلَا يَتُودُهُ حِفْظُهُمَا“ (آیہ الکرسی)

ترجمہ:.... ”نہیں تھکاتی اس کو ان دونوں کی حفاظت۔“

وغیرہ آیات نازل ہوئیں۔

ان میں سے بعض، انبیاء کی عصمت کے قائل نہ تھے، اس کے رد میں:

”وَأَنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ“

(ص: ۴۷)

ترجمہ:.... ”اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے

ہوئے نیک لوگوں میں۔“

وغیرہ آیات وارد ہوئیں، یہ لوگ انبیاء کے بعد منہیات میں ایسے مستغرق

ہوئے کہ بجائے تعلیم و تدریس کتاب الہی کے جادو منتر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، جس کا بیان پارہ اول میں ہے:

”مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ“ (البقرة: ۱۰۲)

ترجمہ:.... ”جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس

کی عورت میں۔“

نیز حضرت مسیح علیہ السلام اور مریم علیہا السلام پر بدگمانیاں کرتے تھے، ان کے متبعین سے عداوت رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ: اگر بموجب بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے، توراۃ کی تمام بشارات کو مؤول کرتے تھے، ان کے ہاتھوں کئی انبیاء کا قتل ہوا، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

”وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ“ (آل عمران: ۱۱۲)

ترجمہ:.... ”اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق۔“

نازل ہوا، ان کے احبار و رہبان حب مال و جاہ، دین فروشی اور مسائل پر رشوت لینے میں نہایت بے باک تھے، جیسا کہ آیت:

”وَ أَكْثَلُهمُ السُّعْتِ“ (المائدہ: ۶۳)

ترجمہ:.... ”اور حرام کھانے سے۔“

انہیں کے حق میں وارد ہے، اور ان کو تو توبہ کے باوجود بھی یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور خدا کا وعدہ ہے کہ ہم سات دن یا چالیس دن مدت عبادتِ عجل یا چالیس سال مدتِ وادیٰ تہ یا مدتِ عمر دوزخ میں رہ کر ضرور جنت میں داخل ہوں گے، اسی موقع پر ارشاد ہے:

”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُ“ (المائدہ: ۱۸)

ترجمہ:.... ”ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اس کے پیارے۔“

اور:

”لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ“ (البقرہ: ۸۰)

ترجمہ:...”ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز

گنے چنے۔“

اور یہ بھی انہیں گھمنڈ تھا کہ نبوت ہمارے ہی خاندان کے ساتھ مخصوص

ہے، جس کے رد میں:

”وَاللَّهُ يُخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ“ (البقرہ: ۱۰۵)

ترجمہ:...”اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ

جس کو چاہے۔“

وغیرہ آیات نازل ہوئیں، ان کے اعمالِ سیئہ کا نقشہ سورہ بقرہ میں خوب تفصیل سے کھینچا گیا ہے۔

ہندو قوم:

یہ ہندوستان میں زمانہ قدیم سے آباد تھے، ان کے تین بڑے فرقے تھے:

اول: ... بت، عناصر، آفتاب اور نیرات وغیرہ کے پجاری، بلکہ انسان، حیوان، نباتات، جمادات وغیرہ کے پجاری بھی تھے، جنہیں صابیوں، مجوسیوں کا مقلد کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

دوم: ... سرے سے خدا تعالیٰ کے منکر تھے۔

سوم: ... جاہل وحشی، جن کا نہ کوئی مذہب تھا، نہ ملت۔ پھر ان میں سے ہر ایک قسم کی بہت سی شاخیں تھیں، دیوتاؤں کے پجاری، بھوت پریت ہر شے کے لئے مختلف دیوتاؤں کا قائل ہونا، ہر ایک فرقہ کے براہمن یا گوسائیں ان کے ہاں موجود

تھے، ان کی مختصر سی شرح تفسیر حقانی میں موجود ہے، ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھولی بھٹکی دُنیا کی راہ نمائی فرمائیں اور ملتِ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کریں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

الف:.... ”لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ“

(ابراہیم:۱)

ترجمہ:.... ”کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے اُجالے

کی طرف۔“

ب:.... ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ

(الاعراف:۱۵۸)

جَمِيعًا“

ترجمہ:.... ”اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی

طرف۔“

ج:.... ”وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي

(الاعراف:۱۵۷)

كَانَتْ عَلَيْهِمْ“

ترجمہ:.... ”اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور

وہ قیدیں جو ان پر تھیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس پیغام کا نام جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو دیا ”اسلام“ ہے، یہی انسانیت کے لئے واحد راستہ ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

الف:.... ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“

(آل عمران:۱۹)

ترجمہ:.... ”بے شک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی

مسلمانی حکم برداری۔“

ب.... ”وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ

(آل عمران: ۸۵)

”مِنْهُ“

ترجمہ:.... ”اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی

دین سوا اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔“

قوی:

انسانی وجود میں دو قوتیں ہیں، اگر ان کی اصلاح ہو جائے تو انسان کو نجات

و سعادت عظمیٰ مل سکتی ہے۔

قرآن کے علوم

ا:.... قوت نظریہ:

جس سے محسوسات و معقولات کا ادراک ہوتا ہے، اور حق و باطل میں تمیز

ہوتی ہے، یہی قوت، اعمال پر برا بیچختہ کرتی ہے، اور مرنے کے بعد بھی ساتھ رہتی ہے،

معقولات مجردات میں سب سے اعلیٰ و اشرف موجود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، لہذا اس کی

ذات و صفات کا علم ایک اعلیٰ و افضل علم ہے، اس کا صحیح علم بجز انکشاف انبیاء علیہم

السلام ناممکن ہے، سینکڑوں مذاہب باطلہ اور ادیان کا ذبہ صرف اس لئے پیدا ہوئے کہ

انہوں نے خدا تعالیٰ کو ”خدا“ نہ جانا، بلکہ اپنے خیالات باطلہ سے جسے چاہا خدا بنایا اور

اسے صفات باری تعالیٰ سے موصوف گردانا۔

قرآن مجید نے اس مشکل کو حل کر دیا، خدا تعالیٰ نے دلائل آفاقی و انفسی

سے اپنی ذات و صفات کا ثبوت دیا، توحید، قدرت، علم، حیات، بے چونی اور استحقاق

ستائش و حمد، ربوبیتِ جملہ عالم، رحمتِ تامہ و عامہ و غیرہ صفاتِ کمال ثابت کیں، اور فنا، حدوث، احتیاج و غیرہ جسمانی آلائشوں سے پاکیزگی بھی بیان فرمادی، کہیں عالمِ علویات یعنی آسمانوں، ستاروں اور ان کے حالات سے، کہیں ارتباطِ عناصر اور ان کے تغیرات و حالات سے، کہیں جو السماء اور اس کی کائنات میں غور و خوض سے، کہیں زمین، پہاڑ، جمادات اور ان کی وضع و اشکال سے، کہیں نباتات اور اس کے مختلف حالات سے، کہیں تخلیقِ حیوانات اور ان میں تغیرات سے اپنی ذات و صفات کو واضح فرمایا، جنہیں دلائلِ آفاقیہ کہا جاتا ہے، کبھی خود حضرت انسان اور اس کے حالاتِ حیرت خیز سے ثابت و واضح فرمایا کہ یہ انسان اور اس کے متعلقات و ضروریاتِ ارضی و سماوی کی تخلیق و ترتیب، ان کے مادہ و طبیعت سے نہیں ہوئی، بلکہ کوئی ایسی ذات ہے جس میں قدرت و رحمتِ کاملہ ہے، وہی انہیں بنا سکتی ہے اور وہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے:

و فی کل شیء لہ ایۃ

تدل علی انہ واحد

۲: ... قوتِ عملیہ :

اس میں تین ضروری علوم ہیں:

۱: ... تہذیبِ النفس: اس کی بہت سی شاخیں ہیں، مثلاً طہارتِ بدن، لباس، آدابِ مآکل، مشارب، براءۃ عن الاخلاق الرذیلہ (مثلاً: حسد، کبر، بغض، عداوت وغیرہ) کا طریقہ۔

۲: ... تدبیر المنزل: وہ علم جس میں ایک گھر کی معاشرت و انتظام سے بحث کی جاتی ہے۔

۳: ... سیاستِ مدنیہ: وہ علم ہے جس میں طہارتِ ظاہریہ و باطنیہ، حدود و

قصاص، میراث، طلاق، نکاح اور بیع و شراء وغیرہ تمام چیزوں سے متعلقہ امور سے بحث کی جاتی ہے، اور ان تینوں علوم کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے: ”کُلُّ فِیْ کِتَابِ مُبِیْنٍ“۔

علوم خمسہ:

یہ پانچ علوم قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں:

۱۔ علم الخاصمہ:

یعنی عقائدِ باطلہ کی تردید اللہ تعالیٰ نے فرقِ باطلہ ضالہ مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کی تردید بکثرت نازل فرمائی ہے، اور ان کے شبہات کو اَدلہ برہانیہ و خطابیہ سے پورے طور پر واضح فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت میں مشرکین ملتِ ابراہیم کے دعویدار تھے، اور بعض ملتِ ابراہیمیہ کے شعار مثلاً: حجِ کعبہ، غسلِ جنابت، ختنہ، تعظیمِ اشہرِ حرام و مسجدِ حرام، تحریمِ محرماتِ نسبیہ و رضاعیہ اور ذبحِ در حلق وغیرہ کے بھی قائل تھے، اگرچہ اکثر مشرکین نے عملاً ان چیزوں کو ترک کر دیا تھا اور زنا، سرکہ، غصب و غارت کے مرتکب ہو چکے تھے، اور اعتقادیات میں خالقِ ارض و سماء، مدبرِ امورِ عالیہ، ارسالِ رسل پر قدرت، اعمالِ حسنہ اور سیئہ پر سزا و جزا دہندہ، خدا تعالیٰ کو مانتے تھے اور فرشتگان کو مقربِ ایزدی اور مستحقِ تعظیم سمجھتے تھے، ہاں! ان پانچ چیزوں کے اعتبار سے ان کے اعتقادیات میں گمراہی بھری ہوئی تھی: شرک، تشبیہ، تحریف، انکارِ معاد اور استبعادِ رسالتِ انسان۔

۲۔ شرک: ان کا شرک اس معیار پر نہ تھا کہ جو کام خدا کرنا چاہے کوئی اس کا مدِ مقابل اسے روک سکتا ہے، بلکہ ان کا شرک اس طرح پر تھا کہ خدا تعالیٰ کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرتے کہ جس طرح بادشاہ اپنے خاص بندگان میں سے کسی

کو بعض ممالک کا حاکم بنادیتا ہے اور وہ اس علاقے میں مختار و متصرف ہوتا ہے، اور جب تک کسی معاملے میں بادشاہ سے ممانعت نہ آئے، وہ معاملات کو طے کئے جاتا ہے، اور بادشاہ اُمورِ رعایا میں جزوی طور پر متصرف نہیں ہوتا۔

اسی طرح چھوٹے چھوٹے اُمور، مثلاً: شفاءِ امراض، اعطائے ولد، درازی عمر اور اعطائے اعزاز و کرامت وغیرہ کے متعلق اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ اُمور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگانِ خاص کے سپرد فرما رکھے ہیں، اور اُمورِ عظام (بڑے بڑے کام) مثلاً: نگہداشتِ عرش و فرش، خالقیت و مالکیت وغیرہ خود فرماتا ہے، نیز ان کا یہ بھی خیال تھا کہ بندگانِ خاص کی سفارش اگرچہ رضائے ایزدی نہ بھی ہو تب بھی قبول فرماتا ہے، ”مقبول را رد نباشد سخن“ اسی بنا پر ان کی طرف سجدہ، ان کے نام کی نذر و نیاز اور قربانی، ان کی قسم اور ان سے استعانت و تقرب ضروری سمجھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ان سے ہمیں خدا کا تقرب ہوتا ہے، اور یہ ہماری سفارش بھی کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے:

الف:.... ”مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى“

(الزمر: ۳)

ترجمہ:.... ”ہم تو ان کو پوجتے ہی اس واسطے ہیں کہ ہم

کو پہنچادیں اللہ کی طرف قریب کے درجے میں۔“

ب:.... ”هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ (یونس: ۱۸)

ترجمہ:.... ”یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔“

بعد میں ان کی تصاویر پتھر، پیتل وغیرہ کی بنا کر بطور تبرک رکھنے لگے، آہستہ

آہستہ بعض جاہلوں نے ان کو معبود بذاتہ سمجھا اور صفاتِ مختصہ خدا، مثلاً: علم غیب و تصرف وغیرہ ان کے لئے بھی ثابت کیا، جس سے ان کی بنائے شرک پختہ ہو گئی۔

۲: ...تشبیہ: خدا تعالیٰ کے لئے صفاتِ بشریہ ثابت کرنے لگے، مثلاً: ملائکہ بنات اللہ ہیں، شفاعتِ بندگان، اگرچہ مرضی نہ ہو مثل بادشاہان قبول فرماتا ہے۔

۳: ...تحریف: مشرکین عرب ابتداءً ابراہیمی دین رکھتے تھے، جب عمرو بن لُحی علیہ ما علیہ یمن سے بت اپنے ساتھ اٹھالایا تو آہستہ آہستہ ان میں صنم پرستی، بکیرہ، سائبہ جانوروں کے بتوں کے نام پر کان کاٹنا، تیروں سے تقسیم کرنا، امداد غیر اللہ وغیرہ رسوم رواج پاتے گئے، اور بعد کے لوگ بطور تمسکِ آباء انہیں اجزائے ایمان تصور کرنے لگے۔

۴: ...انکارِ معاد: اگرچہ سابق انبیاء علیہم السلام نے حشر و نشر کو بیان فرمایا تھا، مگر یہ بیان تفصیل و شرح سے نہ تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے، لہذا مشرکین نے تاویلیں کرنا شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ نوبت انکار تک پہنچ گئی۔

۵: ...استبعادِ رسالتِ انسان: یہ لوگ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کو رسول مانتے تھے، مگر نبی کے لئے صفاتِ بشریہ مثلاً: کھانا پینا، بازاروں میں چلنا، شادی کرنا، جیسے امور کو کمالِ نبوت و رسالت کے منافی سمجھتے تھے، اور یہ بات شانِ ایزدی کے لائق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ ایک غریب آدمی کو نبی بنا کر بھیجے، وہ کہا کرتے تھے کہ: فرشتے کو نبی بنا کر بھیجنا چاہئے تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر سوال کا جواب بوساطتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل طریق پر دیا:

۱: ...مخلوق میں سے کوئی چیز اگر مستقل اختیار رکھتی ہے، تو نام لو۔

۲: ...تخلیقِ آسمان و زمین میں اگر کوئی چیز خدا کی شریک ہے، تو بتاؤ۔

۳: ...جب عبادت انتہائی تعظیم کا نام ہے، تو اس کا مستحق سوائے خدا تعالیٰ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

۴:....ابتدائے عالم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام مسئلہ توحید پر متفق چلے آئے ہیں، اور ان کا اتفاق بغیر از صدق کیسے ہو سکتا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ

إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ.“ (الانبیاء: ۲۵)

ترجمہ:.... ”اور ہمیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی

رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہی ہے کہ کسی کی بندگی

نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کرو۔“

۵:.... اصنام جبکہ کوئی بھی حس و حرکت نہیں رکھتے، معبود کیسے بن سکتے ہیں؟

اسی طرح تشبیہ کے جواب میں نمبر ایک پر دلیل طلب کی گئی ہے کہ:

۱:.... اگر خدا تعالیٰ میں انسانی صفات ہیں تو کوئی دلیل پیش کرو۔

۲:.... والد اور ولد میں تناسب ہوتا ہے، اور خدا و مخلوق میں وہ تناسب مفقود ہے۔

۳:.... تمہارے لئے تو بیٹیاں باعثِ عار ہیں، پھر خدا کے لئے بیٹیاں کیوں

ثابت کرتے ہو؟

تحریف کے جواب میں کہا گیا:

۱:.... یہ چیزیں ائمہ ملت سے منقول نہیں ہیں۔

۲:.... یہ افتراء علی اللہ ہے، وغیر ذالک۔

انکارِ معاد کے جواب میں کہا گیا:

۱:.... تمثیل دی گئی ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو بارش سے زندہ کیا جاتا ہے،

اسی طرح مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔

۲:.... اللہ قادر ہے کہ اجزائے متفرقہ فی البر وال بحر کو یکجا جمع کر کے زندہ فرمادے۔

- ۳: ... احيائے موتی میں تمام کتب الہی متفق ہیں۔
 اور استبعاد رسالت انسان کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ:
 ۱: ... تمام انبیاء سابق بھی تو انسان تھے اور کھاتے پیتے تھے۔
 ۲: ... فرشتوں کو اس لئے نہیں بھیجا کہ اگر اپنی صورت میں تبلیغ کرتے تو انسانوں کو پتا نہ چلتا، اور اگر انسانی صورت میں آتے تو وہی اشکال درپیش ہوتا۔
 ۳: ... ہر شخص رسول بننے کا اہل نہیں، یہ اللہ کا انتخاب ہے، جسے چاہے بنادے، وغیر ذالک من الجوابات۔ (کذا فی فوز الکبیر، للشاہ ولی اللہ قدس سرہ)

۲: ... تذکیر بآلاء اللہ:

خطاب ایزدی کا اُسلوب و طریق اس قدر صاف و سادہ ہے کہ عام و خاص، شہری و دیہاتی، پیر و جوان، ہر شخص سمجھ سکے، مثلاً: تخلیق آسمان و زمین، انزالِ مطر، جریانِ ماء، پھل، پھول اور نباتات کی پیدائش، اتباعِ حیوانات برائے انسان، اعطائے سمع و بصر و تکلم، عقل و ہدایت کی نوازش، خیر و شر کا علم، وغیر ذالک، ایسے دلائل ہیں جو ہر انسان کے دل میں گھر کرنے والے ہیں، اور ان سے متاثر ہو کر موحد و منقاد ہو جانا آسان ہو جاتا ہے۔

۳: ... تذکیر بایام اللہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں عبرت کے لئے اُمم سابقہ کے ایسے قصص بیان فرمائے جن سے عام اہل عرب کے کان کسی نہ کسی درجے میں ضرور مانوس تھے، مثلاً قصہ طوفانِ نوحؑ، داستانِ ہلاکتِ عاد و ثمود، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انبیائے بنی اسرائیل کے واقعات، یہ سب ایسی چیزیں تھیں کہ اہل عرب اختلاطِ یہود اور سفرِ شام کی بدولت ان سے نا آشنا نہ تھے۔ ہند، روم، فارس وغیرہ کے قصص ذکر نہ فرمائے،

تاکہ بجائے تحصیلِ عبرت، وحشت، حیرت اور انکار نہ آجائے۔ چونکہ غرضِ اصلی تذکیر تھی، اسی بنا پر ہر قصے کا وہی حصہ بیان فرمایا جس سے نصیحت مقصود تھی، باقی حصہ ترک فرمادیا تاکہ سامع پر بوجھ نہ ہو، یا حظِ نفس ہی مقصد نہ بن جائے۔ بعض قصص مکرر سے کرر بیان فرمائے گئے، اس کا مقصد یہ ہے کہ جس موقع پر تبشیر و انداز، نصرت بعدِ یاسِ مؤمنین، بیانِ توحید، امرِ معروف، نہی عن المنکر، تحذیرِ عصاة، شبہاتِ رکیکہ کا بیان اور دفعیہ، اور تسلی پیغمبر و مؤمنین مقصود ہو، اُسے پورے طور پر مشرح و مفصل بیان فرمایا جائے۔ بعض قصص مثلاً: استجابتِ دُعائے زکریا علیہ السلام، خلافتِ داؤد و سلیمان علیہما السلام، تولدِ عیسیٰ علیہ السلام بغیر پدر کے دوسری حکمتوں کی مانند اظہارِ نعمت اور اتقیا پر انعام و اکرام کا رخ بھی ہوتا ہے، پس مقصودِ قصص، نفسِ قصہ نہیں ہوتا، بلکہ تنبیہ شرک و معاصی، بیانِ عقوبتِ اشرار، اطمینانِ انبیاء اور ظہورِ عنایت دربابِ مخلصین بھی مقصود ہوتا ہے، وغیر ذالک من الفوائد۔

۴:.... تذکیر بما بعد الموت:

بعد از مرگ واقعات، مثلاً: قبر، حشر، نشر، دوزخ، بہشت وغیرہ ذکر کر کے نصیحت فرمائی جاتی ہے، تاکہ دُنیا سے دل سرد ہو کر خدا کا خوف و محبت پیدا ہو اور نافرمانی سے طبیعتِ رُک کر تعمیلِ فرمان پر کمر بستہ ہو جائے۔

۵:.... علم الاحکام:

قرآنی احکام دو قسم پر ہیں: اوامر و نواہی۔ پھر ہر ایک دو قسم پر ہے: ضروری اور غیر ضروری۔ جس طرح طبیبِ جسمانی، نافع ادویہ و اغذیہ کا حکم کرتا ہے اور مضر سے منع کرتا ہے، اسی طرح علیم و حکیم نے بھی طیب کو حلال اور خبیث کو حرام

فرمایا، اور فرمایا:

”وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ“

(الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ:.... ”اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک

چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔“

پھر یہ احکام اعتقادی ہوں گے جو کہ قابلِ نسخ نہیں ہیں، یا عملی ہوں گے،

پھر عملی یا تو مخصوص باللہ ہوں گے، یا مخصوص بالعباد۔

مخصوص باللہ، مثلاً: نماز، یہ جسم اور رُوح دونوں کی عبادت ہے، رُوحانی طور

پر خشوع اور جسمانی طور پر حرکاتِ مخصوصہ۔

روزہ، اس میں ترکِ اکل و شرب و جماع عبادتِ جسمانی ہے، اور قوت

بہیمیہ شہوت و غضب کا مغلوب کرنا رُوحانی عبادت ہے، اسی طرح زکوٰۃ، حج، اداءِ

شہادت، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور جہاد وغیرہ۔

مخصوص بالعباد: اس میں یا تو ایک شخص کے اخلاق وغیرہ کی دُستی ہوگی،

جس کو تہذیبِ اخلاق، یا ایک گھر کی دُستی ہوگی، جس کو تدبیر المنزل، یا شہر و ملک کی

دُستی ہوگی جس کو سیاستِ مدنیہ یا ملک گیری کہتے ہیں، کما مَرّ، ان پانچوں چیزوں کو

اللہ تعالیٰ نے مفصلاً ذکر فرمایا ہے۔

فائدہ:... اللہ تعالیٰ نے مصنفینِ متون کی طرح ہر شے کی کوئی جامع مانع

تعریف بیان نہیں فرمائی، بلکہ اس چیز کو عاداتِ عرب پر چھوڑ دیا، مثلاً: فرمایا کہ زانی کو

دُرّے مارو، چور کا ہاتھ کاٹو، وغیرہ وغیرہ، مگر بعد میں فقہاء رحمہم اللہ نے عرب العرباء

کی عادات کو پیش نظر رکھ کر ان کی جامع مانع تعریفیں بیان فرمائیں۔

اجرائے احکام بلحاظِ فطرت:

حق تعالیٰ نے اعطائے احکام میں فطرت کا لحاظ رکھا، یعنی وہ چیز جو عرب میں فطرتِ صحیحہ پر ہو رہی تھی اسے باقی رکھا گیا، اور جن چیزوں میں تغیر و تبدل، افراط و تفریط ہو چکی تھی، ان کی اصلاح فرمائی، مثلاً: بعض بیوع باقی رکھیں اور بعض کی اصلاح فرمائی، اور بہت سی بیوع کو سرے سے ختم کر دیا گیا، کما فی کتب الفقہ۔ اور اصلاح میں اصلاحِ عرب کو متبوع اور دیگر ممالک کو تابع بنایا گیا، اسی بنا پر شریعت کا بعض حصہ رُسوم و عاداتِ عرب پر مشتمل ہے، اگر عاداتِ عرب کو دیکھا اور سوچا جائے تو اکثر احکام کی علل و مصالح باسانی سمجھی جاسکتی ہیں، ان علل پر احکام کی بنیاد رکھنا، جسے قیاس کہتے ہیں، مجتہد کا حصہ ہے۔

اندازِ خطاب:

قرآن حکیم کا اندازِ خطاب کبھی مشفقانہ ہوتا ہے، کبھی حاکمانہ اور کبھی حکیمانہ، جس طرح باپ بیٹے کو سمجھانے میں نرمی کرتا ہے اور اس قدر مقصود اس کے ذہن نشین کرتا ہے کہ نقش کا لجر ہو جائے، اور جب تک اس کی سمجھ میں نہ آجائے، مختلف طرق و امثلہ سے مقصود کو دہرائے جاتا ہے، اور اس کے سمجھنے میں جو چیز رُکاوٹ بن رہی ہو، اس کو دفع کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ بھی ہر بات کو مختلف طرق و امثلہ سے پورے طور پر واضح فرماتے ہیں، اور اس کے ساتھ لطف یہ ہے کہ تغیرِ عنوانات میں وہ لطف، کشش، دلچسپی اور دل پذیری ہے کہ:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرَم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

”ہو المسک ما کررتہ یتضوع“

پھر لطف یہ کہ اس کلام کے سمجھنے میں شہری، دیہاتی، بادشاہ، رعیت، دانش مند، کم فہم، ہر شخص حصہ دار ہے، البتہ دانش مند اسرار و نکات سمجھے گا اور کم فہم صاف و سادہ مطلب سمجھے گا، بہر حال خالی کوئی بھی نہیں رہے گا۔

نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ قرآن مجید شاعرانہ مبالغے کے بغیر ہر مضمون کو اس صدق و صفائی سے بیان فرماتا ہے کہ مجال نہیں اس میں کچھ کمی بیشی ہو، حتیٰ کہ بوقت نزول قرآن باوجود معارضہ و مجادلہ کے عام اعلان فرمایا کہ:

الف:.... ”فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ“ (الطور: ۳۴)

ترجمہ:.... ”پھر چاہئے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی۔“

ب:.... ”فَاتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهِ“ (ہود: ۱۳)

ترجمہ:.... ”تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی۔“

ب:.... ”فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ“ (البقرہ: ۲۳)

ترجمہ:.... ”تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی۔“

اگرچہ مخالفین، عربیت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، نہ مقابلے میں کوئی آیت بنا سکے اور نہ ہی کوئی نقص نکال سکے، اس زمانے سے لے کر آج تک کوئی نقص نہیں نکالا جاسکا، اور نہ قیامت تک ہی نکالا جاسکے گا، البتہ کوئی جاہل محض ضد کی بنا پر کچھ کہتا رہے تو بے شک کہے، حقیقت میں کچھ نہیں:

چوں نیست در مشام عماد ہیچ امتیاز

سرگین میش و عنبر پیشش برابر است

اور حاکمانہ خطاب جیسے:

الف:.... ”فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ“ (الانعام: ۳۵)

ترجمہ:.... ”سو تو مت ہونا دانوں میں۔“

ب:.... ”فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ“

(یونس: ۱۰۶)

ترجمہ:.... ”پھر اگر تو ایسا کرے تو، تو بھی اس وقت

ظالموں میں سے ہوگا۔“

ج:.... ”وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ

وَالْعَشِيِّ“

(الانعام: ۵۲)

ترجمہ:.... ”اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں

اپنے رب کو صبح اور شام۔“

اس میں خواص و عوام ہر دو داخل ہوتے ہیں، گو خواص اس کے محتمل نہ

ہوں۔ شاہانہ خطاب میں وزیر و عوام ہر دو داخل ہوتے ہیں، جیسے چوری نہ کرو، زنا، نہ

کرو، گو وزیر میں اس کا احتمال نہ ہو۔ اور حکیمانہ خطاب میں اس حکم کا فائدہ و نقصان

بھی بیان کر دیا جاتا ہے، جیسے:

الف:.... ”وَلَا تَقْرُبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً

وَسَاءَ سَبِيلًا.“

(بنی اسرائیل: ۳۲)

ترجمہ:.... ”اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ بے حیائی

اور بُری راہ ہے۔“

ب:.... ”وَإِذْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا

وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ، لِيَشْهَدُوا

(الحج: ۲۷)

مَنَافِعَ لَهُمْ.... الخ.“

ترجمہ:.... ”اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ
آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے اونٹوں
پر چلے آئیں راہوں دُور سے، تاکہ پہنچیں اپنے فائدے کی
جگہوں پر۔“

تنبیہ:.... تشبیہ میں من کل الوجوه مشابہت ضروری نہیں ہوتی، بلکہ وجہ شبہ
میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے، مثلاً: ”زید اسد (شیر) ہے“ میں صرف بہادری میں
مشابہت ہوگی، لیکن بعض جہلاء مشبہ کو پورا مشبہ بہ سمجھ کر مشبہ بہ کے احکام لگا دیتے
ہیں، اسی بنا پر بعض جہلاء نے ”وَجْهَ اللَّهِ“ سے اللہ تعالیٰ کا منہ گوشت پوست وغیرہ، اور:
”الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى“ (طہ: ۵)

ترجمہ:.... ”وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔“

سے بادشاہ تخت نشین سمجھ لیا، ان شبہات کی تردید آیت:

”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ:.... ”نہیں ہے اس کی طرح کا سا کوئی۔“

سے کردی گئی ہے، اس کے علاوہ دُوسری آیات قرآنیہ بھی ہیں، مثلاً:

”أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ“ (النحل: ۱۷)

ترجمہ:.... ”بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ

نہ پیدا کرے؟“

جن سے اس وہم باطل کا ازالہ کیا گیا ہے، اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ
ذات باری سبحانہ کو ممکنات کی صفات سے بری قرار دیا جائے، اور ہر عیب و نقص سے
پاک اعتقاد کیا جائے، سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ!

آغازِ سور:

سورِ قرآن مجید خطوطِ شاہی کی مانند ہیں، جیسے خطوطِ کبھی حمدِ خدا تعالیٰ سے شروع کئے جاتے ہیں، اور کبھی اس کے بغیر، کسی کے لئے عنوانِ تجویز کیا جاتا ہے اور کسی کے لئے نہیں، اور بعض کی ابتدا مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے کی جاتی ہے، پھر ان میں سے کوئی مختصر ہوتا ہے اور کوئی مطول، اسی طرح کسی سورت کو حمد سے شروع کیا گیا، جیسے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“، اور کسی کو تسبیح سے، جیسے: ”سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ“، کسی سورت کے ابتدا میں غرض لکھ دی جاتی ہے، مثلاً: ”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“، اور کسی کی ابتدا مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے ہوئی ہے، جیسے: ”تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ“، ”يَس. وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ“، ”سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا الخ“، اور بعض بغیر عنوان کے شروع کر دی گئی ہیں، جیسے: ”قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا“ اور ”إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ الخ“۔

عرب میں فصاحت و بلاغت کا عام چرچا تھا، بڑے زوردار قصیدے لکھے جاتے تھے اور ابتدائے قصائد میں تشبیب وغیرہ بیان کر کے پھر مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اسی طرح بعض سورتوں میں ابتداء کسی مناسب تمہید کو لا کر پھر مقصد بیان کیا جاتا ہے، جیسے: ”وَالصَّفَّتِ صَفًّا. فَالزَّجْرَتِ زَجْرًا الخ“ اور ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“ اور جس طرح بالعموم مکتوبات کے آخر میں مخاطب کو خصوصی توجہ دلانے کے لئے احکامِ سابقہ کا اعادہ اور خلاصہ ہوا کرتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی آخر سور کو جوامع الکلم، تاکیدِ بلغ اور تہدیدِ عظیم پر ختم فرماتے ہیں، مثلاً:

”لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبَدُّوا“

مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخَفُّوهُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ“ (البقرہ: ۲۸۴)

ترجمہ:...”اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کا حساب لے گا تم سے اللہ۔“

اور بعض مضامین میں ایک کلام سے کسی چیز کو شروع کیا جاتا ہے، اور پھر اسی کلام پر اسے ختم کیا جاتا ہے، مثلاً: ”يَبْنِي إِسْرَءِيلَ“ سے اہل کتاب کو نصیحت کی ابتدا ہوئی، اور پھر بعینہ انہی الفاظ پر آخر پارہ میں اس نصیحت کو ختم کر دیا گیا، وغیرہ ذالک من الزکات۔

ترتیب سور:

محققین کے نزدیک ترتیب سور تو قیفی ہے، یعنی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ رُوحی و جسمی) نے جس ترتیب کے ساتھ سورتوں کو رکھا، اس میں قیاس و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ ترتیب بحکم خداوندی ہے۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ براءۃ کے شروع میں تسمیہ کا حکم نہیں فرمایا تھا، اس لئے وہاں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد: ۱۸ صفحہ: ۲۵۴۷ میں ہے کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لئے نہیں لکھی تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کے ساتھ بسم اللہ نہیں لائے تھے، باقی قرآن مجید کے حاشیہ پر جو کلمات تعوذ لکھے جاتے ہیں، ان کا پڑھنا بدعت ہے۔

الایمان فی القرآن:

قسم چار طرح کی ہوتی ہے:

اوّل: ... کسی کو بڑا اور متصرف فی الامور سمجھ کر قسم کھائی جائے، اور مُقسَّم یہ

کے متعلق یہ اعتقاد ہو کہ اُسے میرے حالات کی پوری خبر ہے، اور قسم پوری نہ کرنے کی صورت میں مجھے نقصان پہنچانے پر وہ قادر ہے، تو ایسی قسم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، غیر اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا بھی ناجائز ہے اور اس اعتقاد پر غیر اللہ کی قسم کھانا بھی حرام ہے، پس عوام جو یہ قسم کھاتے ہیں کہ: ”اگر میں فلاں کام نہ کروں تو فلاں بزرگ میرا بیڑا تباہ کرے“ اسی قبیل سے ہے جو قطعاً حرام ہے۔

دوم: ... یہ کہ قسم کھانے والا قسم کو اپنے مدعا پر بمنزلہ شاہد یا دلیل کے لائے، قرآن کی اکثر قسمیں اسی نوع کی ہیں، یہ قسمیں نہ صرف جائز ہیں، بلکہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہیں، اور فصحاء عرب کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چلی حاشیہ مطول میں صراحتاً اس کو جائز رکھا گیا ہے، فوز الکبیر میں شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اس کی مثال فارسی میں اس طرح لکھی ہے کہ:

”قسم بہ لب مے گون تو وزلف مشکین تو کہ محبوب دل ربائی۔“

سوم: ... یہ کہ قسم کو دُعا کے موقع پر لایا جائے، جیسے:

”لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ.“

(الحجر: ۷۲)

ترجمہ: ... ”قسم ہے تیری جان کی! وہ اپنی مستی میں

مدہوش ہیں۔“

چہارم: ... وہ قسم ہے جو بددعا کے موقع پر استعمال کی جائے، جیسے حضرت

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ قسم ہے:

تُكَلِّتُ بِنِيَّتِي إِنْ لَّمْ تَرَوْهَا

تُثِيرُ النَّقْعَ مِنْ طَرَفِي كِدَاءِ

ترجمہ: ... ”میں اپنی ذات کو گرم پاؤں، اگر اے کفار مکہ!

تم کدا (پہاڑی) کے دونوں طرف ان گھوڑوں کو گرد و غبار اُڑاتے نہ دیکھو۔“

”ہا“ کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے۔ تو گویا حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی قسم اٹھائی تھی، اسی وجہ سے فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: کدا پہاڑی کے دونوں طرف سے گھوڑوں کو لانا، اور فرمایا کہ: ”آج ہم نے حسان بن ثابت کی قسم پوری کر دی ہے۔“

مکی و مدنی آیات:

جو آیتیں مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئیں، وہ مدنی ہیں، خواہ کسی جگہ نازل ہوئی ہوں، اور جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں، وہ مکی ہیں، خواہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ کے سوا کسی دوسرے مقام پر۔

نسخ آیات:

نسخ آیات کا مسئلہ فن تفسیر کے مشکل مسائل میں سے ایک ہے، اور یہ اشکال، بسبب اختلاف اصطلاح متقدمین و متاخرین کے پیدا ہوا ہے، صحابہؓ و تابعینؓ کے کلام میں نسخ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوتا تھا نہ کہ اصطلاح اُصولیین کے مطابق، پس متقدمین کے نزدیک نسخ کا معنی یہ تھے:

”تَغْيِيرُ آيَةٍ بِآيَةٍ أُخْرَى، سَوَاءٌ كَانَ بِتَقْيِيدٍ مُطْلَقٍ

أَوْ تَخْصِيصِ عَامٍ، أَوْ انْتِهَاءِ مَدَّةٍ عَمَلٍ، أَوْ تَغْيِيرِ رِسْمٍ

ثَابِتٍ، أَوْ شَرِيعَةٍ سَابِقَةٍ.“

چونکہ نسخ کے یہ معنی عام اور وسیع المصداق تھے، اس لئے نسخ کی تعداد پانچ سو آیات تک پہنچی۔

متاخرین کے نزدیک نسخ کی تعریف یہ ہے:

”رَفْعُ حَكْمٍ مُّطْلَقًا بِالْقِرَاءَةِ أَوْ بِدُونِ الْقِرَاءَةِ.“

اس تعریف کی بنا پر علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”الاتقان“ میں اور شیخ ابن عربی رحمہ اللہ نے بیس آیتوں میں نسخ کو تسلیم کیا ہے، باقی میں تسلیم نہیں کیا، لیکن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”فوز الکبیر“ میں صرف پانچ آیتوں کے نسخ کو تسلیم کیا ہے، باقی پندرہ کی توضیح فرمادی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”فوز الکبیر“ میں اُن بیس آیات کا بھی جواب تحریر فرمایا ہے جن کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”الاتقان“ میں منسوخ قرار دیا ہے، اور باقی صرف پانچ آیات میں نسخ کو تسلیم کیا ہے، اور وہ پانچ یہ ہیں:

۱۔۔۔۔۔ ابتداء اسلام میں میراث کے حکم سے پہلے وصیت فرض تھی، جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے:

”كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ
..... الخ.“ (البقرہ: ۱۸۰)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ ”فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت، بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال، وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ۔“
یہ حکم مندرجہ ذیل آیت میراث سے منسوخ ہو گیا:

”يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّهِ الْوَصِيَّةُ لِلرِّجَالِ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ لِلنِّسَاءِ“

(النساء: ۱۱)

ترجمہ:۔۔۔۔۔ ”حکم کرتا ہے تم کو اللہ، تمہاری اولادوں کے

حق میں.....“

اس آیت کو منسوخ قرار دینے کے بعد مدارک نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ جو لوگ نئے مسلمان ہوتے اور ان کا کوئی رشتہ دار مسلمان نہ ہوتا تو ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم تھا کہ مرتے وقت اپنے کافر ماں باپ وغیرہ کے لئے وصیت کر دیا کریں، اور یہ حکم استحباً ہی تھا اور اب بھی باقی ہے، پس اس صورت میں لفظ ”کُتِبَ“ کے معنی ”فَرْضٌ“ نہ رہیں گے، بلکہ ”نُدِبٌ“ کے ہوں گے، (”نُدِبٌ“ کے بجائے ”کُتِبَ“ جو فرمایا گیا، تو یہ ترغیب کے لئے ہے)۔ (کذا نقل من مجمع البحار)

بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ: ”الْوَصِيَّةُ“ میں الف لام عہد کا ہے، یعنی شرعی وصیت، اس صورت میں آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر مال رکھتا ہے تو مرتے وقت اس پر فرض ہے کہ وہ اس بات کی وصیت کرے کہ: ”میرے مال کو میرے شرعی وارثوں میں شرعی طور پر تقسیم کرنا!“، پس ”بِالْمَعْرُوفِ“ کے معنی یہ ہوں گے کہ موافق قاعدہ شرعی کے تقسیم کی وصیت کر جائے۔

۲:... ابتدائے اسلام میں جس عورت کا شوہر مر جاتا، اس کی عدت ایک برس مقرر تھی، جیسا کہ ارشادِ الہی ہے:

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً

لَا زَوْجَهُمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ اخْرَاجٍ.“ (البقرہ: ۲۴۰)

ترجمہ:.... ”اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور چھوڑ

جائیں اپنی عورتیں تو وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ

دینا ایک برس تک بغیر نکاح کے گھر سے۔“

یہ حکم آیت ذیل سے منسوخ ہو کر عدت صرف چار ماہ دس دن باقی رہ گئی:

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا.“ (البقرہ: ۲۳۴)

ترجمہ:.... ”اور جو لوگ مرجائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن۔“

لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: اس میں نسخ نہیں، اس لئے کہ چار ماہ دس دن کا حکم وجوبی ہے، اور ایک برس کا حکم استحبی ہے۔ کذا قال ابن عباس والیہ نال البخاری فی صحیحہ۔

۳:.... ابتدائے اسلام میں دس گنا کفار سے مقابلہ کرنا فرض تھا، جیسا کہ ارشاد ہے:

”اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ“
.... الخ۔ (الانفال: ۶۵)

ترجمہ:.... ”اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دوسو پر۔“

اس کے بعد دوسری آیت جو اس کے بعد ہی مذکور ہے، نازل ہوئی اور اس نے اس کو منسوخ کر دیا، چنانچہ فرمایا گیا:

”الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا، فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ“
.... الخ۔ (الانفال: ۶۶)

ترجمہ:.... ”اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے، سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دوسو پر۔“

اس آیت کے بعد دس گنا کے بجائے صرف دو گنا سے مقابلہ کرنا فرض رہ

گیا، اور اگر دو گنا سے زائد ہیں تو اُن سے بھاگنا بھی جائز ہوا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی غلبہ کفار کے وقت باقی ہے، منسوخ نہیں ہے، ابتداء آیت:

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ

(الأنفال: ۶۵)

.... الخ

ترجمہ:.... ”اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا۔“

کو اگر منسوخ نہیں کہا جاتا تو یہ بھی منسوخ نہیں ہے، اور جیسے وہ ترغیب الی الجہاد کے لئے ہے، اسی طرح یہ بھی ترغیب کے لئے ہے، ترغیب میں نسخ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں، اور اگر جملہ: ”إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ.... الخ“ نہ ہونا چاہئے تھا، تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ یہ تو خبر ہے، اور نسخ حکم میں ہوتا ہے نہ کہ خبر میں، اس کے علاوہ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آیت: ”الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ.... الخ“ کے نازل ہو چکنے کے بعد بھی مسلمان مجاہدین نے ایک ہزار کی قلت سے اسی ہزار کفار کا مقابلہ کیا ہے، کذا قال شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ۔

۴.... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیبیوں کے علاوہ مزید کسی عورت

کے ساتھ نکاح کرنے سے روک دیا گیا تھا، کما قال:

”لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ“ (الأحزاب: ۵۲)

ترجمہ:.... ”حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد۔“

مگر یہ حکم اس سے پہلی آیت سے یا اس آیت: ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا

لَكَ أَزْوَاجَكَ.... الخ“ سے منسوخ ہو گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ

سے مروی ہے کہ:

”لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ، أَيْ بَعْدَ مَا

بَیِّنْتَ لَكَ مِنْ هَذَا الْأَصْنَافِ بَیِّنَاتٍ عَمَّكَ اِلَى قَوْلِهِ

.... فَأَحِلُّ لَهُ مِنْ هَذِهِ الْأَصْنَافِ مَا شَاءَ.

یعنی اہل قرابت میں سے غیر مہاجرات حلال نہیں، اور دوسری عورتوں میں سے غیر مومنات حلال نہیں، پس یہ آیت: ”لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ“ کا تتمہ ہے، ناسخ نہیں۔
(کذا فی بیان القرآن)

۵: ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغیر صدقہ دیئے سرگوشی کرنا ممنوع ٹھہرا دیا گیا تھا، کیونکہ منافقین، مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حرج کرتے اور مسلمانوں کو بھی ایذا دیتے تھے، اس لئے فرمایا گیا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا

بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ“ (المجادلة: ۱۲)

ترجمہ: ... ”اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کہنا چاہو رسولؐ سے تو آگے بھیجو اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات۔“
تو یہ آیت دوسری آیت:

”عَاشَفَقْتُمْ أَنْ تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتِ

فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ الخ.“ (المجادلة: ۱۳)

ترجمہ: ... ”کیا تم ڈر گئے کہ آگے بھیجا کرو کان کی بات سے پہلے خیراتیں، سو جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے معاف کر دیا تم کو۔“

سے منسوخ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں بھی سرگوشی کے لئے صدقہ دینے کا حکم بقرینہ: ”ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَظْهَرُ“ وجوبی نہ تھا، بلکہ استحبابی تھا، اور اگر

وجوبی کہا جائے تو پھر بھی ایسے وقت میں سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اگر اب بھی منافقین اور آوارہ لوگوں کو سرگوشیوں سے روکنا مقصود ہو تو یہ حکم جاری ہوگا، لہذا آیت مذکورہ میں نسخ ماننے کی حاجت نہ رہی۔

سورت:

لفظ ”سورة“ کا اطلاق کبھی ”قِطْعَةً مِّنَ الْآيَاتِ“ پر ہوتا ہے، جیسے فرمایا گیا:

”وَإِذَا مَا أَنْزَلْتُ سُورَةً نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ

(التوبة: ۱۲۷)

.... الخ“

ترجمہ: ”اور جب نازل ہوئی ہے کوئی سورت تو

دیکھنے لگتا ہے ان میں ایک دوسرے کی طرف۔“

اقل منها ثلث آیات، اور کبھی مکمل سورت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے کہا

جاتا ہے: سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، وغیرہ وغیرہ۔

وجہ تسمیہ:

”سورة“ ”سُورُ الْبَلَد“ سے مشتق ہے، یعنی جس طرح شہر کی خارجی دیوار

اور فصیل، شہر کا احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے، اسی طرح گویا چند مضامین کو ایک سورت

احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے۔

ربط الآيات:

اس مسئلے کے بارے میں بھی علمائے تفسیر کے درمیان قدرے اختلاف پایا

جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیات دُرَرِ منشورہ ہیں یا منظومہ؟ جو علمائے کرام ان کے

دُرَرِ منشورہ (یعنی بکھرے ہوئے موتی) ہونے کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: قرآن

مجید کی آیات بینات حسب حاجت نجماً نجماً، شاہی فرامین کی مانند نازل ہوئی ہیں، لہذا ان میں ربط کو ضروری قرار دینا لا حاصل ہے، ہاں! ایک قصہ کی آیات آپس میں ضرور مربوط ہوتی ہیں۔

جو علمائے تفسیر ربط کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ہر قائل کا کلام بار ربط ہوتا ہے، تو حضرت حق سبحانہ کا کلام بے ربط کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آیات کو ان کے نازل ہونے کے بعد خاص خاص جگہوں پر رکھنے کا حکم فرمانا بھی اس کا مؤید ہے، ورنہ ترتیب وضعی، ترتیب نزولی سے مختلف ہونی چاہئے تھی، اور یہ حضرات تمام آیات سور میں ربط دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ہکذا فی روح المعانی) ربط:.... ”ربط“ کے معنی تعلق اور مناسبت کے ہیں، اور مناسبت کے معنی لغت میں مشاکلت اور مقاربت کے ہیں، مقصد یہ ہوا کہ دو جملوں یا آیتوں کا باہمی تعلق معلوم کیا جائے، پھر ربط کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص، کبھی حسی اور کبھی عقلی، اور کبھی محض تلازم ذہنی ہوتا ہے، جیسا کہ سبب و مسبب، علت و معلول، نظیرین و ضدین میں، وغیر ذالک من العلاقات۔

بیان ربط کا فائدہ یہ ہے کہ اجزائے کلام کے باہمی ارتباط سے کلام میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ دیوار کے مختلف اجزاء کو مربوط کرنے سے دیوار مستحکم ہو جاتی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ اس قاعدے کو یاد رکھیں گے تو مناسبت و ربط کا اصول آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

ایک آیت کے بعد دوسری آیت کو دیکھئے، اگر وہ حکم، قصد یا استدلال کے لحاظ سے پہلی آیت کا تکرار و تتمہ ہے، تو اس کی مناسبت ظاہر ہے، اگر دونوں آیتیں

ایک دوسرے کی تفسیر، تشریح یا بدل پیش کرتی ہیں، تو بھی مناسبت ظاہر ہے، ہاں! اگر دونوں جملے بذاتِ خود مستقل ہیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ایک جملے کا دوسرے پر حروفِ مشترکہ عطف کے ساتھ عطف کیا گیا ہے یا نہیں؟ اگر عطف کیا گیا ہے تو ضرور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی نہ کوئی وجہ عطف پائی جائے گی، جسے آسانی کے ساتھ تلاش کیا جاسکتا ہے، اور اگر دونوں میں عطف نہیں تو ضرور کوئی نہ کوئی ربط اُن روابط میں سے ہوگا جن کا ذکر آئندہ کیا جاتا ہے۔

تنظیر:

یعنی ایک نظیر کو دوسری نظیر سے الحاق کرنا عقلاء کی شان ہے، جیسے:

”كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ...“

(الانفال: ۵)

ترجمہ:...”جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر

سے حق کام کے واسطے۔“

اس سے پہلی آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امورِ سیاست میں کسی کی مخالفت اور طعن کی پروا نہ کیجئے، کیونکہ ان کے مصالحِ عوام کی سمجھ میں نہیں آتے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سے نکلنا جنگِ بدر کے لئے طبائعِ عامہ کے خلاف تھا، مگر اس کی برکات کا سب نے مشاہدہ کیا۔

مضادیت:

ایک چیز بیان کر کے اس کی ضد کو بیان کرنا ”مضادیت“ کہلاتا ہے، جیسا کہ ایمان داروں کے اوصاف اور نتائجِ بیان کر کے کفار اور فجار کے اوصاف اور اُن کا انجام بیان کیا جاتا ہے: ”تعرف الأشياء بأضدادها“۔

استطراذ:

ایک مضمون بیان کرتے ہوئے اس کے مناسب دوسری بات بیان کر دینا اور پھر اصل مضمون کی طرف لوٹ جانا ”استطراذ“ کہلاتا ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

”يُسَبِّحُ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ.“

(الاعراف: ۲۶)

ترجمہ:...”اے اولادِ آدم! ہم نے اُتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں، اور اُتارے آرائش کے کپڑے اور لباس پر ہیزگاری کا وہ سب سے بہتر ہے۔“

اس سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے وہ حالات مذکور ہیں جبکہ وہ برہنگی کی وجہ سے اپنے جسم پر درختوں کے پتے چپکاتے پھرتے تھے، اس موقع پر استطراذاً اُس لباس کا ذکر کر دینا مناسب سمجھا گیا جو خدا تعالیٰ نے بنی آدم کو بعد میں بنانا سکھایا جو اُن کی زینت کا باعث ہے، اور لباس میں بھی لباس التقویٰ کا ذکر اور زیادہ انسب ہوا۔ اسی طرح آیت:

”لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا

الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ.“ (النساء: ۱۷۲)

ترجمہ:...”مسیح کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ بندہ ہو

اللہ کا اور نہ فرشتوں کو جو مقرب ہیں۔“

میں ملائکہ مقربین کا ذکر عرب کے خیال کی تردید کے لئے مناسب معلوم

ہوا، کیونکہ وہ بھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، جیسے نصاریٰ، حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور ممکن ہے کہ اس میں بھی نصاریٰ کا رد ہو، کیونکہ بعض نصاریٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو اقا نیم ثلاثہ کا ایک جزو مانتے ہیں۔

حسنِ تخلص:

اس میں اور استطراد میں یہ فرق ہے کہ استطراد میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کو کسی مناسبت سے بیان کر کے پھر اصل مضمون کی طرف آجاتے ہیں، اور حسنِ تخلص میں اس خوبی سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں کہ اس انتقال کی طرف خیال بھی نہیں آنے پاتا، اس لئے کہ دونوں مضمونوں میں کمالِ اتحاد ہوتا ہے، یہ قرآن مجید میں بہت مواقع پر پایا جاتا ہے اور اس خوبی سے ہے کہ بڑے بڑے فصحاء حیران رہ جاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ اعراف میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور قرونِ ماضیہ کا ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی نوبت آئی، اور یہاں تک پہنچے کہ موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے گئے اور پھر اپنی اُمت کے لئے ان الفاظ میں دُعا کی: ”وَ اَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً“ (الاعراف: ۱۵۶) (اور لکھ دے ہمارے لئے اس دُنیا میں بھلائی)۔ اور اس کا جواب ملا کہ: گو میری رحمت ہر چیز کے لئے عام ہے، مگر میرا عذاب بھی جس کو میں چاہوں پہنچتا ہے، اس مقام سے خدا تعالیٰ نے تخلص کر کے جناب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ کے مناقب بیان کر کے فرمایا کہ: اے موسیٰ! یہ رحمت خاص آپ کی اُمت کا حصہ نہیں، یہ تو ایک آنے والے نبی کی اُمت کا حصہ ہے جس کی تعریف یہ ہے:

”فَسَاكُتُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الْأُمِّيَّ الخ.“ (الاعراف: ۱۵۶، ۱۵۷)

ترجمہ:.... ”سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں، وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمی ہے۔“
اس کے بعد اس بات کے جتلانے کے لئے کہ وہ نبی اُمی جس کی صفات موسیٰ علیہ السلام کے سامنے خدا تعالیٰ نے بیان کیں، وہ کون ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ:

”قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا.“

(الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ:.... ”تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم

سب کی طرف۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرنا ضروری تھا، جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں:

”الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ.“ (الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ:.... ”جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین

میں، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔“

اس کے بعد لوگوں کو ایسے رسول پر ایمان لانے کا حکم کرنا عین مناسب تھا،

اسی لئے فرمایا:

”فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ

بِاللّٰهِ وَكَلِمَتِهِ الْخ. (الاعراف: ۱۵۸)

ترجمہ:.... ”سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی اُمی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر۔“

اسی طرح تمام آیات قرآن میں غور کرنے سے وہ مناسبات سامنے آتی چلی جاتی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اسی طرح سورتوں کے فواتح و مقاطع (ابتدا و انتہا) میں وہ مناسبت ہے کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ عاجز آئے، اس پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایک مستقل کتاب ”مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع“ لکھی ہے۔

حروف مقطعات:

قرآن مجید کے حروف مقطعات کے ذکر میں جو فوائد ودیعت فرمائے گئے ہیں وہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں، ازاں جملہ یہ ہے کہ بجز تین چار سورتوں (رُوم، عنکبوت، ن) کے جہاں کہیں سورت کو ان حروف سے شروع کیا گیا ہے، وہاں ضرور اس کے بعد قرآن کا بھی کسی نہ کسی شکل میں ذکر موجود ہے، مثلاً:

”الْم. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ“ (البقرة)

”الْمَص. كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ“ (الاعراف)

”الر. تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ“ (یوسف)

”طه. مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی“ (طه)

”طسّم. تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ“ (القصص)

”الْم. تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ“ (السجدة)

”يَسَّ. وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ“ (يس)

”صَّ. وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ“ (ص)

”حَمَّ. تَنْزِيلُ الْكِتَابِ“ (المومن)

”قَّ. وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ“ (ق)

وغیرہ، تو ان سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس بات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو! قرآن بھی انہی حروف و کلمات سے مرکب ہے، جن سے فصحاء عرب کلام مرتب کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود تحدی کے یہ لوگ ایک ادنیٰ سورت بھی اس کی مثل نہیں بنا سکتے؟ پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن منکرین کے قول کے مطابق انسان کا کلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

مقطعات کا ظنی علم جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں، راسخین فی العلم کو بھی ہو سکتا ہے، اکثر کا قول تو اس بارے میں یہ ہے کہ:

”وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ“ (آل عمران: ۷)

”یعنی اُن کی واقعی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

لیکن جو حضرات ان کی تاویل کرتے ہیں اور غور و فکر کے بعد ان کے معانی ظنیہ متعین فرماتے ہیں، ان کا استدلال یوں ہے کہ آیت مذکورہ میں ”إِلَّا اللَّهُ“ پر وقف نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد کا کثراً ”وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ“ بھی اسی کے ساتھ ہے۔

”وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ“

(آل عمران: ۷)

”یعنی متشابہات قرآنی کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے

اللہ تعالیٰ کے اور اُن لوگوں کے جن کا علم پختہ اور بالغ ہے۔“

بعض علماء حروف مقطعات سے مندرجہ ذیل طریقے سے اشارات نکالتے ہیں: الف سے اللہ، ل سے جبریل، م سے محمدؐ، یعنی اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل علیہ السلام کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا، مزید تحقیق ”فوز الکبیر“ کے آخری صفحات پر ہے، وہاں دیکھ لیں۔

محاورات:

قرآن مجید کے فہم کے لئے اس کے محاورات کا علم بھی ضروری ہے، جو شخص محاورات نہیں جانتا وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتا ہے، مثال کے طور پر ”هُوَ اخَذَ بُنَاصِيحَهَا“ (ہود: ۵۶) کا محاورہ اس معنی میں ہے کہ: ”اس کے قبضے میں ہے“، ”قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ“ (عبس: ۱۷) کا محاورہ اس معنی میں ہے کہ: ”مارا جائے انسان، وہ کیا ہی ناشکرا ہے!“، ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ“ کا محاورہ یہ معنی رکھتا ہے کہ: ”ابولہب کو خدا غارت کرے!“۔

محاورے میں اس کی بھی اجازت ہوتی ہے کہ خطاب کا صیغہ استعمال کیا جائے، لیکن اس سے مراد عموم ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ: ”تم مسلمانوں کا یہ حال ہے“ اسی طرح کسی معنی غیر محسوس کی صورت محسوسہ میں لے آنا بھی رائج ہے، جیسے درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

الف:.... ”وَاجْلِبْ عَلَيْهِمُ بَخِيلُكَ وَرَجَلُكَ“

(بنی اسرائیل: ۶۴)

....“

ترجمہ:.... ”اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے۔“

ب:.... ”بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ....“

(الاحزاب: ۱۰)

ترجمہ:.... ”پہنچے دل کلوں تک۔“

ج:.... ”وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا....“
(یس: ۹)

ترجمہ:.... ”اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار۔“

ان آیتوں میں ایک غیر محسوس معنی کو صورت محسوسہ میں پیش فرمایا گیا ہے،
وغیر ذالک۔

کبھی کلام علی محاورات الخصم فرماتے ہیں، جیسے باطل معبودوں کو قرآن میں
بھی ”إِلَٰه“ کے لفظ سے ذکر کر دیا گیا ہے، جیسے:

”لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا....“

(الانبیاء: ۲۲)

ترجمہ:.... ”اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے

اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے۔“

کبھی تمسخر کے طریقے پر ذلیل کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال کرتے ہیں جو
مشعر تعظیم ہو، جیسے:

”ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ“ (الدخان: ۴۹)

ترجمہ:.... ”یہ چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا سردار۔“

اس کی مثال ہماری زبان میں ایسی ہے جیسے کسی کو طنز کے انداز میں کہہ
دیں: ”آپ تو مرشد ہیں!“۔

دلائل القرآن:

ہر دعوے کے اثبات کے لئے قرآن مجید نے کچھ دلائل پیش کئے ہیں، اور

وہ چار قسم پر ہیں:

۱: ... محض عقلی۔

۲: ... عقلی علی سبیل الاعتراف عن الخصم۔

۳: ... نقلی۔

۴: ... دلیل وحی۔

دلیل عقلی: دو قسم پر ہے: آفاقی و انفسی۔ جیسا کہ علوم القرآن کے عنوان

میں اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، مثال:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ... إِلَى قَوْلِهِ... فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا

(البقرة: ۲۱، ۲۲)

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ“

ترجمہ: ... ”اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے

پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو

اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔“

دعویٰ اور حکم ”اعْبُدُوا رَبَّكُمُ“ ہے، اور دلیل عقلی: ”الَّذِي خَلَقَكُمْ“ سے

”رَبُّكُمُ“ تک ہے، اور اس کے بعد نتیجے کے طور پر: ”فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا...“

الخ“ فرمایا، پس: ”اعْبُدُوا رَبَّكُمُ“ کے حکم پر ایسی دلیل ذکر فرمائی جو اللہ کے ساتھ

مخصوص ہے، اس لئے کہ خالقیت اور پھر زمین کو فرش بنانا اور آسمان کو چھت اور

بارش برسانا، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہیں، جب دلیل اللہ کے

ساتھ مختص ہے تو پھر دعویٰ اور حکم بھی اسی کے ساتھ مختص ہونا چاہئے، لہذا عبادت سے ایسی عبادت مراد ہوگی جس میں دوسرے کی ملاوٹ نہ ہو، اس لئے فرمایا: ”فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا“۔

قاعدہ:....رضی نے فرمایا کہ: جس دلیل کے شروع یا درمیان میں حصر ہو تو تمام دلیل اور اس کے متعلقات میں حصر ہوتا ہے، پھر اسی دلیل کے متعلق ”کَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اُمّوَاتًا“ فرمایا ہے۔

نقلی دلیل: وہ ہے جو کسی آسمانی کتاب یا کسی رسول یا ان کے ماننے والوں سے نقل کی گئی ہو، پھر یہ دلیل اجمالی ہوگی یا تفصیلی۔
دلیل نقلی اجمالی کی مثال سورہ انبیاء میں ہے:

”وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا نُوْحِيْ
اِلَيْهِ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ.“ (الانبیاء: ۲۵)

ترجمہ:.... ”اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہی ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے میرے، سو میری بندگی کرو۔“

دلیل نقلی تفصیلی کی مثال یہ ہے:

”وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صٰدِقًا نَّبِيًّا.
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا
يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا.“ (مریم: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ:.... ”اور مذکور کر کتاب میں ابراہیم کا، بے شک تھا وہ سچا نبی، جب کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے! کیوں پوجتا

ہے اس کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تیرے کچھ۔“
دلیل نقلی از کتب سابق کی مثال یہ ہے:

”وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا.“ (بنی اسرائیل: ۲)
ترجمہ:.... ”اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔“

دلیل نقلی کتب سابقہ کے ماننے والوں کی مثال یہ ہے:
”الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ، أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ.“ (البقرہ: ۱۲۱)
ترجمہ:.... ”وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا، وہی اس پر یقین لاتے ہیں۔“
دلیل نقلی از جنات کی مثال یہ ہے:

”قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا. يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ“ (الجن: ۲۰)
الخ۔“

ترجمہ:.... ”تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے کتنے لوگ جنوں کے، پھر کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے ایک قرآن عجیب کہ بھجاتا ہے نیک راہ، ہم اس پر یقین لائے۔“

دلیل وحی اس کو کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں فرماویں کہ میں اپنی

رائے سے کچھ نہیں کہتا، بلکہ حق جل و علا شانہ کا حکم بیان کرتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کو تمہارے تک پہنچا دوں۔ اس کی مثالیں یہ ہیں:

الف:.... ”قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدِّلَهُ مِنْ تَلَقَّائِي

نَفْسِي، إِنْ أَتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ.“ (یونس: ۱۵)

ترجمہ:.... ”تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل

ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اس کی جو حکم

آئے میری طرف۔“

ب:.... ”قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ

مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ

لِرَبِّ الْعَالَمِينَ.“ (المؤمن: ۶۶)

ترجمہ:.... ”تو کہہ مجھ کو منع کر دیا کہ پوجوں ان کو جن کو

تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے، جب پہنچ چکیں میرے پاس کھلی

نشانیں میرے رب سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں جہاں

کے پروردگار کے۔“

دلیل عقلی علی سبیل اعتراف الخصم: وہ ہے کہ جسے منکرین کو مخاطب کرتے

ہوئے بطور استفہام کے بیان کی جائے، اور اس کے ساتھ ان کے تسلیمی حالات کو

مد نظر رکھتے ہوئے آخر میں ان کی طرف سے جواب مذکور ہو، جس کی مثال یہ ہے:

”قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ

يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، فَسَيَقُولُونَ

اللَّهُ.“

(یونس: ۳۱)

ترجمہ:.... ”تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی؟ سو بول اٹھیں گے: اللہ!“

لفظ قرآن و کتاب:

جس سورت کی ابتدا میں ”قُرْآن“ کا لفظ آجائے تو اُس سورت میں ایسا کوئی واقعہ ضرور ہوتا ہے جو پہلی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔

جہاں ابتدا میں ”کِتَاب“ کا لفظ ہو جیسے: ”تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ“ یا ”ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ“ تو اس سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے، یا وہی سورت ہوتی ہے، جیسے سورۃ یونس، یوسف یا شعراء وغیرہ کی ابتدا میں: ”تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ“ آیا ہے، اور کبھی سورت کا دعویٰ مراد ہوتا ہے، جیسے: ”حَمِّمْ مَوْمِنٍ“ کی ابتدا میں: ”حَمِّمْ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ“ آیا ہے، اس سے سورت کا دعویٰ مراد ہے: ”فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“۔

اگر ”کِتَاب“ کا لفظ سورت کے درمیان آجائے اور وہاں اہل کتاب کا ذکر ہو تو وہاں اکثر کتب سابقہ مراد ہوں گی، جیسا کہ: ”اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا“ میں ”الْكِتَابِ“ سے مراد توراۃ و انجیل ہے۔

اگر ”کِتَاب“ کی صفت ”مُبْرَكٌ“ یا ”مُصَدِّقٌ“ آجائے تو اس سے قرآن

مجید مراد ہوگا۔

اگر یہ دونوں (کِتَاب و قُرْآن) کسی سورت کی ابتدا میں آجائیں، جیسے سورۃ الحجر میں ہے: ”تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ“ اس جگہ کتاب سے مراد کتب سابقہ

ہیں، یعنی اس سورت میں اُن مضامین کا بیان ہوگا جو کتب سابقہ میں ہیں۔
 اور ”قُرْآنِ مُبِیْن“ سے وہ مضامین مراد ہوں گے جو صرف قرآن کریم میں
 وارد ہوئے ہیں اور کتب سابقہ میں اُن کا ذکر نہیں ہوا۔

”کِتَب“ کا لفظ کبھی مجموعہ کتاب پر اطلاق ہوگا، جیسے: ”ذَلِکَ الْکِتَبُ لَا
 رَیْبَ فِیْهِ“ اور کبھی قطعۃ من الآیات پر اطلاق ہوگا، جیسے کہ ارشادِ الہی: ”صُحُفًا
 مُطَهَّرَةً. فِیْہَا کُتُبٌ قَیْمَةٌ“۔

ابتدا میں لفظ ”مُبِیْن“ ہو تو اکثر دلائل نقلیہ سورت میں مذکور ہوتے ہیں، اور
 اگر لفظ ”حَکِیْم“ ہو تو اکثر دلائل عقلیہ، اور اگر دونوں ہوں تو ہر دو عقلیہ و نقلیہ دلائل
 ہوں گے۔

رُوح:

بعض جگہ ”رُوح“ سے مراد بدن والی رُوح ہوتی ہے، جس پر بدن کا دار و
 مدار ہے، جیسا کہ:

”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ، قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ
 رَبِّي.“ (بنی اسرائیل: ۸۵)

ترجمہ:.... ”اور تجھ سے پوچھتے ہیں رُوح کو، کہہ دے
 رُوح ہے میرے رب کے حکم سے۔“

اور بعض اوقات ”رُوح“ سے مراد جبریل علیہ السلام ہوتے ہیں، جیسا کہ:
 ”أَيُّدُنْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ“ (البقرہ: ۲۳)، ”نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ“ (الشعراء: ۱۹۳)، ”تَنَزَّلُ
 الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْہَا“ (القدر: ۴)، (ان آیات میں) ”رُوح“ سے مراد حضرت
 جبریل علیہ السلام ہیں، تیسری آیت میں تخصیص بعد تعمیم ہے۔

اور کبھی ”رُوح“ سے مراد قرآن مجید ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ الہی:

”وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا، مَا

كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ الخ“ (الشوریٰ: ۵۲)

ترجمہ:...”اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک

فرشتہ اپنے حکم سے، تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان۔“

اور کبھی ”رُوح“ سے توحید مراد ہوتی ہے، جیسے ارشادِ الہی:

”يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

مِّنْ عِبَادَةٍ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ.“ (النحل: ۲)

ترجمہ:...”اُتارتا ہے فرشتوں کو بھیج دے کر اپنے حکم

سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں کہ خبردار کرو کہ کسی کی بندگی

نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو۔“

تخويف و تبشير:

احکام کی تعمیل کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرایا جاتا ہے، اس کو

”تخويف“ کہتے ہیں، یا تو یہ دنیاوی گرفت ہوتی ہے، جیسا کہ:

”وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِشُّ مِنْهُمْ

مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا.“ (مریم: ۹۸)

ترجمہ:...”اس سے پہلے ہم نے کئی جماعتیں تباہ کیں،

کیا آپ ان میں سے کسی کے متعلق کچھ جانتے ہیں یا ان کی کچھ

آہٹ سنتے ہیں؟“

یا تخويف اُخروی ہوتی ہے، جیسے:

”وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِثًا“ (مریم: ۸۶)

ترجمہ:.... ”اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا لے

جائیں گے۔“

اس کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ”تذکیر بما بعد الموت“ سے تعبیر کرتے ہیں،

جیسا کہ گزر چکا۔

”تبشیر“ بھی کبھی دُنیوی ہوتی ہے، جیسے: ”إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ“

(جب اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچے)، اور کبھی اُخروی ہوتی ہے، جیسے:

”إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ

جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا“ (الکہف: ۱۰۷)

ترجمہ:.... ”ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے

والوں کے لئے بہشت میں باغات کی مہمانی ہوگی۔“

تأویب:

کبھی اللہ تعالیٰ مبلغین یعنی انبیاء علیہم السلام کو کسی بھول چوک پر تعلیماً متنبہ

فرماتے ہیں، جیسے:

الف:.... ”فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ، إِنِّي

أَعْظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ“ (ہود: ۴۶)

ترجمہ:.... ”اے نوح! جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے

متعلق مت پوچھ، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تاکہ تو نا سمجھ لوگوں

میں نہ ہو جاوے۔“

ب:.... ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ“

(التوبہ: ۴۳)

ترجمہ:.... ”اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرمائے، آپ نے

انہیں کیوں اجازت دی؟“

اگر اس کو تادیب پر حمل کیا جائے، اور بعض فرماتے ہیں کہ: ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ بطور محاورے کے ذکر کیا گیا ہے، تنبیہ و تادیب مقصود نہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ کاملین کی ادنیٰ بھول چوک کو بھی سخت الفاظ میں بیان فرماتے ہیں، جیسے: ”عَفَا اللَّهُ عَنْكَ“ (التوبہ: ۴۳)، ”وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ“، ”إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ“ (ہود: ۴۶)، ”فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ“ (یونس: ۹۴) وغیرہ، اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی، بلکہ جلالت شان ظاہر ہوتی ہے کہ ایسی معمولی فروگزاشت پر تنبیہ ہوئی، نیز جس کو کمال تک پہنچانا مقصود ہو اس کی ہر حرکت و سکون پر دار و گیر کی جاتی ہے۔

تسلیہ:

منکرین، حتیٰ الوسع ایذا دینے میں کمی نہیں کیا کرتے، طعن، استہزاء، مجادلہ، معارضہ، منہ در منہ بکنا، حق کو گرانا ان کا شیوہ ہوتا ہے، مبلغ مہربان کی ان کے کرتوت دیکھ کر کبھی نا اُمیدی تک اور کبھی خوف زدہ ہو کر بے ہمتی تک نوبت پہنچنے والی ہوتی ہے کہ رحمت خداوندی ان کی دست گیری فرماتی ہے، اور مضبوطی قلب و اطمینان کے لئے یوں تسلی دیتی ہے:

”وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ

قَبْلِكَ“ (فاطر: ۴)

ترجمہ:.... ”اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے

رسول تجھ سے پہلے، اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام۔“

اور کبھی:

”فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ“

(طہ: ۱۳۰)

ترجمہ:....”سو تو سہتارہ جو وہ کہیں اور پڑھتارہ خوبیاں

اپنے رب کی۔“

اور کبھی ان الفاظ سے تسلیہ فرماتے ہیں:

”وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا

(النحل: ۱۲۷)

يَمْكُرُونَ“

ترجمہ:....”اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے

فریب سے۔“

اور کبھی اس طرح:

”وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ

(الحج: ۸۷)

الْعَظِيمَ“

ترجمہ:....”اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں و طیفہ

اور قرآن بڑے درجے کا۔“

وغیر ذالک۔

جباریت:

جب انسان گناہ و کفر سے بار بار روکنے کے باوجود باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ

اپنی قدرتِ کاملہ سے اس بندے سے ہدایت و ایمان کی طاقت بطور سزا کے سلب

کر لیتا ہے، جیسے:

”ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ.“ (المنافقون: ۲)

ترجمہ: ”یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر منکر

ہو گئے پھر مہر لگ گئی ان کے دل پر، سو وہ اب کچھ نہیں سمجھتے۔“

یعنی بسبب اس کے کہ وہ ایمان لانے کے بعد پھر منکر ہوئے، تو ان کے

دلوں پر مہر لگ گئی، مہر لگنا منکر ہونے کے بعد ہے، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

”ذَلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

فَقَالُوا أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ، وَاللَّهُ

غَنَىٰ حَمِيدٌ.“ (التغابن: ۶)

ترجمہ: ”یہ اس لئے کہ لاتے تھے ان کے پاس ان

کے رسول نشانیاں، پھر کہتے کہ آدمی ہم کو راہ دکھائیں گے؟ پھر

منکر ہو گئے اور منہ موڑا، اور اللہ نے بے پروائی کی، اور اللہ بے

پروا ہے سب تعریفوں والا ہے۔“

انکار کرنے اور منہ موڑنے پر استغناء الہی مرتب ہوا۔ اسی کو ”ختم اللہ علیٰ

قُلُوبِهِمْ“ میں بیان کیا گیا ہے، یہ جبر اور ظلم نہیں، بلکہ جباریت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جل

شانہ چونکہ ہر چیز کا مالک ہے، اس نے اپنے غضب سے اس منکر شخص سے ہمت

ایمان چھین لی، لیکن یہ ہمت ایمان کا چھین لینا پیغمبر اور کتاب و ہدایت سے کفر و عناد

کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ پھر دو صورتیں ذکر فرمائیں، ایک سعید کی اور ایک شقی کی، جیسے:

”ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً“ (النحل: ۱۱۲) (اور بتلائی اللہ نے ایک

مثال ایک بستی تھی چین امن سے تھی) اس سے بھی کوئی خاص بستی مراد نہیں ہے۔ اور

اسی طرح: ”وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ. الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ“

(البقرہ: ۲۶، ۲۷) (اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر نافرمان کو جو توڑے اللہ کا اقرار اس کو پختہ کرنے کے بعد)۔

دفعِ شبہ:

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر ایسوں کو تبلیغ، عبث اور بے فائدہ ہے، پھر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی آیتوں کے نزول کے بعد کیوں تبلیغ فرماتے رہے؟
جواب:۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبث اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہاں اگرچہ ایسے لوگوں کو فائدہ نہیں ہوتا تھا، لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ادائے پیغام کا ثواب ضرور ملے گا، نیز ان کا اختیار طبعی تو سلب نہیں کیا گیا، اور تبلیغ اس لئے تھی کہ:

”لَّئَلَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ

(النساء: ۱۶۵)

الرُّسُلُ“

ترجمہ:۔۔۔ ”تا کہ باقی نہ رہے لوگوں کو اللہ پر الزام کا

موقع رسولوں کے بعد۔“

تا کہ لوگ نہ ماننے والے کل قیامت کو یوں نہ کہہ سکیں کہ:

”لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَتَتَّبَعَ أَيْتِكَ مِنْ

(طہ: ۱۳۳)

قَبْلِ أَنْ نَنْزِلَ وَنَخْزِي“

”یعنی کیوں نہ ہماری طرف رسول بھیجے کہ ہم ذلیل

اور رسوا ہونے سے پہلے تیری کتاب پر عمل کرتے؟“

اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے آیت: ”خَتَمَ اللَّهُ عَلَى

قُلُوبِهِمْ“ پر بیان القرآن میں ایک نفیس تقریر فرمائی ہے، وہاں دیکھ لیں۔

رابط القلوب:

جباریت کے مقابلے میں رابط القلوب ہے، جب انسان ہدایت کے راستے کو قبول کرتا ہے اور اسلام پر مستقیم ہو جاتا ہے، تو ابتدا میں انابت الی اللہ یعنی رجوع الی اللہ ہوتا ہے، یہ اول درجہ تذکیر ہے، تذکیر کے بعد انابت کی راہ صحیح پر تھوڑا تھوڑا چلنے لگتا ہے تو ہدایت یعنی خیر والی توفیق ہوتی ہے کہ رحمت خداوندی ان کی دست گیری فرماتی ہے: ”وَاتَّهَمُ تَقْوَاهُمْ“ (محمد: ۱۷) (اور ان کو اس سے ملائچ کر چلنا) اور کبھی جو لوگوں کی تکذیب سے خوف زدہ اور ناامید ہوں تو ان کے اطمینان کے لئے یوں تسلی دی جاتی ہے: ”وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ.“ (فاطر: ۴) اور کبھی: ”فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ“، اور کبھی: ”وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ“ اور کبھی:

”إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى. وَرَبَطْنَا

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ“ (الکہف: ۱۳، ۱۴)

”یعنی وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر

اور زیادہ کیا ہم نے ان کا فہم اور گرہ دی اُن کے دلوں پر۔“

یعنی مضبوط و ثابت قدم رکھا ہمیشہ کے لئے، اس درجہ کو بقا کہتے ہیں کہ دین

سے ہرگز دل برداشتہ نہ ہوں گے۔

قصص القرآن:

وہ قصے کہ جن کی طرف آیات میں اشارہ کیا گیا ہے، ان کی غرض یہ ہے کہ

آیات کا فہم اور ان کا مقصد پوری طرح واضح ہو جائے۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ مفسرین نے جو قصے لمبے چوڑے بیان کئے ہیں ان

میں سے اکثر اسرائیلیات سے مأخوذ ہیں، جن کے بارے میں بخاری رحمہ اللہ نے

مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: ”لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَكْذِبُواهُمْ“۔
لہذا وہی قصے کا حصہ معتبر ہوگا جو نقادِ حدیث نے صحیح تسلیم کیا ہو، جیسے تفسیر
ابن کثیر نے ہر قصے کی اچھی طرح چھان بین فرمائی ہے۔

تخصیصِ عام:

تخصیصِ عام یا تفسیرِ مطلق، یہ دونوں اصطلاحات تقریباً ہم معنی ہیں، قرآنِ
کریم میں بہت سی آیات عام سے خاص یا مطلق سے مقید کی گئی ہیں، علامہ ابن کثیرؒ
نے اپنی تفسیر میں متعلقہ آیات کے ماتحت اس کی وضاحت فرمادی ہے۔

تعمیمِ خاص:

قرآن مجید میں بعض اوصافِ سعادت اور شقاوت کو ایک ذات کی طرف
منسوب کر کے بیان کیا گیا ہے، حالانکہ اس جگہ کوئی شخصِ معین مراد نہیں ہوتا، بلکہ صرف
ان اوصاف کے حسن و قبح کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ

كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا.“ (الاحقاف: ۱۵)

ترجمہ:.... ”اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ

سے بھلائی کا، پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں نے تکلیف سے

اور جنانا اس کو تکلیف سے۔“

پھر دو صورتیں ذکر فرمائیں، ایک سعید کی اور ایک شقی کی، مثلاً:

ا:.... ”ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً

(النحل: ۱۱۲)

مُطْمَئِنَّةً.“

ترجمہ:....”بتلائی اللہ نے ایک مثال ایک بستی تھی چین

امن سے۔“

اس سے بھی کوئی خاص بستی مراد نہیں ہے۔ اسی طرح:

۲:.... ”هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ

حَمْلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ.....“ (الاعراف: ۱۸۹)

ترجمہ:....”وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان

سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے پاس آرام

پکڑے، پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو

چلتی پھرتی رہی اس کے ساتھ۔“

اس آیت میں بھی ”فَلَمَّا تَغَشَّاهَا“ سے۔ (ایک قول کے مطابق کوئی خاص

آدمی مراد نہیں ہے، ورنہ دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام

ہیں)۔

اسی طرح:

۳:.... ”وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلَاْفٍ مَّهِينٍ“ (القلم: ۱۰)

ترجمہ:....”اور تو کہا مت مان کسی قسمیں کھانے والے

بے قدر کا۔“

سے بھی ایک قول کی بنا پر کوئی خاص آدمی مراد نہیں ہے، جس کسی میں بھی یہ خصال

موجود ہوں گی، وہی اس کا مصداق ہوگا۔ اسی طرح:

۴:.... ”كَمْثَلِ حَبَّةِ اَنْبَتُ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ

(البقرہ: ۲۶۱)

سُنْبُلَةٍ مِائَةِ حَبَّةٍ“

ترجمہ:.... ”جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں

ہر ہر بالی میں سو سودانے۔“

بطور مثال کے بیان فرمایا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا خوشہ ملے، وغیرہ ذالک۔

دفع الوہم:

کبھی بعنوان سوال و جواب شبہ ظاہر الورد کو دفع کیا جاتا ہے۔

یا سوال قریب الفہم کا جواب دیا جاتا ہے، کلام سابق کی وضاحت کے لئے، نہ اس لئے کہ اُس وقت کسی نے سوال کیا تھا، جیسے صحابہ کرامؓ کبھی سوال کو فرض کر کے اس کا جواب دیتے ہیں، اور مطلب کو صورت سوال و جواب میں پیش کرتے ہیں۔

اور کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ بظاہر کلام کو دیکھنے سے کوئی سوال و جواب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ ایک ہی مربوط کلام معلوم ہوتا ہے، لیکن واقعہ میں اس جگہ کسی ایسے سوال کا جواب مذکور ہوتا ہے جو حضرات صحابہؓ کی طرف سے کیا گیا تھا، جیسے:

”لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي

الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ.“

(النساء: ۹۵)

ترجمہ:.... ”برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو

کوئی عذر نہیں اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ کی راہ میں

اپنے مال اور جان سے۔“

میں ”غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ“ کی قید، کا نزول چونکہ حضرت ابنِ امّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سوال پر بطور جواب کے ہوا ہے، جس سے اندھے، لنگڑے، لُجے وغیرہ کا جواب مل گیا، یہی ان کا سوال تھا۔

اور کبھی آیت میں کسی دوسری آیت کے تناقض یا مصداق آیت سے بظاہر شبہ نظر آتا ہے، اس کا حال مفسر بیان فرمادیتا ہے، اس حل کو توجیہ کہتے ہیں، جیسے:

”يَا نُحْتِ هُرُونُ“ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے درمیان بہت مدت تھی، تو حضرت مریم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن کیسے ہوئیں؟ گویا سائل دل میں یہ سوال چھپائے رکھتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام گزشتہ صالحین کے نام پر رکھا کرتے تھے۔“

قرآن مجید میں بعض جگہ حذف لفظ یا ابدال، مجاز اور استعار وغیرہ ہوا کرتا ہے، اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ بصیرت ہو:

حذف:

۱: حذف یا تو مضاف کا ہوگا، جیسے:

”لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ

وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ....“ (البقرہ: ۱۷۷)

یعنی ”وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ“۔

اسی طرح: ”وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ“ (البقرہ: ۹۳)، آی:

”حُبَّ الْعِجْلِ“۔

اسی طرح: ”ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ“ (بنی اسرائیل: ۷۵)، آی:

”ضِعْفَ عَذَابِ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ عَذَابِ الْمَمَاتِ“۔

۲: حذف موصوف کا ہوگا، جیسے: ”وَاتَيْنَا ثُمُودَ النَّاقَةَ مُبْصَرَةً“ (بنی

اسرائیل: ۵۹) یعنی ”آيَةُ مُبْصَرَةً“، اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ اونٹنی بیٹا تھی اور نابینا نہیں تھی۔

۳: ... یا حرف جار کا حذف ہوتا ہے، جیسے: ”وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ“ (الاعراف: ۱۵۵) ای: ”مِنْ قَوْمِهِ“۔

۴: ... یا فعل کا حذف ہوتا ہے، جیسے: ”مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ“ (الزمر: ۳)، ای: ”يَقُولُونَ“۔

۵: ... یا مفعول کا حذف ہوتا ہے، جیسے: ”إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ“ (الاعراف: ۱۵۱)، ای: ”اتَّخَذُوا الْعِجْلَ الْهَآ“۔

۶: ... یا معطوف کا حذف ہوتا ہے، جیسے: ”تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ“ (الصافات: ۲۸)، ای: ”عَنِ الْيَمِينِ وَالشِّمَالِ“، وغیر ذالک۔

إبدال:

کبھی ایک فعل کو دوسرے فعل کی جگہ کسی غرض کے لئے نقل کر کے لاتے ہیں، جیسے: ”أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ الْهَيْتَكُمْ“ (الانبیاء: ۳۶)، ای: ”يَسُبُّ الْهَيْتَكُمْ“، ”يَسُبُّ“ کی جگہ ”يَذْكُرُ“ لایا گیا ہے۔ اسی قبیل سے یہ قول بھی ہے کہ: ”فلاں کے دشمنوں کے ساتھ یہ کیا گیا“ اصل میں یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ کیا گیا، ادب کی بنا پر اس کا نام نہیں لیا گیا۔

اسی طرح: ”وَلَا هُمْ مِنَّا يُصْحَبُونَ“ (الانبیاء: ۴۳)، ای: ”لَا يُنْصَرُونَ“، چونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے ممکن نہیں، اس لئے ”لَا يُنْصَرُونَ“ کی جگہ ”لَا يُصْحَبُونَ“ فرما دیا۔

اسی طرح: ”ثَقُلْتُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (الاعراف: ۱۸۷)، ای: ”خَفِيتُ“۔ کبھی شبہ فعل میں ابدال ہوتا ہے، جیسے: ”فَطَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خِضْعِينَ“ (الشعراء: ۴)، حالانکہ بجائے ”خِضْعِينَ“ کے ”خَاصِعَاتٍ“ کہنا چاہئے تھا، کیونکہ

”اعْنَاق“ مؤنث ہے، مگر جب اعناق سے مراد جزو بول کر کل لیا گیا یعنی ”وہ لوگ“ تو ان کے لئے ”خَضَعِينَ“ جمع مذکر کا صیغہ لانا بلاغت کے مطابق ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا: ”وَكَانَتْ مِنَ الْقَنِينِ“ (التحریم: ۱۲) یعنی ان میں مردوں جیسی صفات تھیں۔

اور کبھی حرف کا ابدال ہوتا ہے، جیسے: ”وَلَا صَلَبَنَّاكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ“ (طہ: ۷۱)، اُی: ”عَلَى جُدُوعِ النَّخْلِ“۔

یا: ”فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ“ (النحل: ۳۶)، اُی: ”عَلَى الْأَرْضِ“، اس میں نکتہ یہ ہے کہ حروف میں مجاز اکثر تضمین کے لئے ہوتا ہے کہ ایک لفظ میں دوسرے لفظ کے معنی ضمناً آجائیں۔

اسی طرح کبھی مستقبل کو ضروری الوقوع ہونے کے سبب ماضی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ”وَنُفِخَ فِي الصُّورِ“ (الزمر: ۲۸)، اور: ”وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا“ (الزمر: ۷۱)۔

اور کبھی حالت قبیحہ کو جملہ دُعائیہ سے تعبیر کرتے ہیں: ”قَتَلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ“ (عبس: ۱۷)، ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ“۔

اور کبھی کسی بات کو مخاطب کے علم کے موافق ظنی و تخمینی الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے: ”مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ“ (الصافات: ۱۴۷)، ”وَأَنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ (سبا: ۲۴)۔

کبھی ایک جملے کے بجائے دوسرے جملے کو لاتے ہیں، جیسے: ”وَأَن تَخَالِطُوهُمْ فَارْخُوا لَكُم“ (البقرہ: ۲۳۰)، اُی: ”وَأَن تَخَالِطُوهُمْ لَا بَأْسَ بِذَالِكَ“ اور ”إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ“ (یوسف: ۷۷)، اُی: ”إِن يَسْرِقْ فَلَا عَجَبَ فَقَدْ سَرَقَ الخ“۔

کبھی اصل کلام میں تنکیر ہوتی ہے، مگر لام یا اضافت سے لے آتے ہیں اور تنکیر بدستور باقی رہتی ہے، جیسے: ”قِيلَ يَا رَبِّ“ (الزخرف: ۸۸)، اُی: ”قِيلَ لَهُ يَا رَبِّ“، اختصار کی وجہ سے ”قِيلَ“ فرمادیا۔ ”لَحَقَّ الْيَقِينُ“ (الحاقة: ۵۱)، اُی: ”حَقُّ يَقِينُ“، بوجہ اختصار اضافت کر دی گئی۔

کبھی مذکر کے بجائے مؤنث اور مؤنث کے بجائے مذکر کو لاتے ہیں، اور مفرد کی جگہ تشنیہ و جمع یا بالعکس لے آتے ہیں، جیسے: ”فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي“ (الانعام: ۷۸)، نیز فرمایا گیا: ”وَحُضُّتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا“ (التوبة: ۶۹)۔ اسی طرح احادیث میں کثرت سے یہ جملہ آتا ہے: ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“۔ کبھی مخاطب کی جگہ غائب اور غائب کی جگہ مخاطب آتا ہے، جیسے: ”حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ“ (یونس: ۲۱)۔

اور کبھی جملہ خبریہ کی جگہ جملہ انشائیہ آتا ہے یا اس کے برعکس، جیسے: ”هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا“ (الملك: ۱۵)، اُی: ”تَمْشُوا“۔ اور کبھی اعراب میں بجائے ”و“ کے ”ی“ آتی ہے، جیسے: ”وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ“ (الحج: ۳۵)، ”مُقِيمِينَ“ بجائے ”مُقِيمُونَ“ لایا گیا ہے۔ لیکن آج کے بعض علماء، سیبویہ وغیرہ کے قواعد صرف و نحو کو اتنا صحیح سمجھتے ہیں کہ آیت کو کھینچ تان کر اُن کے مطابق کرنا ضروری جانتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اہل زبان کا محاورہ اسی طرح ہے، اور یہ صحیح ہے۔

علاوہ ازیں قواعد کی صحت کا مدار قرآن پر ہے نہ کہ قرآن کا مدار صرف و نحو پر، نیز قرآن عرب اول کی لغت پر نازل ہوا، اس میں یہ تصدیق کم ہیں، ”إِنَّ هَذِهِ لَسِحْرَانِ“ (طہ: ۶۲) اسی لغت پر ہے جس کی تاویل کی ضرورت نہیں، فافہم!

مجاز:

اسم کا ایک معنی ہوگا یا زائد، اگر ایک معنی ہے اور وہ معنی مشخص بھی ہے تو اس کو علم کہتے ہیں۔

اگر معنی مشخص نہیں بلکہ عام ہے تو وہ ”کلی“ ہے، جیسے ”انسان“۔

پھر اگر وہ سب افراد میں برابر ہے تو اس کو ”متواطی“ کہتے ہیں۔

اگر تفاوت ہے تو اس کو ”مشکل“ کہتے ہیں، جیسے ”سیاہ“ کا لفظ جس کے افراد مساوی نہیں، کیونکہ سیاہی کہیں کم ہوتی ہے اور کہیں زیادہ۔

پھر اگر اس کے معنی متعدد ہوں تو اگر سب کے لئے برابر وضع کیا گیا ہے تو اس کو ”مشترک“ کہتے ہیں، جیسے ”عین“ کا لفظ ہے۔

اگر سب کے لئے برابر وضع نہیں کیا گیا ہے تو پھر اگر پہلا وضعی معنی متروک ہو گیا ہے اور دوسرے معنی میں مستعمل ہونے لگ گیا ہے تو اس کو ”منقول“ کہتے ہیں۔

اور اگر ناقل عرف ہے تو اس کو ”منقول عرفی“ کہتے ہیں، جیسے عربی میں لفظ ”دابة“ ہر ایک زمین پر چلنے والے کے لئے موضوع تھا، پھر عرف عام میں خاص چوپایہ کے لئے مستعمل ہونے لگا۔

اور اگر ناقل شرعی ہے تو اس کو ”منقول شرعی“ کہتے ہیں، جیسے کہ لفظ ”صلوة“ خاص دعا کے واسطے موضوع تھا، پھر ارکان مخصوصہ میں مستعمل ہونے لگ گیا، اسی طرح ”زکوٰۃ“، ”صوم“ وغیرہ۔

اگر ناقل کوئی گروہ خاص ہے تو اس کو منقول اصطلاحی کہتے ہیں، جیسے نحو یوں کے نزدیک کلمہ وکلام۔

اور اگر پہلے معنی متروک نہیں ہوئے تو اول معنی میں اس کو حقیقت اور

دوسرے معنی میں مجاز کہتے ہیں، جیسے لفظ ”شیر“ کہ واضح نے اس کو درندے کے لئے وضع کیا تھا، مگر ”بہادر“ کو بھی شیر کہنے لگے، تو ”بہادر“ پر اس کا اطلاق مجازی ہے اور درندہ پر حقیقی۔

دو کلمے اگر ایک معنی رکھتے ہیں تو ان کو ”مترادف“ کہتے ہیں، جیسے: ”مَطَر“ و ”غَيْث“۔

اور اگر ہر ایک کا معنی جداگانہ ہو تو ان کو مَبَانٍ کہتے ہیں، جیسے: حجر، شجر، برو بحر، وغیرہ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ کو اس کے اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے معنی پر اطلاق کرنا بغیر کسی علاقے کے درست نہیں، علماء نے اس قسم کے پچیس علاقے قرار دیئے ہیں: مشابہت، سبب و مسبب، لازمیّت و ملزومیّت، تفسید اور اطلاق وغیرہ، ان میں سے صرف ایک علاقہ مشابہت کے سبب اگر ایک لفظ، دوسرے لفظ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے تو اس کو ”استعارہ“ کہتے ہیں، باقی اور علاقوں میں مجاز مرسل۔

استعارہ:

استعارہ بھی مجاز کی ایک قسم ہے، جس میں علاقہ تشبیہ پایا جاتا ہے، مگر حرف تشبیہ ظاہر میں مذکور نہیں ہوتا، جیسے ”شیر“ بول کر ”بہادر“ مراد لینا مجاز ہے، جب کسی مقام پر لفظ کے حقیقی معنی درست نہ ہو سکیں تب مجازی معنی مراد لئے جاتے ہیں، اور بغیر قرینے کے مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہے۔

استعارہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں:

- ۱: ”مستعار“ اس لفظ کو کہتے ہیں جو دوسرے معنی کے لئے مانگا گیا ہو۔
- ۲: ”مستعار منہ“ وہ معنی حقیقی ہے جس سے لفظ مانگا گیا ہے، یعنی مشبہ بہ۔

۳:.... ”مستعار لہ“ جس معنی کے لئے وہ لفظ مانگا گیا ہے، یعنی مشبہ، جیسے: ”اَسَدٌ کَاتِبٌ“ میں لفظ ”اَسَدٌ“ مستعار اور اس (اسد) کا وجود مستعار منہ ہے۔ ”زَيْدٌ“ (مثلاً) مستعار لہ اور مشبہ ہے، جس کو ادعاء شیر کا فرد بنایا گیا ہے، اور لفظ ”اسد“ کا معنی حقیقی مستعار منہ ہے، اور استعارہ ان ارکانِ ثلاثہ یعنی مستعار، مستعار منہ اور مستعار لہ کے لحاظ سے بہت سی اقسام پر منقسم ہے۔

ایک محسوس کا دوسرے محسوس کے لئے استعارہ جیسے: ”وَاشْتَغَلَ الرَّأْسُ شَيْئًا“ (مریم: ۴) یعنی بڑھاپے کا شعلہ سر میں بھڑک اُٹھا۔ مستعار منہ آگ کا بھڑکنا ہے، مستعار لہ بڑھاپا ہے، اور مستعار لفظ ”اِشْتَغَلَ“ ہے، مشبہ بہ آگ اور مشبہ بڑھاپے کی سفیدی ہے، اور ان میں سے ہر ایک محسوس ہے۔

کبھی ایک معقول کا دوسرے معقول کے لئے استعارہ ہوتا ہے، اور مناسبت بھی عقلی ہوتی ہے، جیسے: ”مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا“ مستعار منہ خواب، مستعار لہ موت، اور دونوں میں مشترک مشابہت افعال کا ظہور نہ ہونا ہے، اور ان میں سے ہر شے عقلی ہے، نہ کہ محسوس ظاہری، وغیر ذالک من الاقسام، باقی قسمیں مطول میں دیکھ لی جائیں۔

تشبیہ:

”تشبیہ“ لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دینے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح علم بیان میں دو چیزوں کا باہمی ایک وصف خاص میں، اشتراک ظاہر کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ میں چار چیزیں ضروری ہوتی ہیں:

۱:.... مشبہ: جس کو تشبیہ دی جائے، مثلاً: ”زید“۔

۲:.... مشبہ بہ: جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے، مثلاً: ”اسد“۔

۳۔۔۔ اداتِ تشبیہ: وہ حروف جن کے ساتھ تشبیہ بیان کی جائے، مثلاً: ”ک“۔

۴۔۔۔ وجہ تشبیہ: وہ وصفِ خاص جس میں تشبیہ دی جائے، مثلاً: ”شجاعت“۔
پھر وجہ تشبیہ یا واحد ہوگی یا متعدد، اور غرض تشبیہ اکثر مشبہ کی طرف عائد ہوتی ہے، کبھی اس کا ممکن الوقوع ہونا ثابت کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے سیاہی میں تشبیہ دی جاتی ہے۔
یا اس کے وصف کی مقدار بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی سیاہ چیز کو کالے کو سے تشبیہ دی جائے۔

یا اس کے حال کی تقریر مقصود ہوتی ہے، جیسے کسی کے کام کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا ہو تو اس کو پانی پر لکھنے سے تشبیہ دیتے ہیں، ان چاروں صورتوں میں مشبہ بہ وصف میں اکمل و مشہور ہونا چاہئے۔

یا مشبہ کی خوبی بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ کسی حسین کے بالوں کی سیاہی کو ”مشک“ سے تشبیہ دی جائے۔
یا اس کی قباحت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کی آنکھ کو بلی کی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

اور کبھی غرض تشبیہ مشبہ بہ کی طرف عائد ہوتی ہے، اور حرفِ تشبیہ بھی محذوف ہوتا ہے، مثلاً: ”تَمَرٌ مَرَّ السَّحَابِ“ (النمل: ۸۸)، اُی: ”تَمَرٌ مِثْلَ مَرِّ السَّحَابِ“ اس کی تفصیل بھی طویل ہے، فانظر فی موضعه۔

کنایہ:

لغت میں ”کنایہ“ کے معنی ہیں: کوئی بات اشارہ میں کہنا۔ اور اصطلاح میں

اس کے معنی ہیں: ایک لفظ بول کر اس کے معنی کا لازم مراد لینا، جہاں پر اصل معنی مراد لینا بھی ممکن ہے، جیسے: ”بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ“ (المائدہ: ۶۴) کنایہ ہے بہت دینے والے سے، ”الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى“ (طہ: ۵) کنایہ ہے تسلطِ شاہی سے کہ وہ شاہی تخت پر ہے اور ہر چیز کا مالک ہے، سب کچھ اسی کے حکم سے ہو رہا ہے۔

بیانِ صفاتِ خداوندی کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ جس ذات کی مثل کوئی چیز نہ ہو، نہ وہ ممکنات میں داخل ہو، نہ محسوسات میں، نہ اس کی طرف ادراک خیال پہنچ سکے، نہ طائر وہم کی اُس تک پرواز ہو تو اُس ذاتِ بابرکات کی تصویر بندوں کے سامنے کھینچی جائے تو کیسے؟ ناممکن ہے! اس لئے ایسے مواقع میں وہی الفاظ لائے جاتے ہیں جو کہ انسان کے تصور اور عقل میں آسکیں، اور اس کے ساتھ: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (الشوریٰ: ۱۱) سب جسمانیات کی نفی کر رہی ہے، لہذا بیانِ مقصود کے لئے ایسے الفاظ اختیار فرمائے جو مانوس و متصور ہوں اور ادراکِ انسانی میں آسکتے ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ پُر شوکت بھی ہوں، ورنہ بجائے اقرار کے انکار، اور بجائے اُنس و محبت کے وحشت و حیرت ہوتی، چنانچہ فرمایا:

”وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ“

(الحاقة: ۱۷)

یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ قیامت کے روز جب وہ تختِ عدالت پر جلوس فرمائے گا تو اس شان و شوکت سے ظہور کرے گا، ”بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ“ (المائدہ: ۶۴) میں کنایہ ہے اعطائے عام و تمام و دائم سے، اسی طرح: ”يَدُ اللَّهِ“، ”وَجْهُ اللَّهِ“، ”يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ“ (القلم: ۴۲)، ”وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ (الزمر: ۶۷) یہ سب کنایات اور استعارات ہیں جن کے معنی اس کی ذات اور قبضہ و قدرت کے ہیں، اور ”سَاقٍ“ کنایہ ہے شدت سے، اسی طرح ”يُقْرِضُ

اللہ“ استعارہ ہے انفاق بالخلوص سے۔

اسی طرح بطور مشاکلت کے جزا کو ان کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
 ”وَمَكْرُؤًا وَمَكْرًا لِّلَّهِ“ (آل عمران: ۵۴)، ”اللَّهُ يُسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ (البقرہ: ۱۵) اور ”إِنَّهُمْ
 يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا“ (الطارق: ۱۶) یہ سزا کے استعارات ہیں، حالانکہ بدی کی
 سزا بدی نہیں ہوتی، مگر بطور مشاکلت کے فرمادیا۔

اسی طرح: ”لَا مَسْتُمْ“ فرما کر ”جَامِعْتُمْ“ مراد لیا، کیونکہ تصریح خلاف
 تہذیب ہے، ”أَخَصَّنْتُ فَرْجَهَا“، ”إِحْصَانِ فَرْجٍ“ کے لغوی معنی حفاظت گریبان کے
 ہیں، یعنی اپنے دامن کو محکم و محفوظ رکھا، مگر مراد ستر خاص ہے، ہکذا فی الاتقان۔
 اور بعض مواقع پر خطاب عام ہوتا ہے اور لفظ خاص، گویا لفظ خاص کنایہ ہے
 عام مخاطب سے، مثلاً:

”لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبِطَنَّ عَمَلُكَ“ (الزمر: ۶۵)

اسی طرح تعریض کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے، مثلاً: ”هَذَا رَبِّي“ اس سے
 مخاطبوں پر تعریض مقصود تھی کہ تمہارا معبود ہے، میرا نہیں، یا ہمزہ استفہام محذوف ہے:
 ”أَهَذَا رَبِّي“ وغیرہ۔

ثُمَّ:

لفظ ”ثُمَّ“ کا استعمال تین طرح سے آتا ہے:

۱:۔۔۔ بطور تراخی زمان کے، جیسے: ”جَاءَ زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرُو“ یعنی عمرو، زید کے
 بعد آیا اور دیر سے آیا۔

۲:۔۔۔ بطور استبعاد کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ماقبل کی موجودگی
 میں اس کے مابعد کا ہونا بعید از عقل ہے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ“

(الانعام: ۱)

ترجمہ:.... ”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے

پیدا کئے آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اُجالا، پھر یہ کافر
اپنے رب کے ساتھ اور کو برابر کر دیتے ہیں۔“

یہاں ”ثم“ استبعاد کے لئے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں کا
پیدا کرنے والا ہے اس کی موجودگی میں مشرکین کا اپنے بزرگوں یا درختوں اور قبروں یا
بتوں کو اپنے رب سے محبت و تعظیم میں برابر کرنا بعید از عقل ہے۔

۳:.... بطور تعقیبِ ذکر، یعنی یہ کہ اس کا مابعد صرف ذکر میں اس کے ماقبل

سے پیچھے ہے، خواہ وہ واقع میں اس سے مقدم کیوں نہ ہو؟ جیسے:

”وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اسْجُدُوا لِآدَمَ“ (الاعراف: ۱۱)

ترجمہ:.... ”اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر صورتیں بنا لیں

تمہاری، پھر حکم کیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو۔“

اس مقام پر ”ثم“ تعقیبِ ذکر کے لئے ہے، معنی یوں ہوں گے:

”البتہ ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم ہی نے تمہیں

صورتیں دیں، پھر یہ بات بھی سن لو کہ ہم ہی نے فرشتوں سے کہا

تھا کہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے آگے سجدہ کرو۔“

ظاہر ہے کہ ہماری پیدائش وغیرہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے

کہیں مؤخر ہے، یہ معنی اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ”خَلَقْنَاكُمْ“ وغیرہ کو اس

کے حقیقی معنوں پر محمول کیا جائے، اور اگر تجوزاً اس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش مراد لی جائے تو تعقیبِ ذکرِی وغیرہ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔

مَا:

لفظِ ”مَا“ سے کبھی مسئلہ توحید مراد ہوتا ہے، جیسے:

”اذْجَاءَتْهُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ، قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ.“ (حم السجدة: ۱۴)

ترجمہ:.... ”جب آئے ان کے پاس رسول آگے سے اور پیچھے سے کہ نہ پوجو کسی کو سوائے اللہ کے، کہنے لگے: اگر ہمارا رب چاہتا تو بھیجتا فرشتے، سو ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانتے۔“
یہاں مراد وہی قولِ رسول ”أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ“ ہے۔
اسی طرح:

”الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ.“ (حم المؤمن: ۷۰)

ترجمہ:.... ”اور جنہوں نے کتاب کو اور اس چیز کو جس کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا، جھٹلایا، وہ قریب ہی جان لیں گے۔“

اس جگہ بھی ”مَا“ سے مراد مسئلہ توحید ہی ہے، اس لئے کہ دوسری آیت

میں یہ ہے کہ:

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي

إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ. (الانبیاء: ۲۵)

ترجمہ:.... ”آپ سے پہلے ہم نے ہر رسول کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، سو میری بندگی کرو۔“
اور کبھی ”مَا“ سے مراد معبودانِ باطلہ کی عبادت ہوتی ہے، جیسے:
”فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ.“

(المؤمن: ۸۲)

”یعنی جب عذاب اللہ کا آیا تو پھر کام نہ آیا ان کے جو وہ کماتے تھے۔“

اس پر شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”مَا“ سے مراد معبودانِ باطلہ کی عبادت ہے، بقرینہ آیت آئندہ:

”فَلَمَّا رَأَوْا بُاسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا

بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ.“ (المؤمن: ۸۳)

ترجمہ:.... ”جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو تو بولے کہ: ہم ایمان لائے اللہ وحدہ لا شریک پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے۔“

یعنی اب پتہ چلا کہ واحد خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے، جن ہستیوں کو خدائی درجہ دے رکھا ہے وہ سب بے کار ہیں اور عاجز و درماندہ، پس وہ اعمالِ شرکیہ نذر و نیاز وغیرہ بے فائدہ ثابت ہوئے اور کبھی ”مَا“ سے اور معافی بھی لئے جاتے ہیں۔

إِنَّمَا:

علم معافی والوں نے ”إِنَّمَا“ کو ”مَا إِلَّا“ کے معنی میں فرمایا ہے، مگر رضی نے

اس کے معنی ”پختہ بات“ کے بھی کئے ہیں، یعنی یہ بات پختہ ہے، خواہ اس میں حصر والے معنی بھی آجائیں یا نہ آویں، جیسے:

”لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ

(الحجر: ۱۵)

مَسْحُورُونَ“

ترجمہ:.... ”تو بھی یہی کہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری

نگاہ کو، نہیں! بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔“

اس جگہ حصر کے معنی نہیں ہیں۔ اسی طرح:

”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ

(النحل: ۱۱۵)

.... الخ“

ترجمہ:.... ”اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو

اور سور کا گوشت۔“

میں بھی حصر کے معنی نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ محرمات ان کے سوا اور بھی

ہیں، اور اگر ”مَا إِلَّا“ کے معنی لئے جائیں تو بہت سے جوابات کی ضرورت پڑتی ہے،

اور پختہ بات والے معنی پر سوال بھی مشکل سے ہو سکتا ہے۔

إِذْ:

”إِذْ“ ظرفیہ ہوتا ہے، اس کا مضاف الیہ اس کے مابعد متصل کا جملہ ہوتا ہے،

اور بعض مفسرین نے ”إِذْ“ کا عامل اس سے پہلے ”أَذْكُرُ“ محذوف مانا ہے، اب اس

کے لئے مفعول بہ کی ضرورت پڑی، کیونکہ ”أَذْكُرُ“ متعدی ہے، لہذا بعض ”أَذْكُرُ“

کے بعد ”الْقِصَّةُ“ کو مفعول بہ مانتے ہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ ”أَذْكُرِ الْقِصَّةَ“

الیٰ آخرہ، یعنی فلاں قصہ کو ملاحظہ فرمائیے، نہ یہ کہ قصہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ فوز

الکبیر میں فرمایا ہے کہ قصے کا مقصد ذہن میں اس کا نقشہ بٹھانا ہوتا ہے، تاکہ تحویف یا تحویل یا ترغیب یا عبرت ہو، لہذا ایسے موقع پر عامل کو تلاش کرنا ضروری نہیں ہے۔ بعض نے ”اِذ“ کو زائد مانا ہے، اور عباسی نے ”اِذ“ کے معنی ”قَالَ“ کئے ہیں، لیکن سب سے بہتر وہی بات ہے جو رضی نے لکھی ہے کہ اس کا متعلق کبھی اس سے مقدم ہوتا ہے اور کبھی مؤخر، لہذا اس قانون کے مطابق ”اِذْ کُر“ نکالنے کی ہر جگہ ضرورت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے: ”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْا“ (البقرہ: ۳۰) میں ”اِذْ“ کو ”قَالُوْا“ مؤخر کے متعلق کیا ہے۔

کَذٰلِکَ:

یہ کبھی تشبیہ کے لئے آتا ہے اور کبھی ”لِذٰلِکَ“ کے معنی میں آتا ہے، جیسے کہ جلالین نے فرمایا ہے کہ آیت:

”وَکَذٰلِکَ حَقَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ عَلَی الَّذِیْنَ

کَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ“ (غافر: ۶)

ترجمہ:.... ”اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب

کی منکروں پر کہ یہ ہیں دوزخ والے۔“

میں ”کَذٰلِکَ“ کا کاف تشبیہ کے بجائے تعلیل کے لئے ہے، یعنی ”لِذٰلِکَ

حَقَّتْ الخ“، اُی: ”لِذٰلِکَ الْمُجَادَلَةُ“.

کبھی کاف کمال کے بیان کرنے کے لئے آتا ہے، اس بنا پر:

”وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

(البقرہ: ۱۴۳)

شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ“

ترجمہ:.... ”اور اس طرح کیا ہم نے تم کو اُمت معتدل

تا کہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔“

کے معنی یوں ہوں گے کہ ہم نے تمہیں ایسی برگزیدہ اور عمدہ اُمت بنایا، جیسا کہ کسی اچھے نوجوان کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ نوجوان ایسے ہوتے ہیں،

”وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا“ (الرعد: ۳۷)

”یعنی ہم نے اس پر ایسا باکمال حکم عربی نازل کیا۔“

اَلَمْ تَرَ:

”اَلَمْ تَرَ“ کبھی ابتدائے کلام میں آتا ہے اور کبھی درمیان میں، اگر ابتدا میں آئے تو رُؤیت قلبی مراد ہوگی یا رُؤیت بصری۔ اگر رُؤیت قلبی مراد ہوگی تو معنی یوں ہوں گے: ”کیا تو نے نہیں جانا؟ یعنی اب جان لے!“، جیسے:

”اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ“

ترجمہ:.... ”کیا تو نے نہ دیکھا کیا کیا تیرے رب نے

ہاتھی والوں کے ساتھ۔“

اگر رُؤیت بصری مراد ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ: ”کیا تو نے نہیں دیکھا اور نہیں سنا؟ اگر نہیں دیکھا اور نہیں سنا تو اب دیکھ اور سن لے!“، جیسا کہ طحاوی باب ”مَا يَدْعِيهِ الرِّجْلَانِ كَيْفَ الْحَكَمَ فِيهِ“ میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اَلَمْ تَرَى اِنْ مُجَزَّزًا نَظَرَ اِنْفًا اِلَى

زَيْدٍ الخ.“

لوگ زید رضی اللہ عنہ کے نسب پر کچھ طعن کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے باپ کا فرمایا تھا، اور مجزز قیافہ شناس تھا، علامات دیکھ کر معلوم

کر لیتا تھا کہ یہ شخص اپنے باپ کا ہے یا نہیں؟ مجرز نے دونوں کے پاؤں دیکھ کر کہا: ”ان هذه الأقدام بعضها من بعض.“ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ”ان مجرزا نظر انفاً الى زيد“ معنی یوں ہوں گے کہ: ”اے عائشہ! تو نے نہیں دیکھا اور نہیں سنا تو اب مجھ سے سن لے کہ مجرز نے ابھی زید کی طرف دیکھا۔“

اور اگر ”الم تر“ کلام کے درمیان میں آئے تو اکثر اس کا مابعد ماقبل سے مربوط نظر نہیں آتا، بلکہ اصل مقصود سے مرتبط ہوتا ہے، جیسے کہ:

”الْمُ تَرَّ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ الخ.“ (البقرة: ۲۴۳)

ترجمہ: ”کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے

اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے۔“

اس کے ماقبل میں طلاق اور عدت کا ذکر ہے اور مابعد میں جہاد کا ذکر ہے، بظاہر یہاں وجہ ارتباط نظر نہیں آتی، تو عرض یہ ہے کہ چند رُجوع ماقبل میں اصل مقصود مسئلہ جہاد: ”وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ“ (البقرة: ۱۹۰) تھا، درمیان میں چند امور متعلقہ اصلاح کے لئے شروع کر دیئے، پھر ”الْمُ تَرَّ“ سے اصل مقصد جہاد کی طرف رُجوع کیا گیا ہے۔

الَّا:

رضی میں ہے کہ ”الَّا“ بوقت استثناء منقطع ”لٰكِنْ“ کے معنی میں ہوتا ہے، جس کے اسم و خبر کبھی مذکور ہوتے ہیں اور کبھی محذوف، مذکور کی مثال یہ ہے:

”عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ

ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ
رَصْدًا۔“ (الحج: ۲۶، ۲۷)

ترجمہ:.... ”غیب کا جاننے والا ہے، اپنے غیب پر کسی کو
غالب نہیں کرتا، لیکن رسول کے آگے پیچھے فرشتوں کو نگہبان بنا کر
چلا دیتا ہے۔“

بہتر یہ ہے کہ ”إِلَّا“ اس مقام پر بمعنی ”لَكِنَّ“ ہو اور ”مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ
رَسُولٍ“ اس کا اسم اور ”فَإِنَّهُ يَسْلُكُ“ خبر۔ مستثنیٰ منقطع باعتبار مضمون کے ماقبل سے
جدا ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس جگہ مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے، اور بعض نے مستثنیٰ
متصل فرمایا ہے۔

وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ:

ایسے جملے کے متعلق تین قول ہیں:

۱.... واؤ ہر جگہ عطف کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ کبھی تاکید و وصلت کے لئے
بھی ہوتی ہے، اور ”وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً“ (الواقعة: ۷)، ”وَفَتَحْتُ أَبْوَابَهَا“
(الزمر: ۷۳)، ”وَلْيَمْحَصَ اللَّهُ“ (آل عمران: ۱۴۱)، ”وَلْيَعْلَمَ اللَّهُ“ (آل عمران: ۱۴۰)
وغیرہ میں واؤ زائد ہے۔

۲.... کبھی واؤ موصوف صفت کے درمیان بھی آتی ہے، موصوف و صفت میں
جو اتصال ہوتا ہے اس کی تاکید کے لئے، جیسے قولہ تعالیٰ:

”إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ“

(الانفال: ۴۹)

ترجمہ:.... ”جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں
میں بیماری ہے۔“

اور سیبویہ نے فرمایا کہ: وہ مثل اس کے ہے جیسا کہ: ”ذُرْتُ بِزَيْدٍ وَصَاحِبِكَ“ (جبکہ ”صاحبک“ سے مراد وہی زید ہو)، اس میں بھی واؤ محض اتصال کی تاکید کے لئے ہے، عطف کے لئے نہیں۔

۳... شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ”وَلْيَعْلَمْ“ میں واؤ کو عاطفہ قرار دیا ہے، اور معطوف پہلے جملے کا مضمون فرمایا ہے، اور بعض کے نزدیک معطوف علیہ محذوف ہوتا ہے جس کا تعین موقع اور محل کی مناسبت سے کیا جاسکتا ہے۔

فائدہ:.... ”لِيَعْلَمْ اللَّهُ“، ”لِنَعْلَمْ“، ”حَتَّى نَعْلَمْ“، ”لَنَبْلُوَنَّكُمْ“ اور ”لَمَّا يَعْلَمْ اللَّهُ“ وغیرہ قرآن مجید میں مذکور ہیں، ان سب سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد میں ہوا ہو، ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا، حالانکہ اس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے: ”كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا“ اس کے علماء نے کئی طرح سے جواب دیئے ہیں:

بعض نے علم سے متمیز اور جدا جدا کر دینا مراد لیا ہے۔

اور بعض نے امتحان کے معنی کئے ہیں۔

اور کسی نے علم کو بمعنی رُؤیت لیا ہے۔

اور کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا ہے۔

اور بعض نے حدوثِ علم کو پیغمبر اور مؤمنین کی طرف راجع کیا یا مخاطبین کی

طرف لوٹایا۔

بعض اکابر محققین نے علم حالی، جو معلوم کے وجود کے بعد متحقق ہوتا ہے، مراد لیا ہے، جس پر جزا و سزا، مدح و مذمت مرتب ہوتی ہے، اور اسی کو بعض مدققین نے پسند فرمایا ہے۔

بعض علماء نے دو باتیں نہایت دقیق بیان فرمائی ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ حسب ارشاد باری تعالیٰ:

”وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا“ (الطلاق: ۱۲)

تمام چیزیں اول سے آخر تک حقیر و عظیم، قلیل و کثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اس کو ایک ساتھ ہے، اس کے علم میں تقدم و تاخر ہرگز نہیں، مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بے شک مقدم و موخر گنی جائیں گی، سو علم خداوندی کے اعتبار سے تو سب کی سب، بمنزلہ شے واحد موجود کے ہیں، اس لئے وہاں ماضی، حال اور مستقبل نکالنا بالکل غلط ہے، البتہ تقدم و تاخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداهت نکلیں گے، سو جناب باری تعالیٰ نے کبھی تو ان اشیاء کے تقدم و تاخر کا لحاظ فرما کر کلام فرمایا ہے، اور کبھی اپنے علم کے مناسب کلام فرمایا ہے، پس اول صورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ماضی کی جگہ ماضی، حال کی جگہ حال اور استقبال کی جگہ استقبال کا صیغہ ذکر فرمایا، اور دوسری صورت کا لحاظ رکھتے ہوئے ماضی اور حال کے صیغے تو استعمال ہو سکتے ہیں، لیکن استقبال کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، پس جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے فرمایا، جیسے: ”وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ“ وغیرہ تو وہاں اس کا لحاظ ہے کہ سب اشیاء حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں، اور جہاں امور گزشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا، جیسے آیت: ”إِلَّا لِنَعْلَمَ“ وغیرہ میں تو وہاں یہ بات مد نظر ہے کہ یہ چیز بہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے، علم الہی کے لحاظ سے استقبال نہیں کہ اس کے علم میں حدوث کا وہم ہو، مزید تحقیق حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کے فوائد قرآن میں دیکھ لیں، پارہ سبقتول کے اول صفحہ پر۔

ماضی:

”وَمَا لَكُمْ إِلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِّرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ

وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرَرْتُمْ إِلَيْهِ.

(الانعام: ۱۱۹)

ترجمہ:.... ”تمہیں کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے؟ اور اب وہ تمہارے لئے حرام کردہ اشیاء بیان کر رہا ہے، مگر جب مجبور ہو جاؤ اس کے کھانے پر۔“

یہاں اشکال وارد ہوتا ہے کہ: ”قَدْ فَصَّلَ“ ماضی کا صیغہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرماتِ الہیہ سورۃ انعام سے پہلے تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں، حالانکہ سورۃ بقرہ و مائدہ بالاتفاق سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی ہیں، اسی اشکال کی وجہ سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے بیان القرآن میں سورۃ انعام سے پہلے سورۃ نحل لی ہے، جو بالاتفاق سورۃ انعام سے پہلے نازل ہوئی ہے، لیکن اس میں یہ شبہ پڑتا ہے کہ سورۃ نحل میں اس حکم کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ سورۃ انعام سے بھی اس میں تفصیل کم ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ کہا جاوے کہ کبھی کبھی صیغہ ماضی لایا جاتا ہے، اور تفصیل بعد میں کی جاتی ہے، جیسے:

”سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَاهَا فِيهَا

(النور: ۱)

اٰیٰتٍ بَّیِّنٰتٍ“

”یعنی یہ سورت ہے نازل کر رہے ہیں ہم اس کو اور

فرض کر رہے ہیں اور اُتار رہے ہیں باتیں صاف صاف۔“

جیسے سورۃ نور میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور تفصیل بعد کو ہے تو اسی

طرح ”فَصَّلَ“ کو سمجھو۔

اَمْرُ:

بعض جگہ امر کا صیغہ ایجادِ فعل کے لئے نہیں، بلکہ ابقائے فعل اور اس پر مداومت کرانے کے لئے ہوتا ہے کہ یہ کام کرتے رہو، کمافی الحدیث: ”اَقْرَأْ يَا بَنُ حَضِيرٍ“ ”یعنی اے ابنِ حَضیر! پڑھتے رہو۔“ کذا نقل عن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔
اور اسی طرح:

”اَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ“ (العنکبوت: ۴۵)

”یعنی تلاوت کرتے رہو اس کتاب کی جو آپ کی

طرف نازل کی گئی ہے۔“

أَرَايْتُ:

رضی میں ہے کہ ہمزہ استفہام یا افعالِ قلوب پر آتا ہے یا ان کے مفعول پر۔
اگر ان کے ہر دو مفعولوں پر آئے تو افعالِ قلوب مکفوف عن العمل ہوں گے، یعنی عمل نہ کریں گے، اور اگر ”رَأَيْتُ“ کے مفعول ثانی پر استفہام آئے تو یہ مکفوف نہیں ہوتا، بلکہ ایک مفعول کا تقاضا کرے گا، جیسے: ”رَأَيْتُ زَيْدًا مَا صَنَعَ“،
میں ”زَيْدًا“ مفعول ہے ”رَأَيْتُ“ کا، اور ”مَا صَنَعَ“ علیحدہ جملہ ہے جو جواب ہے سوال کا، یعنی جس وقت کسی نے کہا: ”رَأَيْتُ زَيْدًا“ تو دوسرے نے کہا: ”مَاذَا تَقُولُ لَهُ؟“
تو پہلے شخص نے اس کے جواب میں کہا: ”مَا صَنَعَ؟“ ای: ”اَخْبِرْنِي مَا صَنَعَ؟“ لہذا معلوم ہوا کہ ”مَا صَنَعَ“ علیحدہ جملہ ہے اور ”اَخْبِرْنِي“ محذوف ہے، اور ”مَا صَنَعَ“ ”رَأَيْتُ“ کا مفعول نہیں ہے، اور کبھی اس وقت بھی مفعول محذوف ہوتا ہے، جیسے: ”رَأَيْتُ مَا صَنَعَ؟“ اس صورت میں بھی ”مَا صَنَعَ“ علیحدہ جملہ ہے، اور ”زَيْدًا“ مفعول محذوف ہے۔

اگر استفہام ”رَأَيْتَ“ پر وارد ہو تو اس صورت میں بھی ایک مفعول چاہتا ہے، پھر وہ مفعول کبھی: ”نَسِيًا مِّنْ سِيًّا“ یا ”مَنْوِيًّا“ محذوف ہوتا ہے اور اس کے بعد استفہام ضرور آتا ہے ظاہراً یا مقدوراً، با شرط یا بلا شرط، اور کبھی ”أَرَأَيْتَ“ مکرر سہ کرر لایا جاتا ہے، پھر اگر ایک کے ساتھ مشروط ہو تو تمام شرطیں باعتبار معنی کے ایک بنا کر اس کے بعد جزا ہوتی ہے، جیسے:

”أَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْهَىٰ. عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ. أَرَأَيْتَ إِنْ
كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ. أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ. أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ
وَتَوَلَّىٰ. أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ.“ (العلق: ۹ تا ۱۴)

ہر سہ شرط کی جزا ”أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ“ ہے، یعنی دال بر جزا ہے، معنی یہ ہوں گے کہ:

ترجمہ:.... ”خبر دے تو مجھ کو کہ جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے، جب وہ ہدایت پر ہو، جب وہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہو، جب وہ شخص جھٹلاتا ہو، رُوگردانی کرتا ہو، کیا اُس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے؟“
”أَرَأَيْتَ“ کے بعد استفہام ظاہر کی مثال یہ ہے:

”قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمْ
السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ.“ (الانعام: ۴۰)
ترجمہ:.... ”تو کہہ دیکھو تو اگر آوے تم پر عذاب اللہ کا یا آوے تم پر قیامت، کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔“

اس میں ”أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ“ استفہام ظاہر ہے۔

اور استفہام مقدر کی مثال یہ ہے:

”أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَىٰ لَيْسَ أَخْرَجْتَ“ (بنی اسرائیل: ۶۳) ای:
”أَرَأَيْتَ هَذَا الْمَكْرَمَ لَمْ كَرَّمْتَهُ“ اور ”لَيْسَ أَخْرَجْتَ“ کلام متأنف ہے۔

فائدہ:.... ”أَرَأَيْتَكَ“ میں ”ک“ کمال کے لئے ہے، نہ کہ ضمیر اور مفعول بہ، کیونکہ اس جگہ مفعول بہ محذوف ہے، کاف برائے کمال کا مطلب یہ ہے کہ:
”أَرَأَيْتَ“ کے آخر میں جو ”ت“ خطاب کے لئے ہے اُسی کی تکمیل کے لئے ”ک“ خطاب کو لایا گیا ہے۔

”أَرَأَيْتَ“ باوجود خطاب مفرد ہونے کے بمعنی ”أَخْبِرُونِي“ ہے، تا کہ خطاب عام ہو جائے، اور مفرد و متعدد سب کو شامل ہو جائے۔

أَوْ كُلاًمَا:

جب ہمزہ استفہام، واؤ، فا اور ثم عاطفہ پر داخل ہو جائے تو زحشری کے نزدیک: واؤ، ثم اور فا، کا معطوف علیہ ہمزہ استفہام کے بعد محذوف ہوتا ہے، مثلاً:
”أَوْ كُلاًمَا عَهْدُوا“ کی اصلی عبارت: ”أَكْفَرُوا وَكُلاًمَا عَهْدُوا“ ہوگی، واؤ کا معطوف علیہ ”كَفَرُوا“ ہمزہ استفہام کے بعد محذوف ہے، رضی کے نزدیک کلام سابق کا مضمون معطوف علیہ ہوتا ہے۔

پھر ہر سہ حروفِ عاطفہ میں فرق بھی لکھا ہے کہ:

”واؤ“ عاطفہ اور ”ثم“ تو ہمیشہ ایسے مقامات پر عطف کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں، لیکن ”فا“ میں دو صورتیں ہیں، کبھی عاطفہ ہوتی ہے اور کبھی سببیہ۔

مدخول ”فا“ کی بھی دو صورتیں ہیں، کبھی جملہ منفیہ ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، اگر جملہ منفیہ نہ ہو تو ہمزہ استفہام انکاری کے لئے آئے گا۔

مثال ”واو“: ”قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ، أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا“

(القصص: ۲۸)۔

یہاں ”اَوْ لَمْ يَكْفُرُوا“ معطوف ہے ”قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ“ کے مضمون پر اور چونکہ ہمزہ کا مدخول جملہ منفیہ ہے اس لئے ہمزہ تو بیخ و تقریر کے لئے ہوگا۔

مثال ”فا“: ”مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصَّمَّ“

(یونس: ۴۲) اس میں ”أَنْتَ تُسْمِعُ الصَّمَّ“ معطوف ہے ”مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ

إِلَيْكَ“ پر، ”مِنْهُمْ“ بمعنی ”بَعْضُهُمْ“ تاکہ جملہ پر عطف ہو جائے، اور استفہام انکاری ہے۔

مثال ”ثم“: ”مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ. أَتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنْتُمْ بِهِ“

(یونس: ۵۰، ۵۱)۔

خطاب عام:

بعض جگہ قرآن مجید میں خطاب جنس مخلوق کو ہوا کرتا ہے، یعنی انسان، فرشتہ، جن، سب کو شامل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے: ”وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ“ (الحجر: ۲۲) اس میں ”أَنْتُمْ“ میں مخاطب سے مراد صرف انسان نہیں، بلکہ جن، انسان، فرشتے سب کو خطاب ہے کہ کسی کے قبضے میں یہ چیزیں نہیں ہیں:

”قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي“

(بنی اسرائیل: ۱۰۰)

اس مثال میں ”أَنْتُمْ“ میں سب کو خطاب عام ہے۔

”مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا“ (النمل: ۶۰)

اس میں بھی خطاب سب جن و انس اور فرشتوں کو ہے، وغیر ذالک۔

اختلاف معمولین:

بعض جگہ ایک معمول کے ساتھ ایک فعل کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرے معمول کے ساتھ دوسرے فعل کا، اور یہ دوسرا فعل چونکہ محذوف ہوتا ہے، اس لئے بظاہر دونوں مختلف معمول ایک ہی فعل کے ماتحت دکھائی دیتے ہیں، اور ان کے معنی کرنے میں الجھن پیش آ جاتی ہے۔

اختلاف معمولین کی صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ دوسرے معمول کا فعل محذوف مان لیا جائے، جیسے کسی کا قول: ”عَلَفْتُهَا تَبْنًا وَمَاءً بَارِدًا“ یعنی میں نے اس کو بھوسہ اور پانی کھلا دیا، حالانکہ کھلانے کا فعل ماء (پانی) کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا، پانی پلایا جاتا ہے نہ کہ کھلایا جاتا ہے، چنانچہ اس اشکال کو دور کرنے کے لئے ”ماءً بَارِدًا“ کا فعل ”أَشْرَبْتُ“ محذوف مانا جائے گا، اور تقدیر عبارت یوں ہوگی: ”عَلَفْتُهَا تَبْنًا وَأَشْرَبْتُهَا مَاءً بَارِدًا“ (میں نے اُس سواری کو بھوسہ کھلایا اور پانی پلایا)، اس طرح ایک فعل کے ساتھ دو مختلف معمولوں کا لانا اگرچہ ترکیب نحوی کے لحاظ سے دقت طلب ہوتا ہے، لیکن محاورہ اور بلاغت کے لحاظ سے اس کا مقام پسندیدہ اور بلند ہے۔

قرآن مجید میں اس کی مثال یہ ہے: ”وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ“ (الانعام: ۱۳) سکون رات کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کہ دن کے ساتھ، اس لئے ”سَكَنَ“ کا تعلق ”فِي اللَّيْلِ“ کے ساتھ تو درست ہے، لیکن ”وَالنَّهَارِ“ کے ساتھ اس کا تعلق درست نہیں ہے، کیونکہ دن حرکت کے لئے ہے، نہ کہ سکون کے لئے، اس اشکال کو بھی اسی طرح دور کیا جائے گا، ”وَالنَّهَارِ“ کا فعل محذوف مان لیا جائے اور کہا جائے: ”وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَنَشَرَ فِي النَّهَارِ“۔

دوسری مثال:

”يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا
إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا
خَيْرًا.“ (الانعام: ۱۵۸)

”یعنی جس دن آئے گی ایک نشانی تیرے رب کی،
کام نہ آوے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ
لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ کی تھی۔“

اس آیت کو اگر اپنے ظاہری معنی پر چھوڑ دیں تو اس سے معتزلہ کا یہ مذہب
ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کے بغیر ایمان معتبر اور نافع نہیں ہے، کیونکہ آیت کا خلاصہ
اس طرح ہوتا ہے کہ:

”يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا
إِيمَانُهَا أَوْ آمَنَتْ وَلَمْ تَكْسِبْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا“

”یعنی جو شخص طلوع شمس (من المشرق) سے پہلے
ایمان نہیں لایا اس کو بعد طلوع شمس ایمان لانا مفید نہ ہوگا، یا
ایمان تو طلوع سے قبل لے آیا لیکن عمل صالح نہ کئے تھے تو اس کو
بھی محض ایمان بلا عمل نافع نہ ہوگا۔“

کذا قرر الزمخشري۔ اور یہی معتزلہ کا مذہب ہے۔

لیکن ابن المنیر نے اس کا جواب دیتے ہوئے عبارت کی تشریح اس طرح

کی ہے کہ:

”لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا أَوْ كَسَبَتْ خَيْرًا لَمْ تَكُنْ
آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ لَمْ تَكُنْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا.“

یعنی جو شخص پہلے سے ایمان نہیں لایا تو اُس وقت اس کا ایمان مفید نہ ہوگا، اور جس نے پہلے سے عمل صالح نہیں کئے اب اُس کے عمل صالح معتبر نہ ہوں گے، یعنی توبہ قبول نہ ہوگی، اس تقریر کی بنا پر عمل صالح کی نفی ہوئی نہ کہ اصل ایمان کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ”لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا“ کے بعد ”أَوْ كَسِبَتْهَا“ کا لفظ محذوف ہے، آیت کی اس تقریر کے مطابق معتزلہ کا مذہب ثابت نہ ہوا، اور اشکال بھی رفع ہو گیا، اس آیت کے اور بھی متعدد جوابات ہیں، رُوح المعانی میں دیکھ لئے جائیں۔

مسئلہ الہ:

اس کی تحقیق حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب ”جواہر القرآن“ میں بسط سے فرمائی ہے، اسے دیکھنا چاہئے، جزاء اللہ تعالیٰ خیراً، جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

مشرکین، اللہ تعالیٰ کے قائل تھے، دو خدا کے قائل نہ تھے، خالقِ آسمان، زمین، و تمام اشیاء، اور ہر شے پر غالب، بڑے علم والا، بارش برسانے والا، مردہ زمین کو زندہ کرنے والا، روزی دینے والا، موت و حیات کا مالک، ہر شے کو پناہ دینے والا، کانوں، آنکھوں کا مالک اور سارے جہان کا مدبر اللہ تعالیٰ ہی کو جانتے تھے، ان کو آیات سے صریحاً ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں ایک ماننے کے بعد اپنے دوسرے معبودوں کو الہ مانتے تھے، اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت صرف اس بات میں تھی کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا دوسرا کوئی الہ نہیں، اس کے سوا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی بات میں مخالفت نہیں ہوئی، گویا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت بحیثیت رسول ہونے کے صرف اسی مسئلے کی وجہ سے تھی۔ اسی مسئلے کی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتہامات مثل: شاعر،

ساحر، کذاب، کاہن وغیرہ لگائے، جیسا کہ سورہ صافات میں ہے:

”إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
يَسْتَكْبِرُونَ. وَيَقُولُونَ ءَأَنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتَنَا لَشَاعِرٍ
مَّجْنُونٍ.“ (الصافات: ۳۵، ۳۶)

ترجمہ:.... ”جب انہیں لا الہ الا اللہ کہا جاتا تو اکڑتے
اور کہتے تھے کہ: کیا ہم ایک شاعر پاگل کے کہنے سے اپنے
معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟“

اور سورہ ص میں ہے:

”أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا، إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ
عُجَابٌ.“ (ص: ۵)

ترجمہ:.... ”کیا اتنے معبودوں میں سے ایک ہی کو معبود
بنارکھا ہے؟ یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے!“

اس سے معلوم ہوا کہ معبودانِ باطلہ کی نفی کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کو معاذ اللہ سب کچھ کہا گیا۔

اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، مشرکین کے معبودوں کی عبودیت
کی نفی کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، اور لوگوں نے دشمنی کی:

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ
إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ.“ (الانبیاء: ۲۵)

ترجمہ:.... ”آپ سے پہلے بھی ہم ہر پیغمبر کی طرف
وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری
عبادت کرو۔“

الہ بمعنی معبود کون کون بنائے گئے؟

فرشتے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، سورج، ستارے، جنات، بالخصوص شیطان، بزرگوں کی قبریں، پیرومرشد، اور جن درختوں کے نیچے ایسے بزرگ بیٹھے، اور دراصل بزرگوں ہی کو معبود خیال کیا جاتا تھا۔

سورہ سبا کی آیت:

”وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَكَةِ

(سبا: ۴۰)

أَهْلُؤَلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ“

میں فرشتوں کے معبود بنالینے کا ذکر ہے۔

اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت:

”قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا

يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا.“

(بنی اسرائیل: ۵۶)

میں باتفاق مفسرین، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے معبود بنانے کی نفی ہے۔

سورہ نجم میں ہے:

”أَفَرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ. وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةَ الْآخِرَىٰ“

(النجم: ۱۹، ۲۰)

ان میں لات ایک بزرگ تھا، جیسا کہ بخاری جلد ۲: صفحہ ۷۲۱ میں ہے۔

سورہ نوح میں ہے:

”وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا

(نوح: ۲۳)

سُوءَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا“

یہ نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک آدمی تھے، جب فوت ہوئے تو ان کی صورتیں پتھروں پر کندہ کیں اور ان کو غائبانہ پکارا گیا، کما فی البخاری جلد ۲: صفحہ ۷۳۲ سطر: ۳۔

اور تفسیر عزیزی میں اس مقام پر ہے کہ یہ پانچوں حضرات شیث علیہ السلام کے بیٹے تھے، فتح الباری میں ایک روایت مرسل ہے کہ وہ حضرات شیث علیہ السلام کا نام ہے اور چار ان کے بیٹے تھے، بہر حال یہ پانچوں نیک مرد تھے، پتھر نہ تھے۔ سورج کے متعلق سورہ نمل میں ہے:

”وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ.“

(النمل: ۲۴)

جس میں سورج کے معبود بنانے کی نفی ہے۔

سورہ انعام میں ہے:

”فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا“ (الانعام: ۷۶)

اس میں ستاروں کے معبود بنانے کی نفی مذکور ہے۔

سورہ جن میں ہے:

”وَإِنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ

(الجن: ۶)

الْجِنِّ“

اس میں جنوں کے معبود بنالینے کا تذکرہ ہے۔

حدیث نبوی:

الف:.... ”لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ اتَّخَذُوا

قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا.“

ب:.... ”إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَيْهِ

(مشکوٰۃ)

قُبَّةً۔“

میں قبور کے معبود بنانے کی نفی مذکور ہے، زیادہ تفصیل ”جواہر القرآن“ میں دیکھیں۔

الہ کے معنی کی تشریح:

سورہ نمل میں آیت: ”أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ.....“ (النمل: ۶۰) اور: ”قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ“ (النمل: ۶۵) میں الہ ہونے کے لوازمات بیان فرمائے گئے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کی طاقت، اور آسمان سے پانی برسانا اور اس سے درختوں کے پیدا کرنے کی طاقت اور زمین کو ٹھہرانے کے لائق بنانے اور اس میں نہریں جاری کرنے اور دریاؤں میں پردہ رکھنے اور مضطر کی پکار کو پہنچنے اور سختی دور کرنے اور تم کو پہلوں کے نائب بنانے اور جنگل میں راہ دکھانے اور مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے اور آسمان و زمین کے غیب جاننے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، پس جو ذات کہ اس میں یہ طاقت نہیں ہے وہ معبودِ برحق نہیں ہو سکتا۔

قانون:

جہاں کہیں قرآن مجید میں الہ کا لفظ آجائے اور غیر اللہ سے الہ ہونے کی نفی کی جائے، وہاں غیر اللہ سے عام (خواہ ملک ہو یا انسان مقرب یا جن وغیرہ) مراد ہوتا ہے۔

فائدہ: ... غائبانہ پکارنا جو اس کے لئے مافوق الاسباب متصرف فی الأمور ہونے کے اعتقاد کے ساتھ ہو، ممنوع ہے، اور اس ممانعت میں وہ امور داخل نہیں ہیں جن میں انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ایک دوسرے کی مدد چاہتا ہے، جیسے

اُستاذ، مرشد، لوہار، مستری وغیرہ، اس میں تو حق تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى

الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“

(المائدہ: ۲)

ترجمہ:.... ”اور ایک دوسرے کی نیکی اور تقویٰ پر مدد کرو

اور گناہ و ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

اللہ بمعنی معبود، عبادت سے مشتق ہے، اور عبادت کے معنی علامہ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین جلد: ۱ صفحہ: ۴۰ میں یہ فرمائے ہیں:

”العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بأن

للمعبود سلطة غيبية (أى فى العلم والتصرف) فوق

الاسباب يقدر بها على النفع والضرر فكل دعاء وثناء

ينشأ من هذا الاعتقاد فهو عبادة.“

ترجمہ:.... ”عبادت وہ چیز ہے کہ اعتقاد کرے کہ معبود

کو ایسا غیبی غلبہ علم اور تصرف میں ظاہری اسباب سے بالاتر

حاصل ہے کہ وہ نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے، پس

جو دُعا اور تعریف اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔“

اگر کسی کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھتا اور افعال و اقوال تعظیمی ہوتے

ہیں مثلاً: اُستاذ، پیر، والدین کے سامنے دوزانو بیٹھنا، ان کی خدمت میں تحفہ تحائف

لے جانا، ان کے مرنے کے بعد دُعا، صدقات اور خیرات وغیرہ کرنا، مناسب طاعت

ہیں، عبادت نہیں، افعال مسنونہ ہیں، بدعت نہیں۔

لیکن چند افعال اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بالکل حرام ہیں،

خواہ اعتقاد شرکیہ سے ہوں یا اس کے بغیر ہوں جیسے: حلف بغیر اللہ، سجدہ بغیر اللہ، کسی

ذی رُوح چیز کی صورت بنانا وغیرہ، اور اگر کسی میں وہ اعتقاد عبادت والا رکھتا ہے تو جو افعال و اقوال تعظیمی اس کے لئے کرے گا مثلاً: قبر کے سامنے دو زانو بیٹھے، یا کپڑا ڈالے یا وہاں شیرینی تقسیم کرے، قبر کو بوسہ دے، یا زندہ پیر کی اس اعتقاد کے ماتحت تعظیم کرے تو سب افعال و اقوال شرکیہ ہوں گے، کوئی چیز بھی اس کی رُبّ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہوگی، جب تک ایسے اعتقاد سے توبہ نہ کرے، فافہم!

پس اگر اس اعتقاد سے کہ اس کو غائبانہ مافوق الاسباب قوت و قدرت اور علم تام، میرے معاملات و حاجت روائی و مشکل کشائی میں حاصل ہے، پس اس سے اُمید رکھ کر یا ڈر سے اس کو غائبانہ حاجات میں پکارا یا اس کی قبر کے سامنے سجدہ کیا، اس کے نام کی نذر و نیاز دی گئی، یا اس کی قبر کا طواف کیا گیا، تو یہ سب اس پیر کی عبادت ہوگئی اور اگر یہ اعتقاد نہیں تو جو فاتحہ و دُعا و خیرات اس کی رُوح کو بخشی جائے گی وہ شرک نہ ہوگا، بلکہ شرعاً مستحسن ہے۔

الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه ومباركاً عليه

عبداللہ عفی عنہ

”عبادت وہ چیز ہے کہ اعتقاد کرے کہ معبود کو ایسا
غیبی غلبہ، علم اور تصرف میں ظاہری اسباب سے بالاتر
حاصل ہے کہ وہ نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتا ہے،
پس جو دعا و تعریف اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔“

القولُ الوَحْيُز فِي أَصُولِ كَلَامِ الْعَزِيزِ

يَعْنِي

أَصُولِ قُرْآنِ پَرایکَ مُختَصَرِ رِسَالَةِ



قُطْبُ الرِّشَادِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ عَبْدِ اللَّهِ مَهْلُوِي قَدِسَ سِرُّهُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 حَامِدًا وَمُصَلِّيًا عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ
 وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ اَجْمَعِیْنَ

واضح ہو کہ قرآن مجید و فرقان حمید کا فہم چند چیزوں پر مبنی ہے، جو کہ مختصراً خدمتِ پاک میں عرض کی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر مقدمہ تفسیر حقانی فصل چہارم سے ماخوذ ہیں۔ قرآن مجید میں پانچ امور بکثرت موجود ہیں:

۱: ... علم الخاصمہ: یعنی گمراہوں (یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین) کے عقائدِ باطلہ کی تردید۔

۲: ... علم التذکیر بآلاء اللہ: یعنی اپنی نعمتوں کا یاد دلانا، اور انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات تین طرح کے ہیں۔

ابتدائی نعمتیں: یعنی انسان پر اللہ تعالیٰ کی وہ ابتدائی نعمتیں کہ پہلے منی سے، پھر مضغہ وغیرہ سے بنایا۔

بقائی نعمتیں: کہ انسان کو بقائے زندگی تک ہزاروں نعمتیں عطا فرمائیں۔

انہائی نعمتیں: کہ مرنے کے بعد اس کو قبر میں داخل کیا۔

یہ نعمتیں یاد دلا کر نصیحت فرمائی ہے، اور اس کو ایسے اُسلوب و طریقے سے واضح کیا ہے جس کے سمجھنے میں بوڑھے، جوان، شہری اور دیہاتی سب برابر ہیں۔

۳: ... علم التذکیر بایام اللہ: یعنی گزشتہ حوادث و واقعات بیان فرما کر سامعین کو نصیحت فرمانا۔

پھر ان کے بیان کرنے میں چند چیزیں ملحوظ رکھی گئی ہیں:
۱: ... کتبِ توارخ کی طرح قصے کو اوّل سے آخر تک بیان نہیں کیا گیا، بلکہ جس قدر نصیحت و عبرت ہے، اتنا بیان کیا گیا ہے۔

۲: ... وہ قصے بیان فرمائے جو کہ اہل کتاب یا آباء و اجداد سے میل جول کے مشہور تھے، وگرنہ بجائے عبرت کے حیرت ہوتی۔

۳: ... جن واقعات سے عبرت مقصود تھی، ان کو الگ الگ اُسلوب و فوائد سے مکرر، سہ کرر ذہن نشین کرانے کے لئے بیان کیا گیا، تاکہ تصویرِ واقعات پیش نظر رہے، اور یہ بھی کہ جو لوگ شبہاتِ ضعیفہ کے سبب پیغمبروں کے مقابلے میں آئے تو خدا تعالیٰ نے ان کا جواب دیا اور پیغمبروں کی مدد فرمائی، اس کو اس لئے بیان فرمایا تاکہ یہ لوگ بھی ویسی ہی بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ان قصص کے بیان سے مقصد صرف یہ ہے کہ ان کو سن کر شرک و معاصی سے نفرت ہو، خدا تعالیٰ کے عذاب سے خوف پیدا ہو، اور مخلصین کو عنایت و مدد ایزدی پر بھروسہ ہو جائے۔

۴: ... علم التذکیر بما بعد الموت: یعنی جو احوال انسان پر مرتے وقت اور مرنے کے بعد وارد ہوتے ہیں، اُن کو سنا کر نصیحت فرمانا، اس لئے کہ اس کے سننے سے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس سے دُنیا سے دل سرد ہو جاتا ہے، اور خدا تعالیٰ کا خوف یا محبت پیدا ہوتی ہے۔

۵: ... علم الاحکام: پھر احکامِ قرآنی دو قسم ہیں: نافع اور مضر۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں: ضروری اور غیر ضروری۔

نافع میں سے وہ احکام جن کے ترک پر سزا ہے، ان کو ضروری قرار دیا، اور

جن کے ترک پر کوئی نکیر نہیں، ان کو غیر ضروری قرار دیا، جیسے مستحبات۔ اسی طرح ”احکام صار“ میں سے جو حرام ہیں، ان کا ترک ضروری قرار دیا اور دوسرے درجے کے امور کا ترک غیر ضروری قرار دیا، جیسے مکروہ تنزیہی۔ نافع پر عمل کرنے کا حکم فرمایا، اور مضر سے اجتناب کا حکم فرمایا۔ جیسے طبیب جسمانی، نافع ادویہ و اغذیہ (نفع بخش غذا اور دوا) کا حکم فرماتا ہے، اور مضار (نقصان دہ) سے روکتا ہے، ویسے ہی ”حکیم علیم“ نے طیب (پاکیزہ) کو حلال فرمایا ہے اور خبائث (گندگیوں) کو حرام، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ”وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ“ (الاعراف: ۱۵۷)۔

پھر یہ احکام یا تو محض اعتقادی ہوں گے (جن میں اعضاء کے فعل کی چنداں حاجت نہیں)، یا عملی، ایسے اعتقادی احکام ناقابلِ تنسیخ ہیں یعنی ان میں نسخ نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقائد منسوخ نہیں ہوتے۔

۲:۔۔۔ اگر وہ احکام عملی ہوں کہ جن میں اعضاء کو دخل ہے، تو وہ دو حال سے خالی نہیں، اول: احکام عملی، یا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہوں گے یا بندوں کے ساتھ، وہ عملی احکام جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کی چند قسمیں ہیں:

۱:۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور رُوح کے علاوہ اپنے تمام اعضاء سے اس کی شکرگزاری کرنا، جیسے: نماز، کہ اس میں خشوع بھی ہے (جو رُوح و قلب کا فعل ہے) اور افعال اعضاء بھی۔

۲:۔۔۔ پھر یہ احکام یا تو قوتِ بہیمیہ اور شہوت کو مغلوب کرنے کے لئے ہوں گے، جیسے روزہ۔

۳:۔۔۔ یا یہ احکام بے کسوں کی مدد کرنے اور اپنے مال کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے زکوٰۃ۔

۴:۔۔۔ یا یہ احکام عاشقانہ ہیئت بنا کے اللہ تعالیٰ پر تصدق (قربان) ہونا، دُعا

و مناجات کرنا اور مال و جان صرف کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے حج۔

۵:۔۔۔ یا یہ احکام دل کے موافق زبان سے اقرار کرنے سے متعلق ہوں گے، جیسے ادائے (کلمہ) شہادت۔

۶:۔۔۔ یا یہ احکام دنیا میں اعلاء کلمۃ اللہ، فواحش مٹانے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے ہوں گے، جیسے جہاد۔

وہ عملی احکام جو بندوں کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ بھی چند قسم ہیں:

۱:۔۔۔ یا تو وہ احکام ایک شخص کے معاملات کی درستی سے متعلق ہوں گے، اس کو تہذیب اخلاق کہتے ہیں۔

۲:۔۔۔ یا وہ احکام ایک گھر کی معاشرت و انتظام کے متعلق ہوں گے، اس کو تدبیر منزل کہتے ہیں۔

۳:۔۔۔ یا وہ احکام شہر اور ملک کے متعلق ہوں گے، اس کو سیاست مدنیہ و سیاست ملکی کہتے ہیں۔

یہ سب احکام اعتقادی و عملی: جن میں طہارت ظاہری و باطنی، حدود و قصاص، میراث، طلاق، نکاح، بیع و شراء وغیرہ شامل ہیں، یہ سب قرآن مجید میں ہیں، چنانچہ ارشاد ہے: ”کُلُّ فِیْ کِتَابِ مُبِیْنٍ“ (الانعام: ۶۰) حضرت حق تعالیٰ نے عام متون کے مطابق مصنفین کی طرز کو اختیار نہیں فرمایا کہ ہر شے کی جامع و مانع تعریف بیان فرمادیں، بلکہ عادت عرب پر چھوڑا، مثلاً: فرمایا کہ: زانی کو درّے مارو اور چور کے ہاتھ کاٹو، بعد میں فقہاء رحمہم اللہ نے ”عرب العرباء“ کی عادت کے موافق استخراج فرما کر اس کی جامع و مانع تعریف فرمائی ہے۔

اجرائے احکام بلحاظ فطرت:

اجرائے احکام میں حضرت تعالیٰ جل شانہ نے فطرت کا لحاظ فرمایا ہے، گویا جو فطرت کے موافق تھا، اس کو برقرار رکھا، یعنی جو چیز عرب میں جس صورت پر تھی، وہ اُسی صورت پر باقی رکھی گئی، اور جس چیز میں تغیر و تبدل، افراط و تفریط اور تغلیط ہو گئی تھی، اس کی اصلاح فرمائی یا مٹادی، جیسے بعض بیوع کو بعینہ باقی رکھا، بعض کی اصلاح فرمائی اور بعض کو مٹادیا (فانظروا فی القدوری وغیرہ)۔

اس اصلاح میں عرب کی اصلاح کو اصل اور بنیاد قرار دیا، اور باقی کو فروع اور تابع بنایا، اسی لئے بعض احکام شریعت کا مادہ رسوم و عادات عرب پر مشتمل ہے، اگر عادات عرب کو دیکھیں گے تو اکثر احکام کی علت اور مصلحت (جس پر مدار ہے) ضرور پائیں گے، لیکن ان علل پر احکام کی بنیاد رکھنا، جس کو قیاس کہتے ہیں، مجتہد کا منصب ہے۔

مضامین قرآن:

قرآن شریف کی کوئی آیت ان خوبیوں سے خالی نہیں:

۱:.... صفات الہی تعالیٰ اس طور بیان فرمائی گئی ہیں کہ بندے سمجھ سکیں، جیسے: رحیم، کریم، سمیع، مرید، متکلم وغیر ذالک۔

۲:.... خدائے تعالیٰ نقص و عیب سے پاک ہیں۔

تنبیہ:.... انسان کی جبلت و فطرت ہے کہ اگر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہ دی جائے تو اگرچہ اس تشبیہ میں ادنیٰ مناسبت ہی ہو، مگر بوجہ قوت و ہمیہ کے وہ اس کو پورا مشبہ بہ سمجھ کر، مشبہ پر، مشبہ بہ کے احکام جاری کر دیتا ہے، اسی وجہ سے بعض نے لفظ ”وَجْهَ اللّٰهِ“ (البقرة: ۱۱۵) سے اللہ تعالیٰ کا گوشت پوست والا منہ، اور ”عَلٰی

الْعَرْشِ اسْتَوَى“ (طہ: ۵) سے اللہ تعالیٰ کو بعینہ بادشاہ تخت نشین کی مثل سمجھ لیا ہے، اسی لئے ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (الشوریٰ: ۱۱) اور ”أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ“ (النحل: ۱۷) وغیرہ جیسی آیات اس وہم کو مٹانے کے لئے نازل ہوئی ہیں، تاکہ خدا تعالیٰ سبحانہ کو ممکنات کی صفات سے بالکل بری سمجھا اور اعتقاد کیا جائے، وهو العلیٰ الکبیر!

۳:۔۔۔ توحید کی طرف بلانا اور شرک کو مٹانا۔

۴:۔۔۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ثناء و صفت اور یہ کہ وہ داعی الی الخیر ہیں۔

۵:۔۔۔ ملائکہ، فرماں بردار مخلوق ہیں۔

۶:۔۔۔ مومنین کی مدح اور ان کو غلبہ کا وعدہ۔

۷:۔۔۔ منکرین کی مذمت، حسرت، مغلوبیت اور دُنیوی و اُخروی سزا۔

۸:۔۔۔ دُنیا کی بے ثباتی کا بیان۔

۹:۔۔۔ عقبیٰ کا ثبوت اور اس کی مدح۔

۱۰:۔۔۔ حلت و حرمت کا بیان۔

۱۱:۔۔۔ تدبیر منزل، سیاست ملکی اور تہذیب اخلاق کا بیان۔

۱۲:۔۔۔ محبت الہی اور من یحبہ کا بیان۔

۱۳:۔۔۔ اخلاق حمیدہ: اعلاء کلمۃ اللہ، خلوص نیت، صدق وغیرہ، کی تعریف،

اخلاق رذیلہ جیسے: ریا، بخل، کذب اور نفاق کی مذمت۔

۱۴:۔۔۔ قیامت، جنت، دوزخ، سزا اور جزا کا ذکر۔

۱۵:۔۔۔ آثارِ قدرتِ سماوی و اَرْضی میں تفکر کی ترغیب۔

۱۶:۔۔۔ گزشتہ سچے واقعات کا ذکر اور ان سے حصولِ عبرت کی رغبت وغیرہ

ذالک۔

آغازِ سور:

ان خوبیوں کے باوجود ہر سورت کے عنوان کو شاہی فرمان کی مثل علیحدہ علیحدہ اُسلوب سے شروع کیا گیا ہے، بعض کو حمد سے اور بعض کو تسبیح سے، جیسے: ”سُبْحَنَ الَّذِی“، ”یُسَبِّحُ لِلّٰہ“ یا ”سَبِّحَ لِلّٰہ“ وغیرہ سے، اور بعض ایسے مجمل الفاظ سے جس کی تفصیل تمام سورت ہے، جیسے: ”الْم“، ”الْمَرْ“ اور ”حَمَّ عَسَق“ وغیرہ۔

بعض سورتوں کو بغیر عنوان، بعض کو مطول، بعض کو مختصر، اور بعض کے شروع میں بطور فصحاء، بلغاء کے دوسرے مضامین کو بغرض تمہید بیان فرما کر پھر مقصد بیان فرمایا گیا ہے، جیسے: ”وَالصَّفَاتِ صَفًّا“، ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ“۔

بعض قصوں کے اوّل و آخر میں ایک سا لفظ لایا گیا ہے، جیسے: ”یَسْنِی“ اسرّاءِ یٰل“ کہ سورہ بقرہ میں اوّل قصے میں فرمایا گیا ہے، پھر بعینہ انہی الفاظ پر آخر پارہ میں ختم کر دیا گیا ہے۔ الغرض قرآن مجید نے سچائی کے باوجود ہر مضمون کو شاعرانہ مبالغے کے بغیر ایسا بیان فرمایا ہے کہ باوجود معارضہ و مجادلہ کے نہ کسی نے نزولِ قرآن کے وقت اس میں نقص ثابت کیا ہے (اگرچہ مخالفین عربیت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے)، نہ اب کر سکتے ہیں اور نہ آئندہ کر سکیں گے: ”وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی“ ہاں! بعض ناواقف منہ کھول کر کہہ بھی دیتے ہیں، اگرچہ بات نہ بنے:

چوں نیست در مشام عماد ہیچ امتیاز
سرگیں میش و عنبر سا را برابر است

اندازِ خطاب:

قرآن مجید کی تعلیم مشفقانہ ہے، جیسے باپ اپنے بیٹے کو مختلف اُسلوب و انداز، بار بار کہنے، اشکالات دُور کرنے اور تبدیلیٰ مضامین سے جہاں تک ہو سکے

سمجھاتا ہے اور فہم مضامین کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتا ہے، اسی طرح رحمن و رحیم نے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے، اور تغیرِ عنوانات سے ایسا لطف دیا ہے کہ ہر لفظ اور ہر مضمون دلکش و دل پذیر ہے کہ: ہر کرشمہ دل میکشد کہ جا اینجا است، هو المسک ما کررتہ يتضوع۔

تفسیر:

تفسیر (یعنی تفسیر کا مجرد) ”فسر“ سے مشتق ہے، یعنی مراد متکلم کو کھولنا، پھر تفسیر کی دو اہم قسمیں ہیں: ۱۔ نقلی۔ ۲۔ عقلی۔

۱۔ نقلی تفسیر: وہ ہے جس میں آثارِ سلف (یعنی قرنِ اول) اور قدماء کے اقوال ہوں، جس کی شاخیں: معرفتِ ناسخ و منسوخ، اسبابِ نزول، مقاصدِ آیات اور شرحِ مجمل ہیں۔ قرآن میں اس طرزِ تفسیر کے امام حضرت ابن جریر طبری ہیں (جن کی وفات ۲۱۰ھ میں ہوئی)، اس کے علاوہ دوسرے بھی ہیں، بعد میں امام سیوطی و ابن شیبہ وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیر میں وہ روایات بھی نقل کر دی ہیں جو ان اہل کتاب سے منقول ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض صحیح اور بعض غلط ہیں۔

پھر ان میں سے بعض روایات کو کسی نے حضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کر دیا، اور کسی نے حضرت ابن عباسؓ، کعب بن احبارؓ یا وہب بن منبہؓ کی طرف منسوب کر دیا، جیسے قصہ ”تلك الغرائق العلی“، قصہ عشق حضرت داؤد علیہ السلام، زمین کا سات طبق ہونا، زمین کا نیل کے سینک پر ہونا، اور زہرہ کا قصہ وغیرہ۔

بعض محدثین نے ان روایات کو اپنی کتب میں خوش اعتقادی سے نقل فرمایا ہے، جس پر مخالف معترض ہوئے، پھر محققین جیسے: ابن جوزیؒ اور قرطبیؒ وغیرہما نے ان تمام لغو و بے اصل قصص کو اپنی اپنی تفسیر سے خارج کر دیا اور فیصلہ کیا کہ وہ

شانِ نزول یا ”توجیہ مشکل“ جو ترمذی، بخاری یا سندِ صحیح سے ثابت ہو، مقبول ہے، وگرنہ نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے علی بن طلحہؓ کی سند بہت صحیح ہے، اس واسطے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی سند کے اقوال کو جگہ جگہ اختیار کیا ہے۔

بعض علماء کو یہ شبہ ہوا ہے کہ بخاری کی کتاب التفسیر میں علی بن طلحہؓ کا نام کسی سند میں نہیں پایا جاتا، مگر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرمایا ہے کہ: بخاریؒ نے جو: ”قال ابن عباس“ بغیر سند کے نقل کیا ہے، اصل میں یہ قول علی بن طلحہؓ کی سند سے ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ طلحہؓ اور ابن عباسؓ میں دو ثقہ اشخاص مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کا واسطہ ہے، اسی واسطے یہ سند منقطع بھی نہیں، لہذا اس سند کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں، امام احمدؒ نے بھی اس سند کی تعریف کی ہے، اسی طرح عطاء بن السائبؒ، سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے جن اقوال کی روایت کرتے ہیں، وہ سند بھی صحیح ہے، اسی طرح تفسیر کے باب میں مروہ بن شریل کوفی کی روایت سے عبداللہ بن مسعودؒ اور ابوالعالیہ کی روایت سے ابی بن کعبؒ کے جو اقوال ہیں، ان کی سند بھی صحیح ہے۔ (کذا فی مقدمۃ احسن التفاسیر)

۲: تفسیر عقلی: وہ ہے جس میں حل لغات، بیان ترکیبات نحوی، بیان محاورات اور دفع اشکالات وغیرہ ہو۔

تنبیہ: ... الفوز الکبیر مصنفہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ قرآن مجید بہ لغت عرب اول نازل ہوا ہے، اگر کسی جگہ اعراب میں بجائے ”واو“ کے ”یا“ آجائے، تنبیہ کی جگہ مفرد، یا مذکر کی جگہ مؤنث ہو تو کوئی تعجب نہیں، جیسے ارشاد الہی: ”الْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ“ میں ”مقیمین“ کے معنی کو مرفوع، مثلاً:

”الْمُؤْتُونَ“ کی مانند کہنا ہوگا، انتہی ملخصاً۔

مگر آج کے نحو یوں (سیبویہ وغیرہ) کے قواعد کو اتنا صحیح سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ عام طور پر لوگ آیت کو کھینچ کھانچ کر ان کے قواعد کے مطابق کرتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اہل زبان کا محاورہ ہی صحیح ہے، نہ کہ ہمارا قاعدہ کلیہ۔

اس کے علاوہ قواعد کی صحت کا مدار قرآن پر ہے، فصاحت کلام مجید قواعد کی تطبیق پر منحصر نہیں۔

اسی طرح بعض متصوفین نے توجیہات باطلہ کے ذریعہ قرآن مجید کی صریح تحریف کی ہے، جس سے اصل مدعا متروک ہو جاتا ہے، اور جہال کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھتے بھی یہی لوگ ہیں۔

الغرض علم تفسیر وہ علم ہے جس میں احوال قرآن مجید سے طاقت بشریہ کی بقدر محض اس قدر بحث کی جائے کہ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی مراد یہ ہے۔

تاویل:

تاویل، اوّل سے مأخوذ ہے، جس کا معنی ہے: ”بیان کردن آنچه سخن بوی باز گردد“۔ صراح، معالم التنزیل میں ہے:

”صرف الآية الى معنى محتمل موافق لما

قبلها وبعدها غير مخالف الكتاب والسنة من طريق

الاستنباط فقد رخص فيه لأهل العلم.“

یعنی ایسے معنی محتمل کی طرف آیت کو لے جانا، جو ماقبل و مابعد کے موافق ہو

اور کتاب و سنت کے مخالف بھی نہ ہو، اور یہ صرف اہل علم کے لئے جائز ہے۔

سید سند رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کشاف میں اس کو جائز فرمایا ہے۔ اسی طرح

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں، اور مُلّا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں بھی اُسے جائز فرمایا ہے۔

ہاں! تمام علماء و محققین نے ”تفسیر القرآن بالرأی الفاسد علی جهة الهوی“ کو ناجائز و حرام فرمایا ہے، ”وان اصاب فیہ“، یعنی قرآن مجید کو اپنی غرض فاسدہ کی طرف لے جانا تفسیر بالرأی ہے، جو حرام ہے، اگرچہ وہ رائے میں صحیح بھی کیوں نہ ہو!

شانِ نزول:

صحابہؓ، تابعینؒ سب کے نزدیک نزول کا معنی تام ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ: صحابہ کرامؓ نزول کا اطلاق اس واقعہ پر بھی کیا کرتے، جس کے وقوع پر آیت نازل ہوئی ہوتی، اور اس واقعہ پر بھی، جو اس جیسا کوئی دوسرا واقعہ ہو گیا ہوتا، خواہ وہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں واقع ہوتا یا بعد میں، ایسے موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں، بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا ضروری ہے۔

کبھی ایک ہی واقعہ دو بار ہو گیا، تو اس میں یوں فرمادیتے کہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے، یعنی اس آیت کا حکم دوبار جاری ہو چکا ہے۔

کبھی مشرکین و اہل کتاب کے عقائد و عادات کی وضاحت فرما کر فرماتے کہ اس بارے میں آیت نازل ہوئی، اس سے اُن کی غرض یہ ہوتی کہ اسی اعتقاد یا عادت پر تو نازل ہوئی ہے، خواہ یہی قصہ ہو یا اس کے مشابہ ہو۔

کبھی محدثین اس آیت کو جس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے استشہاداً پڑھا تھا، شانِ نزول کہہ دیتے ہیں، جبکہ حقیقت میں یہ سب شانِ نزول نہیں ہیں۔

نزولِ قرآن کا سبب:

نزولِ قرآن کا سبب دراصل نفوسِ بشریہ کی اصلاح کرنا ہے، پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیتِ مخصوصہ کا سبب نزول ہے، اور اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا آیتِ احکام کا سبب نزول ہے، اور لوگوں کا نڈر ہو جانا آیتِ غضب کا سبب نزول ہے، اور لوگوں کا خوفزدہ ہونا آیتِ رحمت کا سبب نزول ہے، یہی باعث ہے کہ شانِ نزول کے بیان کرنے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال مختلف ہیں، اس بحث کی زیادہ تحقیق مقدمہ اتقان، الفوز الکبیر اور مقدمہ تفسیر حقانی میں ہے، اگر ضرورت ہو تو دیکھ لیں۔

ربطِ آیات:

اس میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کی آیات دُرّ منشورہ ہیں یا منظومہ؟ جو علمائے کرام انہیں دُرّ منشورہ یعنی بکھرے ہوئے موتی کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید کی آیات بینات حسبِ حاجاتِ نجمانجما مثل فرمانِ شاہی کے وقتاً فوقتاً نازل ہوئی ہیں، اس میں ربط دینا لا حاصل ہے، ہاں! ایک قصے کی آیات کو ربط دینا ضروری ہے۔ اور جو علمائے کرام انہیں دُرّ منظومہ فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: ہر قائل کا کلام باربط ہوتا ہے، حضرت تعالیٰ کا کلام بے ربط کیسے ہوگا؟ وہ ربط دینے میں تکلف کرتے ہیں۔

ترتیبِ سور:

محققین کے نزدیک ترتیبِ سور توقیفی ہے، یعنی جیسے حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم (روحی و جسمی فداۃ) ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ رکھنا تلقین فرما گئے ہیں، ایسے ہی اب بھی ہے، سورت براءۃ کے شروع میں تسمیہ کا حکم نہ فرمایا تھا،

اس لئے نہیں لکھی گئی، جو آیتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں، اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں۔

بیان محاورات:

محاورات کا علم ضروری ہے، جو محاورہ نہیں جانتا، وہ مطلب فہمی میں دقت اُٹھاتا ہے، چنانچہ: ”هُوَ اخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا“ (ہود: ۵۶) کا معنی محاورے کے لحاظ سے یہ ہے کہ اُس کے قبضے میں ہے، ”قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ“ (عبس: ۱۷) کا بطور محاورہ معنی یہ ہے کہ مارا جائے آدمی کیا ہی ناشکرا ہے۔ ”تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ“ کا معنی یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ٹوٹیں، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کو خدا غارت کرے، یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جائیں مگر کوئی خاص شخص مقصود نہ ہو، بلکہ عموم مراد ہو، جیسے کہا جاتا ہے: ”تم مسلمانوں کا یہ حال ہے۔“

اسی طرح کسی غیر محسوس چیز کو صورت محسوس میں لانا، جیسے: ”أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ“ (بنی اسرائیل: ۶۴) اور ارشاد الہی: ”وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا“ (یس: ۹)، وقولہ تعالیٰ: ”بَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ“ (الاحزاب: ۱۰) شدت خوف کا محاورہ ہے، جیسے کہتے ہیں: ”ناک میں دم آگیا“ وغیرہ ذالک۔

کبھی علی محاورات الخصم بھی کلام فرماتے ہیں، جیسا کہ مشرکین غلط معبودوں کو ”إِلَہ“ کہہ دیتے تھے، اسی بناء پر: ”لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا“ (الانبياء: ۲۱) میں جھوٹے معبودوں پر لفظ ”إِلَہ“ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

کبھی تمسخر کی غرض سے مشعر تعظیم لفظ فرما دیتے ہیں جیسے: ”ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ“ (الدخان: ۴۹) جیسے کسی کو طنز کے انداز میں کہہ دیں: ”آپ تو مرشد ہیں!“۔

الایمان فی القرآن:

قرآن شریف میں جو قسمیں آتی ہیں، جیسے: ”وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا، وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا“ وغیرہ، وہ دعویٰ کے لئے بمنزلہ گواہوں کے ہیں، یعنی ایک مدعا کے ثابت کرنے کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہیں، حقیقت میں یہاں قسم کھانا مقصود نہیں، بلکہ شاہد لانا مطلوب ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ بوقت تفسیر اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

مسئلہ: ... کسی کو بڑا سمجھ کر از روئے تعظیم اس کی قسم کھانا، اس خوف سے کہ اگر میں نے قسم کو پورا نہ کیا تو وہ بڑی ہستی ہے، مجھے ضرر پہنچائے گی، غیر اللہ کی ایسی قسم اٹھانا شرک ہے، معاذ اللہ!

اس کے سوا دُعا، بد دُعا یا شاہد مدعا بنا کر غیر اللہ کی قسم لینا جائز ہے، دُعا، مثلاً: ”لَعَمْرُكَ! لَا فَعَلَنَّ كَذَا“، بد دُعا، جیسے حسان بن ثابتؓ نے قسم اٹھائی تھی:

ثكلت بنيتي ان لم تروها

تثير النقع من طرفي كداء

ترجمہ: ... ”بیٹیوں کا غم دیکھوں اگر تم گھوڑوں کو

اطراف کداء (پھاڑی) میں غبار اڑاتے نہ دیکھو۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کداء میں گھوڑے دوڑا کر حضرت حسانؓ کی قسم کو پورا کیا۔

قرآن کریم میں وارد شدہ قسمیں بطور شواہد مدعا ہیں، جیسا کہ ان فارسی محاورات میں ہے: قسم بہ لب میگوں تو، وزلف شبگون تو کہ تو محبوب دلربائی۔

(بلغة الحیران فی ربط آیات القرآن صفحہ: ۳)

انما کا معنی حصر کا ہے، یعنی ”انما“ ”ما اِلَّا“ کے معنی میں ہے، اور اس کا

معنی: ”پختہ بات“ کا بھی آتا ہے۔ (رضی کافیہ)

فائدہ: ... ”الا“ بمعنی ”لکن“ یعنی استثناء منقطع آیا کرتا ہے، اور ما بعد ”الا“ کا ”لکن“ کا اسم ہوتا ہے، اور خبر کبھی محذوف ہوتی ہے اور کبھی مذکور۔

(رضی کافیہ کلمہ من بلغة الحیران)

جباریت:

جباریت یعنی جب انسان گناہ اور کفر سے بار بار روکنے سے بھی باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے بطور سزا اس بندے سے ہدایت اور ایمان کی طاقت سلب کر لیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ“ (البقرة: ۷) یہ جبر اور ظلم نہیں، بلکہ جباریت ہے، یعنی پہلے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا، پھر پیغمبر اور کتاب بھیج کر ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے، جب وہ آدمی عناد اور کفر کے سبب سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ (چونکہ سب کچھ کا مالک ہے) اپنے غضب سے اس سے ایمان کی توفیق، ہمت اور طاقت چھین لیتا ہے، یعنی اس کو ایمان کی طرف آنے ہی نہیں دیتا، اور وہ: ”خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ“ کے درجے میں آجاتا ہے، اس کو جبر نہیں کہا جاتا، جیسا کہ کہا گیا ہے:

ایں نہ جبر و معنی جباریت

معنی جباریت رازاری است

کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ کفر سے باز نہ آنے والوں سے ایمان کی طاقت سلب کر لے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ، الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ..... الخ“ (البقرة: ۲۶، ۲۷)۔

اس کے مقابلے میں ”ربط القلوب“ ہے، جب انسان ہدایت کے راستے کو

قبول کرتا ہے، اسلام پر مستقیم رہتا ہے، اور اللہ و رسولؐ کی تابعداری اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان پر محکم و مضبوط کر دیتا ہے، پھر وہ گمراہ ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ“ (الکہف: ۱۷)۔

جباریت کے معنی پر یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ پھر ایسوں کو احکام سنانا عبث ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فعل عبث کیوں سپرد ہوا؟

کیونکہ عبث اس کو کہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہاں اگر لوگوں کو فائدہ نہ ہوگا، تو نہ ہو، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فائدہ ہوگا کہ ادائے پیغام کا ثواب ملے گا، پھر عبث کیسے ہوا؟ (بیان القرآن حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص: ۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس مقام میں ”ختم اللہ“ کی اور طرح تقریر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

”کوئی یوں نہ سمجھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت

یوں خبر دے دی، اور خدا تعالیٰ کی خبر کے خلاف واقع ہونا محال

ہے، تو اب ایمان نہ لانے میں ان کو معذور سمجھنا چاہئے۔ بات

یہ ہے کہ یہ فرمانا تو ایسا ہے جیسے طبیب حاذق کسی مریض مبتلائے

دق کی نسبت کہے کہ اس کی دق درجہ چہارم میں پہنچ گئی ہے، یہ

اب اچھا نہ ہوگا، سو ظاہر ہے کہ وہ مریض اس طبیب کے کہنے

سے مدقوق (دق زدہ) نہیں ہو گیا، مدقوق (دق زدہ) تو وہ اپنی

کسی بے احتیاطی کے سبب پہلے سے ہے، بلکہ طبیب کا یہ کہنا خود

اس کے مدقوق (دق زدہ) ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح

یہاں سمجھنا چاہئے کہ اس کافر کا ناقابلِ ایمان ہونا اللہ تعالیٰ کی اس خبر دینے سے نہیں ہوا، بلکہ ناقابل ہونے کی صفت خود اس کی شرارت، عناد اور مخالفتِ حق کے سبب پیدا ہوئی ہے، جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جب آدمی کسی کی مخالفت پر آمادہ و کمر بستہ ہو جاتا ہے اور ہر وقت اسی کوشش میں رہتا ہے، تو موافقت و مصالحت کی استعداد و صلاحیت گھٹتی جاتی ہے، حتیٰ کہ بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے ہر ایک میں پیدائش کے ساتھ استعدادِ قبولِ حق کی رکھی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، مگر یہ شخص ہوائے نفسانی و خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے، حتیٰ کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے، اس وقت کی حالت پر طبیبِ روحانی یوں کہہ سکتا ہے کہ اب یہ حق کو قبول نہ کرے گا، کیونکہ اس کی استعدادِ درست نہیں رہی۔ اب اس میں اشکالِ عقلی نہ رہا۔“

کیونکہ اس نے باختیارِ خود اپنی استعداد برباد کر لی ہے، اس استعداد کی تباہی کا سبب و فاعل وہ خود ہی ہے، مگر چونکہ بندوں کے جمیع افعال کے خالق اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہیں، اس لئے اس آیت میں اپنے خالق ہونے کا بیان فرما دیا کہ جب وہ خود اس تباہی کا سبب ہوا اور بہ قصدِ خود اس نے اس کو اختیار کرنا چاہا، تو ہم نے بھی وہ بد استعدادی کی کیفیت اس کے قلب و غیرہ میں پیدا کر دی۔ بند لگانے سے اس بد استعدادی کا پیدا کرنا مراد ہے، سو یہاں بھی ان کا یہ فعل اس ختم (بند لگانے) کا سبب ہوا، اور ختم (بند لگانا) اس فعل کا سبب نہیں ہوا، پس ان کی معذوری کی کوئی وجہ نہیں۔

نزولِ قرآن کے وقت قوموں کے حالت:

مشرکین کے مذاہب:

عرب میں مختلف مذاہب کے لوگ تھے، مثلاً: مشرکین، یہود، نصاریٰ اور مجوس وغیرہ، مشرکین اگرچہ ملتِ ابراہیمیہ و اسماعیلیہ کے مدعی تھے، کیونکہ ان میں سے اکثر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، مگر صدیوں سے انبیاء نہ ہونے کی وجہ سے صنیفیت کے شاہی محل کے محض کہیں کہیں نام و نشان باقی تھے، پس ان میں اول مرض جو پھیلا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے خدا تعالیٰ و تقدس کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا کہ جس طرح ان کے دربار میں حاجت براری کے لئے عرض معروض، وزیروں، مشیروں وغیرہ کے بغیر نہیں ہو سکتا، اسی طرح خدا تعالیٰ نے بعض بندوں کو اپنی خدائی سے حصہ عطا فرمایا ہے، ان کے تقرب کے سوا نہ کسی کی عبادت قبول فرماتا ہے، نہ حاجت روائی کرتا ہے، بلکہ بعض کا خیال یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ان میں حلول کر آتا ہے اور ان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت، اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہیں: تَعَالٰی اللہُ عَنْ ذَٰلِکَ غُلُوًّا کَبِیْرًا! (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند اور پاک ہیں)۔

الحاصل! کسی کو رزق رسانی، کسی کو دفع بیماری، کسی کو مصیبت اور کسی کو دوسرے کاموں کا حاجت روا و مشکل کشا سمجھا اور ان کے تقرب کے لئے عبادات، قربانی اور نذر و نیاز دینے کو اعلیٰ وسیلہ سمجھا، اور یوں سمجھا کہ ان کے تقرب سے تقرب الہی ہوتا ہے، اور ان سے رُگردانی کرنا جان و مال کے نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لئے ان کی پرستش ضروری ہے، اور جن لوگوں پر ان کا یہ گمان تھا، وہ انبیاء علیہم السلام، اولیاء رحمہم اللہ اور ملائکہ عظام علیہم السلام تھے۔ (کذا فی مقدمہ تفسیر حقانی)

ان مشرکین میں سے بعض، عناصر: آگ، پانی وغیرہ، بعض آفتاب، ماہتاب اور دیگر عجائب مخلوقات، اور بعض جنوں اور ارواح خبیثہ کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی ہنود و مجوس اور ان کی ذریت موجود ہے، جو ان کی طرف خیال جمانے کے لئے ان کی پیتل اور پتھر کی تصویریں بنا کر اور اپنے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے، لیکن وہ انہیں جہت قبلہ خیال کرتے تھے، بعد میں متاخرین نے خود ان کو ہی معبود سمجھ لیا۔ ہر، ہر قبیلے کا ہر، ہر کام کے لئے علیحدہ بت تھا، جس کا ردّ قرآن میں جا بجا موجود ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ....“

الخ“ (یونس: ۱۸)۔

بعض جزا سزا تو دور کی بات، خود خالق کے بھی منکر تھے چنانچہ: ”وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ“ (الجماعہ: ۲۴) میں ان کے اسی حال کا بیان ہے، اور بعض خالق کے مقرر اور بعث و نشر کے منکر تھے، جن کا جواب اس آیت میں ہے: ”أَفَعَيَّنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ“ (سورہ ق: ۱۵)۔

اور بعض دوبارہ زندہ ہونے کے بھی مقرر و معترف تھے، مگر رسولوں کے منکر اور دفع عذاب کے لئے بتوں یا ملائکہ کی شفاعت کے قائل تھے، جن کے جواب میں فرمایا: ”مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ“ (یونس: ۳) ”وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى“ (الانبیاء: ۲۸)، اسی اعتقاد کے تحت بت کے نام پر قربانی وغیرہ کیا کرتے تھے، اور آمدنی میں سے ان کا حصہ مقرر کر رکھا تھا، اور بعض نے حلال چیزیں ان کے تقرب کے لئے حرام کر رکھی تھیں، ان کا ردّ سورہ انعام کی آیت: ۱۴۰ ”قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ.... الخ“ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

عموماً ان کے دو شبہات تھے، ایک: حشر اجساد کا مشکل ہونا، جیسا کہ وہ کہتے تھے: ”إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا.... الخ“ (بنی اسرائیل: ۴۹)۔

دوم:.... رسولوں کا انسانی شکل میں آنا اور حوائجِ بشریہ میں ان کا دوسرے نوعِ انسان کا شریک ہونا، چنانچہ وہ کہتے: ”مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ..... الخ.“ (الفرقان: ۷)۔

جو فرشتوں کے قائل تھے، وہ کہتے: فرشتہ رسول کیوں نہیں ہوا؟ جس کا ردّ جا بجا قرآن میں موجود ہے، اور بعض فرشتوں کو ”بَنَاتُ اللَّهِ“ (اللہ کی بیٹیاں) اور بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا ہم نسب مانتے تھے، جس کا ردّ سورہٗ والصفات کے اخیر میں ہے۔ بعض کا ہنوں کو غیب دان مانتے تھے، جس کے ردّ میں یہ فرمایا کہ: غیب دان میرے (اللہ کے) سوا کوئی نہیں، وغیر ذالک۔

ان سب کا ردّ قرآن مجید میں مصرح ہے، اور یہ ردّ منطقی دلیل کے طریق پر نہیں ہے کہ اس میں صغریٰ و کبریٰ ہوں، بلکہ اکثر مقدمات مشہورہٗ مُسلّمہ سے ردّ کیا گیا ہے، اور اس کو مکرر فرما کر دل نشین کر دیا ہے، اور اس کی ایسی تعلیم فرمائی کہ اس کے سمجھنے میں ذکی، غبی سب کو فائدہ ہو۔

یہود:

یہودیوں میں سے بعض تشبیہ کے قائل تھے کہ حق جل شانہ کے لئے جسم اور مکان ثابت کرتے تھے، اور حضرت تعالیٰ کی قدرت و قوت کو متناہی مانتے تھے، کہتے تھے کہ: حضرت تعالیٰ زمین و آسمان پیدا کر کے تھک گیا ہے، ہفتہ کے روز آرام فرمایا ہے، اس کے ردّ میں: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ (الشوریٰ: ۱۱)، ”وَمَا مَسْنَأْ مِنْ لُغُوبٍ“ (ق: ۳۸) وغیرہ آیات وارد ہوئی ہیں۔

دوم:.... یہ کہ توراۃ میں موجود محبت کے الفاظ جیسے: ”بیٹا“، دیکھ کر بوجہ کج فہمی کے یہود کہنے لگے کہ ہم خدا کے محبوب اور بیٹے ہیں: ”نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ“

(المائدہ: ۱۸) اور کہنے لگے: ”لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ“ (البقرہ: ۹۰) کہ اگر ہم کو عذاب ہوا تو بس چند دن ہوگا۔ اس کا ردّ سورہ اخلاص وغیرہ بہت سی آیات میں ہے۔

سوم:.... شہوت پرستی اور بدمستی کی وجہ سے انبیاء پر بدظنی کرتے تھے، تو اس کے ردّ میں آیت: ”لَمَنِ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ“ (ص: ۴۷) وارد ہوئی ہے۔
چہارم:.... انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے برخلاف منہیات میں ایسے مستغرق تھے کہ کتاب الہی کی تعلیم و تدریس کے بجائے جادو، منتر میں ہمہ تن مشغول تھے، جس کا بیان پارہ اول میں مذکور ہے۔

پنجم:.... حضرت مسیح علیہ السلام و حضرت مریم علیہا السلام پر بدگمانی کرتے، ان کے مقتدیوں کے ساتھ دلی عداوت رکھتے اور کہتے کہ: اگر موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔

لہذا وہ سب بشارات کو مؤول کرتے تھے، اس اشتباہ کے ردّ میں فرمایا: ”وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ“ (النساء: ۱۵۷)۔ نیز یہود، حضور نبی آخر الزمان علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام دائماً کے منتظر تھے، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، تو یہود انکاری ہو گئے، اس کا ردّ فرمایا: ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ“ (البقرہ: ۸۹)۔

ششم:.... حضرت اکرم الخلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہود کی وجہ عداوت یہ تھی کہ یہود کا خیال تھا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب فرمائیں گے، ہماری پاسداری اور عیسائیوں کی خلاف ورزی کریں گے، مگر حضور لامع النور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور انجیل کو کتاب اللہ فرمایا، اور ان کی خرابیوں کی اصلاح فرمانے لگے تو یہود کی اُمید بر نہ آئی، اور وہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کلام کرنے لگے، جب قطعی دلائل سے

ملزم (الزام زدہ) ہونے لگے تو کہا کہ: رسول اُمی، عرب کا ہے، ہمارا نہیں، کیونکہ دینِ موسوی ابدی ہے، منسوخ نہیں ہوگا، اور یہ کہ نبوت کا استحقاق بنی اسرائیل کا ہے، بنی اسماعیل کا نہیں۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے سے شریعتِ موسوی کے بعض احکام کے ابدی ہونے میں فرق نہیں آتا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا وہ حصہ جو ابدی ہونے کے لائق ہے، ایک ہے، البتہ جزئیات مختلف ہیں۔

دوم: یہ کہ ابدی سے طویل زمانہ مراد ہے، پھر جب بعض منصف مزاج یہود مسلمان ہو گئے، تو یہود کی عداوت بڑھتی چلی گئی اور آخر کار سب یہودی ذلیل ہوئے۔

نصاری:

بعض عیسائی، حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کہتے تھے، اور کہتے تھے کہ: آپ انسانی جامہ پہن کر حسب دستور حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے دُنیا میں ظاہر ہوئے، اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اُوپر لینے کے لئے پھانسی چڑھے، تین دن دوزخ میں رہے، اور پھر زندہ ہو کر اور حواریوں کی بے وفائی پر خفا ہو کر آسمان پر چڑھ گئے، اور دوبارہ آنے کا وعدہ فرمایا۔ پادری فنڈراپنی کتاب ”مفتاح الاسرار“ میں اس کو بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں، قرآن شریف میں اس کا ردّ مصرح ہے۔

بعض عیسائی کہتے تھے: ”إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ“ (المائدہ: ۷۳) اس کا ردّ بھی قرآن شریف میں موجود ہے۔

بعض کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ، بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں، اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء گناہگار چلے آئے ہیں، یہ بات پولوس

کے خطوط اور دیگر کتابوں میں اب تک پائی جاتی ہے۔
 اسی طرح ان میں رہبانیت رواج پاگئی، یعنی شادی نہ کرنا، اور قلندرانہ طرز
 پر زندگی بسر کرنا، مگر اس کو وہ نبھا نہ سکے اور غلط کاریوں میں مشغول ہو گئے، اس کا رد
 بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

منافق:

یہ لوگ لذت دُنیوی کے حاصل کرنے کے لئے یا اپنے بچاؤ کے لئے بظاہر
 مسلمان ہو گئے، اور درحقیقت کافر تھے، یہ اسلام کے فروغ میں بہت رخنہ اندازی
 کرتے رہے، آخر کار خراب ہوئے، اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین
 والصلوة والسلام علی رسولہ خیر خلقہ محمد والہ
 واصحابہ واتباعہ اجمعین
 سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت
 استغفرک واتوب الیک

اس مختصر رسالے کا نام ”القول الوجیز فی اصول کلام العزیز“ رکھا جاتا ہے،
 خدا تعالیٰ اس کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، وسعت رحمت سے اس کو قبول فرمائے،
 طالبین کو اس سے نفع عظیم عطا فرمائے، اور احقر پر تقصیر کے لئے ذخیرہ بنائے، امین یا
 رب العالمین، رب الأنبیاء والمرسلین، رب العرش العظیم!

عرض: اگر اس میں کوئی لفظی یا معنوی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح

فرمادیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!

”نزولِ قرآن کا سبب دراصل نفوسِ بشریہ کی اصلاح کرنا ہے، پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیتِ مخاصمہ کا سببِ نزول ہے، اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا آیتِ احکام کا سببِ نزول ہے، لوگوں کا نڈر ہو جانا آیتِ غضب کا سببِ نزول ہے اور لوگوں کا خوفزدہ ہونا آیتِ رحمت کا سببِ نزول ہے۔“

الکلماتُ الرَّاجِحَةُ فِي تَفْسِيرِ
سُورَةِ الْفَاتِحَةِ

یعنی

سُورَةُ فَاتِحَةٍ كِي تَفْسِيرِ



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ
 عِوَجًا وَالصَّلَاةُ عَلَى مَنْ أَرْسَلَهُ لِلنَّاسِ كَافَّةً وَجَعَلَهُ خَاتَمَ
 النَّبِيِّينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ.

جملہ علوم چار خدائی کتابوں میں درج ہیں، مگر قرآن پاک ان سب علوم پر
 حاوی ہے، اور قرآن پاک کے جملہ علوم بطور تلخیص سورہ فاتحہ میں موجود ہیں، اور سورہ
 فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ شریف میں ہے، اور بسم اللہ کی ”ب“ علوم تسمیہ (بسم اللہ) کا
 خلاصہ ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جملہ علوم کا مقصد حقیقی صرف یہ ہے کہ
 بندہ جناب خداوندی تک رسائی حاصل کرے، اور چونکہ بندہ انتہائی کثافت میں مبتلا
 ہے، اور جناب خداوندی میں انتہائی تنزہ و پاکیزگی ہے، اس واسطے یہ رسائی سوائے
 ذکر اللہ کے کسی اور طرح ممکن نہیں، ذکر اللہ سے دلچسپی ہو اور قول و فعل میں ہر طرح
 سے اس کی یاد میں استغراق بھی اس درجہ کا ہو کہ رسائی میں یکتائی پیدا ہو جائے۔

اور عربی گرامر میں ”با“ (الصاق) (چسپیدگی) کے معنوں میں بھی استعمال
 ہوتی ہے، اس بنا پر ”با“ سارے علوم قرآنی کا خلاصہ ٹھہری، حاصل یہ ہوا کہ میری
 تمام رسائی اللہ تعالیٰ کے نام اللہ، رحمن، رحیم کی چسپیدگی و تعلق میں ہے، یا ”با“

استغانت کی ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ میری تمام اُمور میں استمداد اللہ، رحمن، رحیم سے ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ:

اَزَل سے لے کر اَبَد تک، سب حمد و ثنا کا سزاوار وہی ہے، ثنا خواں موجود ہوں یا نہ ہوں۔ مرید، پیر کی تعریف کرے، شاگرد، اُستاذ کی مدح کرے، رعیت، منصف بادشاہ کی تکریم کرے، بچے اپنے والدین کو سراہیں، وغیرہ وغیرہ، یہ سب محامد اور تعریفیں درحقیقت خداوند تعالیٰ ہی کی حمد ہیں، کیونکہ ان سب کو ساری نعمت خداوند تعالیٰ سے ملی ہے، اور دوسرے سب خدمت گاروں اور ملازموں کی طرح ہیں، جو مالک کے حکم سے نعمت کے خواہاں کو پہنچاتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمایا:

”وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ.“ (النحل: ۵۳)

ترجمہ:.... ”اور جو بھی نعمت تمہارے پاس ہے، سو وہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“

ہر شخص دوسرے سے عوض اور بدلے کا خواہاں ہوتا ہے، اور اگر پورا عوض نہ ہو تو کم از کم ثواب یا ذکرِ خیر کا لالچ تو ضرور ہوتا ہے، اور یہ بھی طلبِ عوض سے کم نہیں، اور قاعدہ ہے کہ عوض کا طالب منعم نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اپنی مخلوق پر کئے ہیں نہ وہ کسی عوض کی طلب میں ہیں اور نہ کسی کمال کے حصول یا کسی نقصان کے دفعیے کے لئے ہیں۔ اسی لئے وہی منعم حقیقی ہے، لہذا اس کی ذاتِ پاک کے سوا کوئی بھی حمد و ثنا کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

”بلغة الحیران“ (مولانا حسین علی مرحوم کی تفسیری نکات کی کتاب کا نام

ہے) میں آیا ہے کہ اس پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ کافر اپنے بتوں کی تعریف

کرتے ہیں یا کچھ لوگ ناجائز و غیر معتبر تعریفیں بھی غیر اللہ کی کرتے ہیں، جیسے کسی کی زیادہ کھانے کی تعریف کی جائے یا ہچکوں قسم دوسری باتیں، پھر یہ تعریفیں کس طرح غیر اللہ کی ہو سکتی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیاق عبارت کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں، کیونکہ سیاق و سباق میں کچھ قرائن و اشارات ایسے ہوتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں اصل مراد کیا ہے؟ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فاعلیہ کا ذکر ہے، جیسے خالقیت، رازقیت وغیرہ کا ذکر ہے، اور کفار یہ صفات اصنام وغیرہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، اور حقیقت میں یہ صفات خدائے قدوس کی ہیں۔ ”رَبِّ الْعَالَمِينَ، الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ اور ”مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ“، جن کا ذکر آگے آتا ہے، وہ اس پر بمنزلہ دلیل ہیں، اور ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ بمنزلہ ثمر ہیں، یعنی انتہائی تذلل (عبادت) اور استعانت جو کفار، غیر اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں، وہ اے اللہ! ہم تیرے لئے اور صرف تیرے لئے کرتے ہیں۔ پھر خود قرینہ مقام بھی اس پر دال ہے کہ یہاں صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے، ناجائز صفات یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتیں۔

فائدہ: ... عقل مند لوگ کہتے ہیں کہ حمد موضعِ لائق میں کرنا چاہئے، تاکہ اس کا ثمر بھی بوجہ احسن حاصل ہو، مسلمانوں اور دوستوں کی مصیبت میں غمگین ہونا، الحمد للہ کہنے سے کہیں بہتر ہے، دینی نعمتوں پر حمد کہنا دُنیاوی نعمتوں پر حمد کہنے سے بہتر ہے، اور دل کی اچھی حالت پر حمد کہنا بدن کے اعمالِ حسنہ پر حمد کہنے سے بہتر ہے، اور اس طریقے پر حمد کہنا کہ یہ سب نعمتیں محبوبِ حقیقی کے عطیات ہیں، بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آدمی نعمتوں کے لذیذ و عجیب ہونے پر حمد کہے، بنا بریں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے کہ حمد مقامِ لائق پر واقع ہو اور بہترین طریق پر ادا ہو۔

مدح، حمد اور شکر میں فرق:

مدح جاندار اور بے جان دونوں کے لئے ہو سکتی ہے، جیسے کسی باغ کی تعریف کریں یا کسی شہر کی تعریف کریں، پھر مدح قبل از احسان بھی ہوتی ہے، اور بعد از احسان بھی، اور ساتھ ہی کبھی مدح ممنوع بھی ہوتی ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اذا رأيتم المداحين فاحشوا في وجوههم

(مشکوٰۃ ص: ۴۱۲ بحوالہ صحیح مسلم)

التراب۔“

ترجمہ:...”جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان

کے منہ میں مٹی بھردو۔“

گویا کسی کے منہ پر تعریف کرنے کو منع فرمایا گیا۔

جبکہ حمد صرف زندہ کی ہو سکتی ہے، حمد ہمیشہ بعد از احسان ہو سکتی ہے، اور حمد

ہمیشہ جائز بلکہ مستحب ہوتی ہے، اسی واسطے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من لم يحمد الناس لم يحمد الله.“

ترجمہ:...”جس نے لوگوں کی تعریف نہ کی، اس نے

اللہ کی تعریف نہ کی۔“

شکر صرف اس نعمت کا ہو سکتا ہے جو کسی کی طرف سے پہنچی ہو، اور حمد نعمت

رسیدہ و نارسیدہ دونوں کے لئے ہو سکتی ہے، بلکہ کسی کے کمال ذاتی کے لئے بھی ہو سکتی

ہے، ان ہی وجوہ ترجیح کی بنا پر مدح و شکر کی بجائے یہاں حمد کا لفظ استعمال فرمایا گیا۔

رَبِّ الْعَالَمِينَ:

دُنیا میں جو کچھ دیکھا، سنا اور پایا جاسکتا ہے یا تو وہ واجب بالذات ہے،

یعنی خود بخود موجود ہے، اور اس کا نہ ہونا محال ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے، یا وہ ناممکن لذاتہ ہے، جس کا ہونا، نہ ہونا دونوں برابر ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے وہ موجود ہے، اس دوسری قسم کو عالم کہتے ہیں۔

عالم علامت سے مشتق ہے، چونکہ یہ قسم اسماء و صفات الہی کی مظہر اور علامت ہے، اس لئے اسے عالم کہتے ہیں، اور اسماء و صفات الہیہ کی چونکہ کوئی انتہا نہیں، اس لئے عالم بھی بے شمار ہیں۔

اور عالم کے اصول و کلیات شرع شریف کے مطابق یوں ہیں کہ جو کچھ دُنیا میں موجود ہے، وہ یا ذات ہے جسے معقولیوں کی اصطلاح میں جوہر کہتے ہیں، یا صفات ہیں جنہیں عرض کہا جاتا ہے۔

ذات وہ ہے جو اپنے وجود میں دوسری چیز کی محتاج نہ ہو، جیسے: آسمان، زمین۔ اور صفت وہ چیز ہے جو اپنے وجود کے لئے دوسری چیز کی محتاج ہو، جیسے: رنگ، بو اور مزہ۔

پھر ذات کی دو قسمیں ہیں: جسم اور رُوح۔ جسم وہ ہے جس کی مقدار اور شکل معین ہوتی ہے، اور کسی طرح وہ مقدار و شکل سے الگ نہیں ہوتا۔

اور رُوح وہ ہے جس کی مقدار و شکل معین نہیں ہوتی، اور مختلف اشکال و اطوار میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

پھر جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: علوی اور سفلی۔ اور علوی اجسام کی بھی کئی قسمیں ہیں، جیسے: عرش، کرسی وغیرہ، اور سفلی جسم کی دو قسمیں ہیں: بسیط یعنی عناصرِ اربعہ اور مرکب۔ مرکب کی دو قسمیں ہیں:

مرکبِ تام جس میں جملہ عناصر ہوتے ہیں جیسے عالم معادن، عالم نباتات

اور عالم حیوانات، ان میں سے ہر ایک کی بے شمار قسمیں ہیں۔
 اور مرکب ناقص، جس میں بعض عناصر ہوتے ہیں، جیسے: عالم بخار جس
 میں پانی اور ہوا ہیں، عالم غبار جس میں مٹی اور ہوا ہیں، عالم دخان جس میں آگ
 اور ہوا ہیں۔

غبار سے مختلف رنگوں کی آندھیاں آتی ہیں، بخار سے بارش ہوتی ہے اور
 منجمد ہو تو ژالہ باری اور برف باری ہوتی ہے۔

دخان سے بجلیاں، شہابِ ثاقب اور دُم دار ستارے پیدا ہوتے ہیں۔
 اور اگر بخار و دخان زمین میں محبوس و مقید ہو جائیں تو ان کی جنبش سے
 زلزلے آتے ہیں۔

اور اگر زیر زمین محتبس رہیں اور ہوا کی قوت سے باہر آئیں تو چشمے جاری
 ہوتے ہیں۔

اور بخارِ لطیف سردی کے سبب آسمان اور زمین کے درمیان منجمد ہو کر زمین
 پر گرے تو شبنم کہلاتا ہے۔

اور بعض مقامات پر بخارِ لطیف منجمد ہو کر شکر سفید یا شکر سُرخ کی شکل میں
 زمین پر گرتی ہے، جسے ترنجبین یا شیرخشت وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، ایسی
 ہی قسموں میں سے شن من بھی ہے، یہ سب جسم کے عالم ہیں۔

اور رُوح کے عالم کی تشریح یوں ہے کہ رُوح یا نیک محض ہے، جسے فرشتہ
 کہتے ہیں، یا محض بد ہے، جسے شیطان کہا جاتا ہے، یا نیک و بد، دونوں اس میں مخلوط
 ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: جنات اور ارواحِ بنی آدم۔ فرشتوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ فرشتے جو اجسامِ علوی و سفلی سے متعلق ہیں، ان کی بہت سی قسمیں
 ہیں، ان میں سے کچھ حاملانِ عرش ہیں، کچھ مجاورانِ بیت المعمور ہیں، کچھ فرشتے بادلوں

اور ہوا سے متعلق ہیں، اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ نازل ہوتے ہیں، کچھ دریاؤں اور کوہساروں پر متعین ہیں، کچھ بنی آدم کی حفاظت اور اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔

۲:۔۔۔ وہ فرشتے جو عبادتِ الہی میں مستغرق ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ رُکوع میں کھڑے رہتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ سجدے میں رہتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو ہمیشہ قیام میں رہتے ہیں۔

۳:۔۔۔ وہ فرشتے جو ملائکہ مقربین کہلاتے ہیں، جو دنیا کی بڑی بڑی مہمات کی تدبیر پر مامور ہوتے ہیں، جیسے اللہ کا پیغام پیغمبروں تک پہنچانا، مرنے والوں کی ارواح کو قبض کرنا، ملائکہ اربعہ (جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام) اسی قسم میں داخل ہیں۔

اور صفت کی دنیاؤں کی بھی کوئی حد نہیں، مکان، زمان، کیف، کم، وضع، نسبت، یہ سب صفات کی قسمیں ہیں، اور حکمت کی کتابوں میں ان سب عوالم (عالموں) کی تفصیلات لکھی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ان سب عوالم کی رُب ہے، اور اسی واسطے آپ کو رُب العالمین کہا گیا۔

دفعِ شبہ:

باقی رہی یہ بات کہ بندوں کو شکر کی تعلیم کے موقع پر جملہ عالمین کے ذکر کی مناسبت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالمِ انسانی کی ربوبیت جملہ عوالم کی ربوبیت دریافت ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں کہ وہ متصور ہو سکے، کیونکہ تربیتِ انسانی تربیتِ جملہ عوالم پر موقوف ہے، اسی وجہ سے رُب العالمین فرمایا گیا۔

اور اس اجمال کی نہایت ہی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:

آدمی کے حق میں تربیتِ الہی کی ابتدا وجود سے ہوتی ہے، اور انتہاء اس کی

سعادتِ ابدی کے حصول پر ہوتی ہے، اور سعادتِ ابدی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک سچا اعتقاد، عملِ صالح اور نیک خُلق نہ ہوں، اور یہ تینوں باتیں اس وقت تک حاصل نہیں ہوتیں، جب تک صحت، جمال، قوت اور طویل عمر نہ ہو، اور یہ چاروں چیزیں مال، اہل و عیال، مرتبہ و جاہ اور قبیلہ پر موقوف ہیں، پھر ساتھ ہی فضائلِ نفسی جو سعادتِ ابدی کے اجزا ہیں، ان کا ربط فضائلِ بدنی سے متصور ہی نہیں ہو سکتا، جب تک دوسری پانچ چیزیں موجود نہ ہوں۔

۱:۔۔۔ ہدایت یعنی عقل و شرع کے ساتھ خیر و شر کو پہچاننا۔

۲:۔۔۔ ثمرہٴ مجاہدات، یعنی وہ نور جو عالمِ نبوت اور عالمِ ولایت سے ظاہر ہو۔

۳:۔۔۔ مرشد، یعنی وہ چیز جو سعادت کی طرف متوجہ کر سکے۔

۴:۔۔۔ توفیق و تائید، یعنی مساعدت و موافقت اسباب کی بنا پر جہتِ خیر کا

آسان ہو جانا۔

۵:۔۔۔ استقامت، یعنی آخر تک عزمِ مستقل کا باقی رہنا، پس یہ کل سولہ چیزیں

ہیں، جن پر آدمی کی تربیت موقوف ہے، ان میں سب سے ادنیٰ صحت ہے، جو کھانے

پینے پر موقوف ہے، اور کھانا پینا، قدرت، علم اور ارادے پر موقوف ہے، اور ان میں

سے علمِ حواسِ خمسہ، قوتِ تلاش و جستجو اور قوتِ غضب (جو مانع کو دفع کرے) پر، اور

حسِ مشترک اور خیال وغیرہ پر موقوف ہے، تاکہ محسوسات کے مجموعہ کو نگاہ رکھے، اس

کے ساتھ ہی غذا کے لئے زبان، دانت، کام و دہن، معدہ، ہضم کیلوس اور ہضم کیلوس

کی ضرورت پڑتی ہے، اور غذائی بیج کی خاطر زراعت و کاشت کی ضرورت ہے، اور

اس کے لئے مٹی، ہوا اور پانی کی ضرورت ہے، پانی کے لئے نہروں اور بارش اور

پہاڑی (پانیوں کے) ذخیروں کی ضرورت ہے، ساتھ ہی موسموں کی تبدیلی بھی ضروری

ہے، تاکہ بیج زمین سے اُگ سکیں، پھر جب کھیتی اُگتی ہے، تو اس کے لئے چاند،

ستاروں کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے، اور چاند، تاروں کے لئے آسمان اور گردش آسمان کی ضرورت ہے، تو اس سے یہی معلوم ہوا کہ تربیتِ جملہ عوالم حقیقت میں تربیتِ انسان ہی ہے، کسی شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا ہے:

ابر و باد و مه و خورشید و فلک در کارند
تا تو نمانی بکف آری و بغفلت نخوری
ایں ہمہ از سر تو سرگشته و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

رَبِّ:

”رَبِّ“ لغتِ عرب میں چند معنوں کے لئے مستعمل ہے، اور یہاں وہ سارے معانی ہی مناسب اور موزوں ہیں۔
یہ ”مالک“ کے معنوں میں لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت جملہ عوالم پر ظاہر ہی ہے۔

”موجد“ یا ”خالق“ کے معنوں میں استعمال ہو تو بھی حمد کے لئے مناسب و موزوں ہے، بلکہ خالقیت اتم محامد کو مستلزم ہے۔
اور ”سید“ یعنی سردار فرقہ کے معنوں میں لیا جائے تب بھی اعلیٰ محامد کا متقاضی ہے۔

اور ”مربی“ (یعنی اُمور کی اصلاح کرنے والا اور ہر چیز کو اعلیٰ مراتب تک پہنچانے والا) کے معنی میں بھی موجبِ حمد ہے۔

تربیت کی دو قسمیں:

تربیت کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کو اپنی منفعت کے لئے پالا

جائے، یہ تربیت مخلوق کے شایاں ہے۔

دوسری تربیت یہ ہے کہ کسی چیز کو اسی کے فائدے کے لئے پرورش کیا جائے، یہ قسم خالق کے شایانِ شان ہے، کیونکہ مرتبہ وہی سب سے زیادہ بلند ہے، جو اپنی مخلوقات سے استکمال پائے، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

”مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ.“

(مشکوٰۃ ص: ۱۹۵ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:.... ”جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے،

اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔“

یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رَبِّ الْعَالَمِينَ اللہ تعالیٰ کی اکمل صفات میں سے ہے، اور جو کچھ دیکھا اور سنا جاتا ہے، سب اس مبارک نام کے انوار میں سے ہے۔

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ:

اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں رحمت ایصالِ خیر اور دفعِ شر کو کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفاتی۔

رحمت کی دو قسمیں:

۱:.... ذاتی، ۲:.... صفاتی۔

رحمتِ ذاتی کی پھر دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

عام یہ ہے کہ وجودِ عنایت فرمایا۔

اور خاص یہ کہ کسی کو تقریبِ الی اللہ بخشا گیا۔

رحمتِ صفاتی کی بھی دو قسمیں ہیں: عام اور خاص۔

ہر اس چیز کی بخشش جو ہر موجود کے لائق ہے، عام ہے۔

اور ایسی چیز بخشنا کہ دوسروں پر اسے فضیلت مل جائے، یہ خاص ہے۔
 بسم اللہ میں رحمت ذاتی کا ذکر ہے اور الحمد للہ میں رحمت صفاتی کا، اس لئے
 یہ تکرار نہ ہوا۔ یا الحمد للہ میں ادائے حمد کے سلسلے میں مکرر لائے یا بسم اللہ میں ابتدائے
 ایجاد کی رحمت کا ذکر ہے، اور الحمد للہ میں انتہائے ایجاد کی رحمت کا، اور وہ نجات ہے۔
 حمد کو دو طریقے سے ضرور جاننا چاہئے۔ پہلا اس طرح کہ اس کی رحمت کا
 تقاضا ہے، دوسرا یہ کہ مقصود عبادت ہے اور عبادت ہی خلق انسان اور تخلیق عالم کا
 مقصود ہے۔

فائدہ: ... بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن و رحیم ایک ہی معنی کے دو لفظ ہیں،
 جیسے ندمان و ندیم، اور دونوں کو صرف تاکید کے لئے جمع کیا گیا ہے، اور بعض کہتے ہیں
 کہ رحمٰن، رحیم سے زیادہ بلغ ہے تین طریق پر:
 ۱: ... رحمت ایجاد کی افراد کی کثرت کے لحاظ سے۔

۲: ... مرحومین کی کثرت کے لحاظ سے، یہ دونوں زیادتیاں کمیت میں ہیں۔
 ۳: ... کیفیت میں زیادتی یہ ہے کہ اسم رحمٰن بڑی بڑی رحمتوں کے ساتھ
 مخصوص ہے اور صرف خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے سوا کسی کو رحمٰن
 کہنا کفر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت کی گونا گوں نعمتیں رحمتِ رحمانی کے آثار
 ہیں، اور دفعِ بلیات رحمتِ رحیمی کا مقتضا ہے۔ پس اگر رحمٰن بلغ ہو تو پہلے اللہ کا ذکر،
 پھر رحمٰن کا ذکر اور پھر رحیم کا ذکر یہ مناسبتِ تنزیلی ہے، یعنی اوپر سے نیچے کی طرف آنا
 اور اس صورت میں رحیم کا لفظ رحمٰن کے ذکر کے بعد جو کمال رحمت پر دلالت کرتا ہے،
 اِرداف و تتمیم کے قبیلہ سے ہے، کیونکہ لفظ رحمٰن نے کلیات کی نعمتوں اور اصول کو لیا،
 اور لفظ رحیم فروع و جزئیات کی نعمتوں پر مشتمل ہے، اور تتمیم کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو

جناب باری سے حقیر حاجات کی طلب میں جیسے: نمک، جوتا وغیرہ ہے، شرم دامن گیر نہ ہو، اور بے محابا سوال کر دے، اور عاجزی کرے، گویا اشارہ فرمایا کہ جو کچھ تمہیں ماں باپ، پیر، اُستاد اور آقا سے پہنچے، اسے مجھ سے جانو اور توقع بھی مجھ سے رکھو، کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

لکل شیء اذا فارقتہ عوض

ولیس اللہ ما ان فارقت من عوض

ترجمہ:.... ”جس چیز سے بھی تم جدا ہوتے ہو، اس کا نعم

البدل موجود ہوتا ہے، البتہ اگر تم خدا سے جدا ہو گئے، تو پھر کوئی عوض نہیں۔“

ایک اعتراض کا جواب:

ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خدشہ گزرے کہ جب اللہ تعالیٰ رحمن و رحیم ہے، تو اس نے قبائح و ہوم کو پیدا ہی کیوں کیا اور ہمیں حاجتیں دی ہی کیوں؟ مگر حقیقتاً یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے، تکلیفیں اس طرح ہیں جیسے باپ اپنی اولاد کی تادیب کرتا ہے، باپ کو کوئی بھی ظالم نہیں کہتا، بلکہ اسے پدر مہربان ہی کہا جاتا ہے، اور تادیب، شفقت ہی کا جزو سمجھی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکالیف بھی اسی طرح ہمارے لئے عین رحمت ہیں، اور وہ ضرب المثل تو آپ نے سنی ہوگی:

”من لم يؤدبه الأبوان يؤدبه الملوان.“

ترجمہ:.... ”جس کو ماں باپ نے ادب نہ سکھایا، اسے

گردش زمانہ سکھائے گا۔“

گردش زمانہ کی تادیب سے تو ماں باپ کی تادیب ہی بہتر ہے، اگر قبائح نہ

ہوتیں تو حسنِ اشیاء کس طرح نظر آتا؟ فقر نہ ہو تو دولت مندی کیسے ظاہر ہوتی؟ رات نہ ہوتی تو دن کہاں ہوتا؟ وبضدھا تتبیین الاشیاء، ذوق نے کیا خوب کہا ہے:

گل ہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق! اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ:

انصاف کے تقاضے کی بنا پر روزِ جزاء، نیک و بد اور مطیع و عاصی کے درمیان فرق کی بنا پر ہے، اگر دُنیا ہی میں نیک لوگوں کو نعمت، دولت اور عافیت دے دیتے، اور بُروں کو ناداری، بیماری اور مصیبت میں گرفتار رکھتے، تو لوگ بالطبع حصولِ دولت کی خاطر نیکی کی راہ لے لیتے، اور ایمان کے سبب کا کوئی سلسلہ ہی نہ رہتا، اور اس طرح اَمَرِ تکلیف درہم برہم ہو جاتا، اور بے اختیار لوگوں سے نیکیوں کا (دولت کی طمع میں) ظہور ہوتا، یہی وجہ ہے کہ روزِ عمل اور روزِ جزا کو اللہ تعالیٰ نے جدا جدا فرمادیا، تاکہ ہم پر تکلیف و معاملہ کی حقیقت واضح ہو جائے۔

”مَلِکِ“ اور ”مَلِکِ“ دونوں طرح متواتر قراءتوں میں آیا ہے، اور دونوں کی ترجیح کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں۔

بعض لوگ ”مَلِکِ“ کی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں، اس واسطے کہ مالکیت انسان و غیر انسان سب پر مشتمل ہو سکتی ہے، اور ”مَلِکِ“ (بمعنی بادشاہ) صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور بعض ”مَلِکِ“ کو ترجیح دیتے ہیں، اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہر بادشاہ مالک ہوتا ہے، اور ہر مالک بادشاہ نہیں ہوتا، اس لئے ”مَلِکِ“، ”مَلِکِ“ سے زیادہ عام ہوا۔

یوم کا لفظ طلوع آفتاب سے لے کر غروب تک ہوتا ہے، اور کبھی یہ مطلق وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، خواہ دن ہو یا رات ہو، مہینہ ہو یا سال۔ اور شریعت میں یوم، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہوتا ہے، اور یہاں یوم مطلق وقت کے معنی میں مستعمل ہے، دوسری بار صور پھونکنے کے بعد سے بہشت و دوزخ کے داخلے کے وقت تک جو زمانہ ہے، وہ سب یوم الدین ہے۔

”دین“ کے معنی جزا کے ہیں، اور جزا صرف انعام کو کہتے ہیں، گو دنیا میں جزا انعام و انتقام دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، مگر آخرت کی جزا صرف انعام ہے، چونکہ اس دن اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا ظہور ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے تفضل و احسان کا یہ عالم ہے کہ ایک کلمہ اور ایک ہی عمل پر ابدی و غیر متناہی ثواب عطا ہوگا، اس لئے اس دن کی جزا محض انعام ہی انعام ہے، اور فی نفسہ بھی جزا ایک نعمت ہے، کیونکہ اس سے تاریکیوں کے پردے چھٹتے ہیں، اور ظاہر و باطن کی اصلاح ہوتی ہے، اور اس مالکیت یوم جزا کی بنا پر استحقاق حمد ظاہر و باہر ہے۔

فائدہ: ... اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے پانچ ناموں کا ذکر ہے: اللہ، رَبِّ، رَحْمٰن، رَحِیْم، مالک یوم الدین (جو دینان کے مترادف ہے)، اور حمد و ثنا کے بعد خواہش مطالب کے اندر پورا پورا ربط ہے، کیونکہ پہلے حمد کمال ذاتی کی بنا پر ہے، جو لفظ اللہ کا مفاد ہے، پھر حمد وجود کے عطا کرنے اور وجود کے توابع اور لوازم کے عطا کرنے پر ہے، جو اسم رَبِّ کا مفاد ہے، پھر اسباب معاش کے عطیہ اور دنیاوی زندگی دینے کی بنا پر حمد ہے، جو لفظ رَحْمٰن سے مترشح ہے، پھر اصطلاح آخرت پر حمد ہے، جو لفظ رَحِیْم کا مدلول ہے، اس کے بعد نعمتوں وغیرہ کے عطیہ پر حمد ہے، جو مالک یوم الدین کا مفاد ہے۔

ایاک نعبد:

مفعول کو فعل پر مقدم کرنے سے اہل عرب کے ہاں اختصاص کا فائدہ ہوتا ہے، ترجمہ یوں ہوگا کہ: ”ہم صرف آپ کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے“ لیکن اگر ”ایاک نعبد“ کی بجائے ”نعبدک“ کا لفظ ہوتا تو یہ اختصاص ثابت نہ ہوتا۔

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی انتہائی تعظیم کی بنا پر اس کے سامنے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے انتہائی تذلل کے ساتھ پیش کیا جائے، اسی واسطے عبادت مالک حقیقی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تذلل انتہائی نہ ہو یا اختیاری نہ ہو یا مزاج کے طور پر کیا جائے تو ایسے تذلل کو عبادت شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور بدیہی طور پر حقیقی تذلل وہی کر سکتا ہے، جس پر انتہائی انعام کیا گیا ہو، اور انتہائی انعام سوائے ذاتِ خداوندی کے اور کون کر سکتا ہے؟

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندے کے تین حال ہیں: ماضی، حال اور مستقبل۔ ماضی میں اسے نیست سے ہست فرمایا، پھر مردہ نطفہ کو زندگی عطا فرمائی، جاہل تھا، اسے تعلیم سے نوازا، علم کے اسباب: حواس و عقل عطا فرمائے، جیسا کہ ارشاد ہے:

”وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنٍ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ.“ (النحل: ۷۸)

ترجمہ:.... ”تمہیں ماؤں کے پیٹ سے نکالا ایسی حالت

میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، پھر تمہارے لئے کان، آنکھیں

اور دل بنائے۔“

اور حال کی ضرورتیں تو حد سے زیادہ ہیں، اول عمر سے آخر عمر تک کی حاجات و ضروریات کو پورا کرنے کا احسان شمار نہیں ہو سکتا، اور مستقبل جو ابتدائے موت سے وصولِ جنت تک ہے، اس میں بھی حفاظتِ عذاب صرف فضلِ خداوندی پر موقوف ہے، لہذا بندہ کے لئے کسی حالت میں بھی سوائے ذاتِ خداوندی کے کہیں بھی پناہ نہیں، اور ذاتِ خداوندی کے سوا جو بھی ہے وہ خود محتاج و فقیر ہے، اور ہر محتاج اپنی حاجت میں گرفتار ہوتا ہے، وہ دوسرے کو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ اور غنی مطلق صرف ذاتِ خداوندی ہے، اس لئے وہی مستحقِ عبادت ہے، اسی وجہ سے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

”وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ.“

(بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ:.... ”تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا

کسی کی بھی عبادت نہ کی جائے۔“

بعض ملحد یہ کہا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، تو اسے عبادت کی بھی پروا نہیں، پھر ہم کیوں عبادت کی مشقت و محنت میں مبتلا ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ذات و صفاتِ الہی کے کمال کا تقاضا یہ ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں، وہ اس کے سامنے تذلل کرے اور انتہائی تعظیم بجالائے، کیونکہ حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر چیز کو اپنے محل میں رکھا جائے، اور کمالاتِ خداوندی کا محل یہ ہے کہ ان کی انتہائی تعظیم بجالائی جائے، اور نقصاناتِ انسانی کا محل یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے، جو نقصانات سے منزہ ہے، انتہائی تذلل سے پیش آئے، اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو خلافِ حکمت ہوگا۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انعام چونکہ انسان پر اپنی انتہا کو پہنچا

ہوا ہے، چنانچہ اشارۃً رَبِّ العالمین کی تفسیر میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ تو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کام میں لائے، چونکہ عقل، پہچان اور معرفت کے لئے ہے، اور اعضاء و جوارح اس لئے ہیں کہ انہیں ہیئتِ عبادت کے ساتھ مکلف کیا جائے، اور عبادت معرفت کی نگہبان ہے، اگر عبادت نہ ہوگی تو معرفت کا تخم محفوظ نہیں رہے گا، معرفت، آدمی کا سرمایہ محفوظ ہے، اور عبادت اس کا ثمرہ۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ معرفت و عبادت میں قانونِ شریعت کی کیا ضرورت ہے؟ عقل کافی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو صرف عقل ہی نہیں ملی، بلکہ وہم و خیال بھی اس کے ساتھ ساتھ ملے ہیں، اگر قانونِ شریعت کی تائید شامل حال نہ ہو تو عقل اکثر معرفت و عبادت کے متعلقہ امور کے ادراک سے عاجز آجائے گی، گویا عقل بمنزلہ بصارت کے ہے، اور قانونِ شریعت بمنزلہ شعاعِ آفتاب کے۔ آنکھ اُسی وقت چیزوں کو دیکھے گی جب روشنی موجود ہوگی، ورنہ روشنی نہ ہو تو آنکھ رکھتے ہوئے بھی آدمی کچھ نہ دیکھ سکے گا۔

عبادت کی اغراض:

اور یہ بھی سمجھیں کہ عبادت کی اغراض تین ہو سکتی ہیں:

۱:۔۔۔ ثواب کی رغبت کی خاطر کوئی عبادت کرے گا۔

۲:۔۔۔ یا عذاب اور عتاب سے بچنے کی خاطر۔

۳:۔۔۔ یا مشاہدۂ حق کی خاطر، کیونکہ الہیت عزت و ہیبت کا سبب ہے، اور

عبودیت عاجزی کا۔

پس یہ آخری درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، مگر یہ تینوں درجے سوائے روزِ جزا کے پورے نہیں ہو سکتے، اسی وجہ سے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کو ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ کے بعد لایا گیا۔

پھر ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ جمع کا صیغہ استعمال کرنے کی تعلیم دی گئی، ”إِيَّاكَ اَعْبُدُ“ واحد کا صیغہ نہیں لایا گیا، اس میں ایک تو یہ نکتہ ملحوظ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ: ”میں تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں“ زیادہ اچھا ہے، بہ نسبت اس کے کہ: ”میں تیرا بندہ ہوں“، اور اگر یوں خیال کیا جائے کہ اپنی ناقص عبادت کو میں کاملین کی عبادت کے ساتھ ملا کر پیش کرتا ہوں، تاکہ ان کاملین کی عبادت کے ساتھ میری ناقص عبادت بھی مقبول ہو جائے کہ: ”بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم“ تو اور بھی اچھا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

مے پذیر ندیداں را بہ طفیلِ نیکاں
رشتہ واپس ندہد ہر کہ گہر میگیرد

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ:

استعانت کے معنی ہیں مدد چاہنا، اور ہر کام میں چار قسم کی مدد ہوتی ہے:
۱۔... ایک یہ کہ کام پر قدرت عطا فرمائے، جیسے: عقل دے، شعور دے اور صحیح
وسالم اعضاء عنایت فرمائے۔

۲۔... دوسری یہ کہ کام کو آسان فرمائے، اور فراغِ خاطر کے ساتھ ساتھ
رکاؤٹوں کو بھی دور فرمائے۔

۳۔... تیسری یہ کہ جیسے کام کا داعیہ اور حسن کارکردگی عطا فرمایا، ویسے ہی کام
کو بھی نزدیک فرمائے۔

۴۔... چوتھی یہ کہ جیسے اس نے انبیاء و اولیاء میں سے رہبر بنائے تو ہمیں بھی
انہیں کی راہ پر چلنے کی توفیق دے، اور ایسے کاموں کو ہمارے لئے مرغوبِ خاطر بنائے
جو اُن لوگوں کے تھے، اور یہاں بھی ”نَسْتَعِينُ“ پر ”إِيَّاكَ“ حصر کی خاطر ہی مقدم

لایا گیا، یعنی ہم غیر سے ہرگز استعانت نہیں کرتے، اور یہ استعانت یا تو عبادت کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کا قرب اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی آپ کی عبادت میں آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں، آپ ہم پر موانع، عوارض اور قوادح کو دُور کر کے اور باعثات کو پیدا کر کے عبادت آسان فرمائیں۔

دُنیا، مخلوق، شیطان اور نفس یہ سب موانع ہیں، مصائب و آلام اور غم و فکر یہ عوارض ہیں، ریا، شہرت اور خود بینی یہ قوادح ہیں، خوف، رجا اور اشتیاقِ مشاہدہ حق، یہ بواعث ہیں، اور یہ سب باتیں سوائے اعانتِ الہی کے ممکن نہیں۔

رفعِ شبہ

یہاں ایک شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر عبادت مقدر میں ہے، تو اعانت بھی خود بخود ہو جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عادت اللہ یہ ہے کہ اعانت انہیں کی، کی جاتی ہے جو استعانت کریں، اور سببِ عادی کو بے سود نہیں کہا جاسکتا، اور اگر استعانت کو عبادت کے ساتھ مخصوص شمار نہ کیا جائے، بلکہ دین و دُنیا کے سب اُمور میں اسے عام سمجھا جائے، تو پھر وجہِ اختصاص یہ ہے کہ اعانت حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ کوئی دوسرا بھی اعانت کرے تو اس کے دل میں بھی اعانت کا داعیہ پیدا کرنے والا خداوند تعالیٰ ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا ایسی قدرت نہیں رکھتا کہ کسی کے دل میں یہ داعیہ پیدا کر دے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ کو کام کرنے یا نہ کرنے میں اختیار حاصل ہے، جس جانب کو چاہے ترجیح دے، مگر یہ ترجیح دینا اسے از خود میسر نہیں، کیونکہ اگر مرجع بندہ ہی کی طرف سے ہو تو اس مرجع میں بھی بات کی جائے گی، تا آنکہ تسلسل لازم آئے گا، اور وہ محال ہے، اس لئے لازم ہوا کہ مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو،

بنابریں استعانت بھی حقیقی طور پر اسی سے ہو سکتی ہے، کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی۔

مشرکین جو غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں، اس کی کئی قسمیں ہیں:

بعض لوگ غیبی ارواح کو اپنا مربی شمار کرتے ہیں۔

بعض ارواحِ فلکیہ میں سے ہر اقلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ مدبر جانتے ہیں۔

بعض عالمِ برزخ کے انواع میں سے ہر نوع کے لئے علیحدہ مدبر خیال

کرتے ہیں، پھر بیماریوں کے دفع کی خاطر یا بدن میں حرارت و برودت کی کیفیات

پیدا کرنے کی خاطر ان سے استعانت کرتے ہیں، اور چونکہ وہ ارواحِ نظر کے سامنے

نہیں ہوتیں، اس لئے ان کے خیالی بت بنا کر ان کے سامنے نیاز و زاری کرتے ہیں،

بعض لوگ اپنی قوم کے کامل لوگوں اور ان کے بتوں کی پرستش کرتے ہیں، بعض اجسام

بسیطہ کی عبادت کرتے ہیں، جیسے مجوسی آگ کو پوجتے ہیں، بعض لوگ ایسی چیزوں کو

پوجتے ہیں جن پر تبدیلِ فصول یا تبدیلیِ روز و شب موقوف ہے، جیسے آفتاب و ماہتاب۔

بعض لوگ اجسامِ معدنیہ کی پوجا کرتے ہیں، جیسے پہاڑ، سونا، چاندی۔

بعض درختوں اور پودوں کی پوجا کرتے ہیں، جیسے پپل کا درخت یا تلسی

وغیرہ، اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کی ارواح کو اسمائے الہی سے مناسبت

ہے، اس لئے یہ قابلِ عبادت ہیں۔

مسلمان آدمی ان دو باتوں یعنی ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ سے ان

سب کی تردید کرتا ہے، اور ملتِ صنیعی کی ساری حقیقت جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام

لائے، انہیں دو کلمات کی تفصیل و تشریح ہے۔ عبادت (یعنی انتہائی تعظیم کی خاطر انتہائی

تذلل اختیار کرنا) عناصر و فلکیات اور ارواحِ غیبیہ کسی کے لئے جائز نہیں، کیونکہ غایت

تعظیم کے اسباب ان میں نہیں ہیں، اسی واسطے غایتِ تذلل بھی غیر خدا کے لئے بے

موقع و بے جا ہے، اور مالک الملک کے حق کو ضائع کرنا ہے۔

عبادت کی دو قسمیں:

عبادت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اعتقادی۔ ۲۔ عملی۔

کسی کو متصرف امور، حیات و موت دینے والا، رِزق دینے والا، عالم الغیب والشہادۃ، نفع دینے والا، نقصان دینے والا اور اسی طرح کی دوسری صفات والا مانے تو اس کو عبادت اعتقادی کہتے ہیں۔ اور اس اعتقاد سے ہر قول و فعل (جو موجب تعظیم) پیدا ہوا، اسے عبادت عملی کہتے ہیں، یہ دونوں عبادتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

مشرکانہ و غیر مشرکانہ تعظیم میں فرق:

اگر غیر اللہ کے ساتھ اس طرح کا اعتقاد رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو صفتیں مخصوص ہیں، ان میں سے کسی صفت کو کسی دوسرے کے لئے ثابت کریں، اس کو شرک فی الاعتقاد کہتے ہیں۔ اور ایسے اعتقاد سے جو قول و فعل مشعر تعظیم پیدا ہو، اس کو شرک فی الاعمال کہتے ہیں۔

اور جو تعظیم کہ اس اعتقاد کے بغیر ہو، وہ محض تعظیم ہے، جیسے ماں باپ کی تعظیم، اُستاد اور مرشد کی تعظیم، بادشاہ کی تعظیم، یہ سب شرک نہیں۔ ہاں! کچھ تعظیمی افعال جو اگرچہ شرک نہیں، مگر شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں قطعاً منع ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانا یا بغیر اعتقاد مذکور کے بتوں کی تعظیم یا ذی رُوح چیز کی تصویر بنانا یا غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا وغیرہ۔ اس تقریر سے مشرکانہ تعظیم اور غیر مشرکانہ تعظیم کا فرق واضح ہو گیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عبادت صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

استعانتِ جائز و ممنوع:

استعانت یا تو اس چیز کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کے استقلال کا وہم
مشرکین و موحدین میں سے کسی کے دماغ میں نہیں گزرتا، جیسے آب و دانہ سے بھوک
اور پیاس میں، طبیب و ادویہ سے دفعِ مرض میں، اُمرا و ملوک سے وجہِ معاش کے تعین
میں، سایہ درخت سے راحت کی خاطر، اُستاذ سے طلبِ علم میں، مرشد سے اصلاح
کے سلسلے میں، نجاروں اور مزدوروں سے کاروبار وغیرہ میں استعانت و مدد حاصل کرنا،
کیونکہ حقیقتاً یہ استعانتیں نہیں بلکہ معاوضات ہیں، کیونکہ استعانت بالامیر حقیقتاً
معاوضہ خدمت بمال ہے، اور معالجوں سے استعانت صرف زائد تجربے کی بنا پر طلبِ
مشورہ ہے، اور مرشد و اُستاذ سے استعانت صرف فیضِ صحبت اور حصولِ علم وغیرہ کے
لئے ہے، ان میں استقلال کا واہمہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لئے ان میں استعانت
بلا کراہت جائز ہے، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى

الْإِثْمِ وَالْعُدْوَنِ.“ (المائدہ: ۲)

ترجمہ:.... ”نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک

دوسرے کی معاونت کرو، اور گناہ اور بُرائی کے کاموں میں

معاونت نہ کرو۔“

یا پھر استعانت ایسی چیزوں کے ساتھ ہوتی ہے، جن کے استقلال کا وہم
مدارکِ مشرکین میں جاگزیں ہے، جیسے استعانت بارواح یا استعانت بروحانیاتِ فلکیہ یا
استعانت بروحانیاتِ عنصریہ یا استعانت بارواحِ سائرہ جیسے بھونی، شیخِ سدو وغیرہ اور
دفعِ بلا و مصیبت میں یا کارِ خیر میں غائبانہ بلاوے کے ساتھ اُن سے استعانت یا انہیں

حاضر ناظر جاننا، یہ سب باتیں عین شرک اور ملتِ اسلامیہ کے عقائد کے منافی ہیں۔

عبادت و استعانت کن وجوہ پر ہے؟

نیز معلوم ہونا چاہئے کہ عبادت و استعانت کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، مثلاً:

۱... کسی کے کمالِ ذاتی کی وجہ سے عبادت و استعانت کی جائے۔

۲... یا اس واسطے استعانت و عبادت کی جائے کہ اس کی رُبوبیت محیطِ کل

ہے اور اعانتِ حقِ رُبوبیت ہے۔

۳... یا کسی سابقہ نعمت کی بنا پر عبادت و استعانت ہو۔

۴... یا اس واسطے عبادت و استعانت ہو کہ تلفِ نعمت یا نقصان پہنچنے کا

احتمال ہے۔

ایسی قسمیں وصفِ عمومی کے لحاظ سے اور ایجاد و اقدار کی حیثیت سے صرف ذاتِ خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں، بنا بریں عبادتِ غیر اللہ ممنوع، حرام اور کفر ہے، کیونکہ یہ سب ربِّ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور استعانتِ مختصہ بحق تعالیٰ یہ ہے کہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے ہیں، اور ہم صرف اسی سے استعانت کرتے ہیں، کیونکہ ہر طرح کی اعانت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

نکتہ: ... اس بات کو، کہ ہم ربِّ کی عبادت کرتے ہیں، اور اسی سے استعانت کرتے ہیں، عربی زبان میں کئی طرح ادا کیا جاسکتا ہے، مثلاً:

۱... ایاک نعبد ونستعین۔

۲... لک نعبد ونستعین۔

۳... لک نعبد وبک نستعین۔

۴... لا نعبد الا ایاک، ولا نستعین الا ایاک۔

پہلی عبارت میں یہ نقص تھا کہ مکرر نہ آنے کی وجہ سے اس جملہ کو علیحدہ جملہ شمار کر کے مطلب یوں کیا جاتا کہ حصر صرف عبادت میں شمار کیا جاتا، استعانت میں شمار نہ کیا جاتا۔

دوسری عبارت میں نقص یہ تھا کہ لام نفع کا بھی شمار ہو سکتا ہے، حالانکہ عبادت اور اعانت میں خدا تعالیٰ کا قطعاً کوئی نفع وابستہ نہیں۔

تیسری عبارت میں یہ نقص تھا کہ ”بک نستعین“ سے وہم ہو سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ خود محبوب و مقصود نہیں، بلکہ صرف بندہ اور محبوب میں آلہ ہے۔ چوتھی عبارت میں اگرچہ اور کوئی نقص نہیں مگر یہ منفی عبارت ہے، مثبت نہیں، اور موجودہ عبارت اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مقام مناجات میں منفیات کی طرف التفات کم ہونا چاہئے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ:

ہدایت کے کئی مراتب ہیں، مثلاً: ہدایت کے معنی: مطلوب کی طرف راہ دکھانا ہے، یا تو الہامی طور پر، جیسے بچے کو ماں کا پستان چوسنے کا القا کیا جاتا ہے، یا بچہ اپنی شکایت کا رو کر اظہار کرتا ہے، یا ظاہری و باطنی حواس کے ساتھ یا عقل کی راہ نمائی کے ساتھ یا دلائل عقلیہ کے ساتھ یا رسولوں کے بھیجنے کے ساتھ، پہلی ہدایت الہام ہے، پھر ہدایت حواس ہے تاکہ نیک و بد کو سمجھے، پھر جہاں حواس ظاہری و باطنی نہیں پہنچ سکتے وہاں عقل عطا فرمائی گئی، تاکہ حواس سے جانی ہوئی چیزوں سے کلیہ قاعدہ سے اخذ کر سکے، اگر عقل کو پتا نہ چلے تو حواس و عقل کی مدد سے دریافت کرنے کے لئے دلائل نظریہ عطا فرمائے، اور جو چیز عقل اور دلائل نظریہ کے ساتھ بھی مدرک نہ ہو یا وہم و خیال کے ادراک میں معارضہ کرے، تو ہدایت کی خاطر رسول بھیجے۔

انزال کتاب کی دو قسمیں:

انزال کتاب دو قسم ہے: عام اور خاص۔

عام یہ کہ خیر و شر کی راہ کو واضح کیا، پھر یہ بھی دو قسم ہے: بتیانی اور توفیقی۔
 بتیانی یہ ہے کہ جو کچھ رسول لائے، ان کی اس حد تک تشریح ہو کہ اس کی فہم
 مراد میں کچھ شک و شبہ نہ رہے، اس کو عرف فقہاء میں ابتلا کہتے ہیں۔

اور توفیقی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت سے کسی شخص کے حق میں
 ہدایت کے اسباب فراہم ہو جائیں اور اس پر تمسک کی راہ آسان فرما دیں، تاکہ وہ
 سعادتِ ابدیہ اور برگزیدگی کے مقام پر پہنچ جائے، توفیق کی انتہا دُنیا میں دریافتِ حق
 اور آخرت میں بہشت ہے۔

انزال کتاب خاص: یہ ہے کہ عالم نبوت یا عالم ولایت کا نور کسی شخص کی قوتِ
 مدرکہ پر چمکے اور اسے حقائقِ اشیاء کا پورے کا پورا علم حاصل ہو، پھر اس کے بھی تین
 درجے ہیں۔

ہدایت کے تین درجے:

۱:.... ہدایت من اللہ: جیسے قرآن پاک میں آیا ہے: ”قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ
 الْهُدٰى“۔ (البقرہ: ۱۲۰)

۲:.... ہدایت الی اللہ: جیسے قرآن میں آیا ہے: ”اِنِّیْ ذٰہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ
 سَیْہِدٰیْنِ“۔ (الصافات: ۹۹)

۳:.... ہدایت باللہ: جیسے حدیث شریف میں آیا ہے: ”لولا اللہ ما اہتدینا“۔
 ایک بات اور بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ہدایت کے معنی صرف راستے کا نشان
 بتلا دینا ہو تو اسے متعدی بالی لاتے ہیں، اور اگر اس کے معنی وصولِ راہ ہو تو اسے

متعدی بلام لاتے ہیں، اور اگر غیر سے منقطع کر کے مقصد تک پہنچانا مقصود ہو تو اسے بغیر کسی حرف کے متعدی کرتے ہیں، لہذا لفظ ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں بندے کو انتہائی عاجزی کے اظہار کا حکم ہے کہ راستے کے نشان دینے یا راستے پر پہنچانے کی طلب پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت دلیلِ راہ اور رفیقِ مسافت نہ ہو مقصود حاصل نہ ہوگا۔

اور ”اِهْدِنَا“ میں صیغہ جمع لانے کی وجہ بھی وہی ہے جو ”نَعْبُدُ“ میں بیان ہو چکی ہے، خصوصاً یہ مقام دُعا ہے اور دُعا سب مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اس کی قبولیت کی زیادہ اُمید ہے، اور پھر جب حمد سب حمد کرنے والوں پر مشتمل ہے، اور عبادت و استعانت میں بھی سب شامل ہیں تو ضروری طور پر ہدایت میں بھی سب کا ذکر زیادہ مناسب ہے۔

طریقِ مستقیم کی تشریح:

فائدہ: ...سلوک کی راہ میں طریقِ مستقیم اعتدال کا راستہ ہے، جو افراط و تفریط کے درمیان ہوتا ہے، افراط و تفریط دونوں بُرے ہیں، اس کی تھوڑی سی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

آدمی میں تین قوتیں:

آدمی میں تین قوتیں ہیں، اور انہیں تین قوتوں کے اعتدال کا نام صراطِ مستقیم ہے۔

۱.... قوتِ لُطْفِیہ: اسی کو عقلیہ بھی کہتے ہیں، اور اس کا کام حقیقت کو دریافت کرنا ہے۔ پھر حقائق یا ذات و صفات باری تعالیٰ کے ہوں گے یا دُنیا و آخرت میں اس کے آثار افعال کے، ارواح، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کے ہوں گے،

یا معاملاتِ قبر، دوزخ، بہشت، حساب و میزان وغیرہ کے، یا دوسرے اجسام و اغراض کے ہوں گے۔

تفکرِ علمِ الہی میں افراط و تفریط:

الف، ب:.... ذات و صفاتِ باری تعالیٰ یا اس کے جو افعال و آثار دُنیا و آخرت میں ہیں اس کا نام علمِ الہی ہے، اس میں افراط و تفریط یوں ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں تفکر شروع کرے اور اسرار کے دریافت کرنے کے درپے ہو، یا اللہ تعالیٰ کی صفات کی مطلقاً نفی کر دے (تزیہ کی خاطر)، یا اُن صفات کا ایسے طریقے پر اثبات کرے کہ خالق کو مخلوق کا ہم رنگ بنادے، یا اُن صفات کا جو شریعت میں ثابت ہیں، تاویلِ باطل سے ان کا انکار کرے، جیسے سمع، بصر، رؤیت، غضب اور کلام وغیرہ کا انکار کرے، یا اللہ تعالیٰ کے افعال کو معلق باغراض خیال کرے، یا اپنی عقل کے مطابق خدا تعالیٰ کے لئے کئی چیزیں اصلح والطف شمار کر کے ضروری سمجھے، یا انسان کے افعال کی انسان کی طرف ہی نسبت کرے، اور ان افعال میں اللہ تعالیٰ کی تاثیر کا منکر ہو، یا انسان کو بالکل پتھر کی طرح بے دخل سمجھے، اور ”جبریہ“ بن جائے، یا ہچوں قسم کے عقائدِ باطلہ رکھے۔

علمِ نبوت میں افراط و تفریط:

ج:.... ارواح، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کے حقائق کا نام علمِ نبوت ہے، اس میں افراط و تفریط یہ ہے کہ: ان مراتب و مناصب کی اصطلاح کا انکار کرے، یا انبیاء علیہم السلام کی عصمت و محفوظیت از خطا کا منکر ہو، اور اپنی طرح انہیں دُنیوی اغراض میں لتھڑا ہوا اور حاجاتِ نفسانیہ سے مغلوب شمار کرے، یا اولیاء وائمہ کے بتوں کو انبیاء کے مراتب تک پہنچائے، یا انبیاء و مرسلین کے لئے لوازم

الوہیت ثابت کرے، جیسے ان کے لئے عالم الغیب ہونا مانے، یا ہر جگہ ہر آدمی کی فریاد، ہر وقت سن سکنا مانے، یا جمیع مقدورات پر ان کی قدرت ثابت کرے، یا ملائکہ اور ارواح انبیاء و اولیاء کی تصویریں، قبریں یا تعزیئے بنا کر پوجے، یا ان سے رزق و اولاد وغیرہ کی بالاستقلال درخواست کرے، اور ان کی سفارش کو بارگاہِ خداوندی میں واجب القبول سمجھے۔

علم معاد و سمعیات میں افراط و تفریط:

و:.... معاملاتِ قبر، دوزخ، بہشت، حساب اور میزان کو علم معاد و سمعیات کہتے ہیں، ان میں افراط و تفریط یہ ہے کہ: ایمان کو اپنی نجات کے لئے اتنا موثر مانے کہ گناہوں کے ارتکاب پر کچھ بھی خطرہ محسوس نہ کرے، یا ایمان کو اتنا ساقط الاعتبار سمجھے کہ ہر گناہ سے اس کے مٹ جانے کا اعتقاد رکھے، یا اللہ تعالیٰ کو مقامِ مکافات میں ایسا بے اختیار سمجھے کہ وہ صرف بندے کے اعمال کا ہی تابع ہوگا، اور معافی کا اسے اختیار ہی نہیں ہوگا، یا بہشت و دوزخ کے معاملات کو دُنیا کے فانی کے انقلابات کی طرح فانی شمار کرے۔

علم الجواہر والاعراض میں افراط و تفریط:

ہ:.... اجسام و اعراض کے حقائق کو علم الجواہر والاعراض کہتے ہیں، اور علمِ طبعی و ریاضی بھی نام رکھتے ہیں، ان میں افراط و تفریط یہ ہے کہ: علوم کی شرح و بسط میں اس قدر تعمق کرے کہ ہیئت و ہندسے سے گزر کر طلسمات تک پہنچ جائے، اور لایعنی خواص و تاثیرات کے حصول میں مصروف ہو، یا جس قدر ان علوم کی دین و دُنیا میں ضرورت ہے، ان کی بھی تحصیل نہ کرے۔

قوتِ شہویہ میں افراط، تفریط اور اعتدال:

۲:.... قوتِ شہویہ: جو جذبِ منافع اور خواہشِ مرغوب کا وسیلہ ہے، اس میں افراط کا نام فجور، اور تفریط کا نام جمود ہے۔

فجور: یہ ہے کہ آدمی لذتوں اور مرغوباتِ منہیہ میں پڑ جائے۔

جمود: یہ ہے کہ آدمی نکاح اور طعام غیر مشتبہ سے پرہیز کرے، اس میں اعتدال عفت کہلاتا ہے، یعنی خواہش کو عقل و شرع کے تابع بنالیا جائے، تاکہ عبادت میں اخلاص پیدا ہو۔ عفت سے بہت سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: حیا، صبر، قناعت، پرہیزگاری، جواں مردی، سخاوت اور سخاوت کے توابع ایثار، کرم، عفو، مروت اور معاملات میں حسن معاملات وغیرہ۔

قوتِ غضبیہ میں افراط، تفریط اور اعتدال:

۳:.... قوتِ غضبیہ: جو پُر خطر کاموں میں مبدأ اقدام ہوتی ہے، اس کا تقاضا تسلط، ترفع اور غیر کی مضرت کو دفع کرنا ہوتا ہے، اس میں افراط کا نام تہور (بے جا جرأت) اور تفریط کا نام جبن (بزدلی) ہے، اس میں اعتدال کا نام شجاعت ہے۔ پھر شجاعت سے بہت سے اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں، مثلاً: علوِ ہمت، استقلال، حلم اور تحمل وغیرہ۔

حکمت و عدالت:

قوتِ نطقیہ کے اعتدال کا نام حکمت ہے، اس سے صفاءِ ذہن اور حسنِ تحفظ حاصل ہوتے ہیں، اور اس کی تفریط کا نام بلامت (کند ذہنی) ہے، اور افراط کو خربہ کہتے ہیں۔

تینوں قوتوں (نطقیہ، شہویہ، غضبیہ) میں اعتدال کا نام عدالت ہے، اور عدالت کے توابع میں دوستی، وفا، مکافات، معبودِ مطلق و ملائکہ اور پیغمبران و اہلِ امر کے حقوق کی ادائیگی، اور شرع شریف کے اوامر و نواہی کی تابع داری، اور یہی کمالِ تقویٰ ہے۔

فائدہ: ... قوتِ نطقیہ انسان کی ذاتی چیز ہے، جو اس کی رُوح کو بدن کے تعلق سے بھی پہلے حاصل تھی، اور قوتِ غضبیہ و شہویہ رُوح و بدن کے تعلق کے بعد اسے ملی ہیں۔

کمالِ توسط: قوتِ نطقیہ و غضبیہ و شہویہ کا بیان:

لہذا قوتِ نطقیہ میں کمالِ توسط یہ ہے کہ اسے اس حد تک استعمال کرے جس سے زیادہ کا استعمال ممکن نہ ہو، اور قوتِ غضبیہ و شہویہ میں کمالِ توسط یہ ہے کہ انہیں اس حد تک استعمال کرے کہ اس سے کم تر ممکن نہ ہو، اور یہی وجہ ہے کہ طریقِ توسط کا پہچانا انبیاء علیہم السلام کی اقتدا اور صدیقین و صالحین کی رفاقت کے بغیر دشوار ہے، اور قدرِ مشترک یہ ہے کہ دل سے ماسوا اللہ سے اعراض کرنے والا ہو، اور ذکر کے ساتھ پورے طور پر خالق کی طرف متوجہ ہو حتیٰ کہ اگر اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا فرمان پہنچے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچا تھا، تو خوشی سے قبول کرے، اور چونکہ بندہ مشیروں، ہادیوں، بچوں، ماں باپ، مہربانوں، دشمنوں اور اپنے نفس کی کشمکش میں مبتلا ہے اور عقل کمزور اور عمر کوتاہ رکھتا ہے، اس لئے ہمیشہ ”اِهْدِنَا“ کہہ کر ہدایت کا سائل و طالب ہوتا ہے، اور ہدایت کے مراتب بھی چونکہ بہت ہیں، اس لئے ایک مرتبے سے دوسرے مرتبے تک بڑھتا رہتا ہے، اس لئے مؤمن اگر طلبِ ہدایت ہمیشہ کرتا رہتا ہے تو یہ تحصیلِ حاصل نہیں، پھر اس ہدایت کی زیادتی دو طریق پر ہے:

پہلی: علم کے دوام سے یعنی اوقاتِ ہدایت متواتر ہوں اور ان میں وقفے نہ ہوں یا کم ہوں۔

دوسری: اس طرح کہ دلیلیں بڑھتی رہیں، کیونکہ جو علم ایک دلیل سے حاصل ہوا ہے، اس علم کے برابر نہیں ہو سکتا جو چند دلائل سے حاصل ہوا ہو، اسی لئے آدمی کا علم ہر وقت ترقی کے لئے تیار ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

در بند آں مباحث کہ مصموں نہ ماندہ است

صد سال می توای سخن از زلف یار گفت

لہذا طلبِ علم و ہدایت سے کسی وقت نہ رُکے اور ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ کو یاد رکھے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ!

دُعا منافیِ رضا بر قضا نہیں:

یہ بھی یاد رہے کہ دُعا رضا بہ قضائے الہی کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ رضائے الہی اسی میں ہو کہ بندہ انتہائی عاجزی و مسکنت کا اظہار کرے، اور اس کے بعد عطائے الہی کا ورود ہو، مشہور شعر ہے:

تا نگرید طفل کے شد لبن

تا نگرید ابر کے خند چمن

اس میں سب سے بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے نفس منکسر ہوتا ہے،

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم!

ہدایت کو استعانت پر اس لئے متفرع فرمایا گیا ہے، کہ ہدایت بھی استعانت کی ایک قسم ہے۔

صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ:

حق یہ ہے کہ منعم حقیقی سوائے خدا کے اور کوئی نہیں، کیونکہ اصل دینا یہ ہے کہ جب دوسرے پر احسان کیا جائے تو اپنا نفع درمیان میں نہ ہو، اور مخلوق جس قدر بھی انعام کرتی ہے، اس میں کسی نہ کسی طرح اپنا نفع ضرور ملحوظ خاطر ہوتا ہے۔

منعم علیہم کے چار گروہ:

”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کے چار گروہ ہیں:

۱.... انبیاء علیہم السلام۔ ۲.... صدیقین۔

۳.... شہداء۔ ۴.... صالحین۔

اور ان کے ساتھ نعمت کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کے حق میں نعمت حقیقتاً نعمت نہیں، کیونکہ ان پر تو احسان منظور ہی نہیں، بلکہ ان کے لئے یہی بلا و نعمت ہے، اس کی شکل صرف نعمت کی ہے، جیسے کسی کو زہر آلود حلوا دیا جائے، یا کوئی فاسد المزاج ہو اور اس کو حلوا دیا جائے، یا کوئی شخص بے وقت اور ضرورت سے زیادہ حلوا کھالے اور اسے ہیضہ ہو جائے، تو یہ حلوا ایسے لوگوں کے لئے نعمت کہاں ہوگا؟ زحمت و کلفت ہی ہوگا! خود قرآن پاک میں آیا ہے:

”وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّنا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ

لأنفُسِهِمْ.... الآية.“ (آل عمران: ۱۷۸)

ترجمہ:....

اشکال:.... ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے دل میں یہ بات کھٹکے کہ صراطِ مستقیم تو

ایک ہے، پھر اسے ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کے چار گروہوں میں کیوں بند کیا گیا؟ اور یہ سب لوگ مختلف طریقے اور مختلف شرائع رکھتے ہیں، کیونکہ ہر ولی کا طریقہ، اذکار اور

اشغال الگ ہیں، جیسا کہ عربی میں زباں زد ہے:

”الطرق الى الله بعدد انفس الخلائق.“

ترجمہ:...”اللہ کی طرف راستے اتنے جاتے ہیں جتنے

لوگوں کے سانس ہیں۔“

جواب:.... اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسی طب یونانی، کہ اس کے قواعد و اصول ایک ہیں، مگر ہر طبیب معالجے میں الگ الگ طریقہ اور الگ الگ رائے رکھتا ہے، یا اس کی مثال ایک قافلے کی ہے کہ ان میں سے کوئی ساربان (اُونٹ چلانے والا)، کوئی راہ نما، کوئی سپاہی، کوئی چوکیدار، کوئی مسافر اور کوئی تاجر ہے، یہ سب ایک ہی راستے پر جاتے ہیں، مگر ہر شخص، اپنے منصب و عہدے کے مطابق الگ الگ کام کرتا ہے، اسی طرح یہ چار گروہ (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین) ہیں کہ سب ایک ہی راستے (صراطِ مستقیم) پر جاتے ہیں، مگر ڈیوٹیاں ہر ایک کی مختلف ہیں، اصل دین میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ قوموں کی استعداد اور وقت کے مصالح کے اختلاف سے صرف طریق کار تبدیل ہو جاتا ہے، مگر راستہ نہیں تبدیل ہوتا۔
فائدہ:.... ”اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ میں انعام کی اسناد (نسبت) ذاتِ الہی کی طرف اس وجہ سے کی گئی ہے کہ جو کچھ کامل سے آئے گا، کامل ہی ہوگا۔

پھر خطاب کا لفظ لائے، تاکہ بندہ حضور سے غیب کی طرف راجع نہ ہو جائے، کیونکہ یہ ترقی کے بعد تنزل ہوگا۔

پھر ماضی کا صیغہ لائے تاکہ وہ انعام متیقن ہو جائے، کیونکہ مستقبل تو شک میں ہے، اور ”اَنْعَمْتَ“ کا مفعول حذف کیا گیا، تاکہ انعام دُنیوی اور اُخروی دونوں کو شامل ہو جائے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ:

لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو اصحابِ نعمت (یعنی انبیاء و اولیاء) کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر پھر گرفتارِ غضب یا گمراہ ہیں، ان دو الفاظ کا استثناء بیان فرما کر یہ واضح فرمایا کہ عوام اس راہِ منحرف کو راہِ مستقیم نہ سمجھ لیں۔

مغضوب اور ضال میں فرق:

مفسرین نے ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ اور ”ضَالِّينَ“ کی تفسیر میں مختلف باتیں کہی ہیں، علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ عاصی ہیں، اور ”ضَالِّينَ“ جاہل۔

بعض کا قول یہ ہے کہ: ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ یہودی ہیں، کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: ”وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ“، اور ”ضَالِّينَ“ نصاریٰ ہیں، کیونکہ ان کے لئے دوسری جگہ پر فرمایا گیا: ”ضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ“۔ بعض لوگ ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ سے کافر اور ”ضَالِّينَ“ سے بدعتی مراد لیتے

ہیں، وغیرہ ذالک من المذاهب!

معلوم ہونا چاہئے کہ ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ کے دو فرقے ہیں:

۱... کافر: جو دیدہ و دانستہ عناد و کفر کرتے ہیں۔

۲... عاصی: جو عمداً فسق کرتے ہیں۔

اسی طرح ضال کے بھی دو فرقے ہیں:

۱... کافر: جو تقلید کی بنا پر کفر میں پڑے ہوئے ہیں یا کوتاہ نظری کی وجہ سے

حقیقتِ دین ان پر واضح نہیں ہوئی۔

۲... عاصی: جو عفوِ الہی کے اعتماد پر ارتکابِ معاصی کرتے ہیں یا تاہل و

طلب علم میں کوتاہی کی وجہ سے نادانستہ ارتکابِ منہیات ہو گیا۔

فائدہ:.... ضلال و غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی، جیسا کہ ”اَنْعُمْتُ“ میں انعام کی نسبت کی گئی ہے، کیونکہ انعام بغیر سابقہ استحقاق کے محض انعام ہے، اور غضب شومی اعمال کے سبب سے ہے، اور گمراہی کوتاہی ادراک کی بنا پر ہے، گویا اللہ تعالیٰ جیسے انعام میں فاعل حقیقی ہے، ضلال و غضب میں فاعل حقیقی نہیں، بلکہ ان کا صدور اللہ تعالیٰ سے بندوں کے استحقاق کی بنا پر ہوا۔

”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ کو ”ضَالِّينَ“ سے پہلے لانا، اس بات کی علامت ہے کہ آخرت میں ان کی حالت ”ضَالِّينَ“ سے زیادہ تباہ تر اور رُسوا تر ہوگی۔

فائدہ:.... عام مؤمنین کو صالحین کی رفاقت طلب کرنا چاہئے، اور صالحین کو شہیدوں کی رفاقت ڈھونڈنا چاہئے، اور شہیدوں کو صدیقین کی رفاقت اور صدیقیوں کو ہمیشہ انبیاء کی رفاقت رکھنا چاہئے۔

اگر عوام انبیاء کی رفاقت چاہتے ہیں، تو انہیں درجہ بدرجہ ان تینوں گروہوں کی رفاقت ضرور کرنا پڑے گی، اور یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام میں اہل اللہ کے طریق میں داخل ہونا، اور ان سے توسل کرنا اچھا شمار کیا گیا، اور توسل کے معنی یہ ہیں کہ قول اور عمل میں شریعتِ مطہرہ کے فرمان کے مطابق ان کی متابعت کی جائے، لہذا لازم ہے کہ ان گروہوں کی معرفت بھی حاصل ہو، اس لئے ہم ذیل میں ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تعریف لکھتے ہیں:

نبی کی تعریف:

نبی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ تربیتِ بشری کے واسطہ کے بغیر خود کامل و مکمل بنائے، اس طرح کہ روح القدس کی تاثیر اس کی نظری و عملی قوتوں میں ایسے طریقے پر

آجائے کہ اس کی معلومات میں شک و شبہ راہ نہ پاسکے، اور قوتِ عملی سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ اعمالِ صالحہ پوری رغبت سے اس سے صادر ہوں، اور کمالِ نفرت کی وجہ سے بُرے اعمال سے محفوظ رہے، جب اس کے قوائے بدنی حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں اور عقلِ تجربی بھی حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسے مخلوق کی طرف مبعوث فرما دیا جاتا ہے، پھر معجزات کے ساتھ اس کی تصدیق بھی کر دی جاتی ہے۔

معجزہ کبھی جنسِ کلام سے ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید، اور کبھی جنسِ افعال سے ہوتا ہے، جیسے انگلیوں سے پانی کا جاری کر دینا، اور معجزات کے ساتھ ساتھ اُسے عقلی آیات بھی دے دی جاتی ہیں، جو خواص کے ایمان کا موجب بنتی ہیں۔ چنانچہ معجزات بھی موجب ایمان ہو جاتے ہیں، اور جب کوتاہ ہیں معجزات سے استدلال کرتے ہیں، تو کامل، کمالات سے دلیل لاتے ہیں۔ اور اخلاقِ کریمہ، علومِ صادقہ، بیانِ شافی، حجتِ واضح اور انوارِ صحبت (جس کے عکس و فیض سے ناقص لوگ کامل ہوتے ہیں) بھی آیاتِ عقلیہ میں سے ہیں۔ پس اگر معجزات و آیاتِ عقلیہ کی تصدیق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نہ ہو، تو عقلِ محض، خصوصاً عوام کی عقلِ محض ان باتوں کو باور ہی نہیں کر سکتی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کبھی ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو عقلِ باور کر لیتی ہے، جیسے وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کمال، اور کبھی ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جنہیں عقل بالاستقلال نہیں پاسکتی، جیسے ثواب و عتاب وغیرہ کی تفصیلات۔

صدیق کی تعریف:

صدیق وہ ہے جس کی قوتِ نظری انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہو، اور ابتدائے عمر سے جھوٹ بولنے اور دو رنگی بات کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اور عزم میں تردد نہیں کرتا، اور اس کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے، کسی پر لعن و طعن نہیں

کرتا، اور تعبیرِ رؤیا کا علم اچھی طرح جانتا ہے، اور مقدماتِ دینیہ میں اس کی نفسانی خواہش کا اختلاط نہیں ہوتا، مگر اس کی قوتِ عملی انبیاء علیہم السلام کی قوتِ عملی سے ناقص ہوتی ہے۔

شہید کی تعریف:

شہید وہ ہے جس کی قوتِ عملی انبیاء علیہم السلام کی قوتِ عملی سے قریب تر ہوتی ہے، اور قوتِ نظری ان سے ناقص ہوتی ہے، اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ ان تک پہنچایا ہے، اسے اس طرح قبول کرتا ہے گویا اسے دیکھ رہا ہے، اسی واسطے اس کے لئے جان دینا آسان ہوتا ہے، ایسا آدمی ضروری نہیں کہ ظاہری طور پر بھی مقتول ہو جائے، خواہ وہ مقتول نہ بھی ہو تب بھی شہید ہے۔

صالح کی تعریف:

صالح وہ ہے جس کی قوتِ نظری و عملی دونوں انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کمال سے کم تر ہوں، لیکن کمالِ متابعت سے اپنے ظاہر کو معاصی سے پاک اور اپنے باطن کو اعتقاداتِ فاسدہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے دُور رکھے ہوئے ہو، اور یاد میں اس طرح ہو کہ کسی دوسری چیز کی اس میں گنجائش ہی نہ ہو۔

ولی اللہ کی علامات:

اگرچہ ولی کے لفظ کا اطلاق ان تینوں گروہوں پر ہوتا ہے، لیکن زیادہ تر اس کا اطلاق صالحین پر ہی کیا جاتا ہے، اور ان گروہوں کی مشترکہ علامات یہ ہیں کہ:
اللہ تعالیٰ جل ذکرہ ان کو دوست رکھتا ہے، اور ان کے رزق کا خود کفیل ہوتا ہے، ایسے طریق پر کہ سب لوگوں سے ممتاز رکھتا ہے، اور مسافرت میں ان کا انیس ہوتا ہے، اور انہیں ایسی عزتِ نفس عطا فرماتا ہے جس کی وجہ سے ملوک و اُمرا کی خدمت

کے لئے کسی طرح راضی نہیں ہوتے، ان کی ہمت بلند فرماتا ہے، اسی وجہ سے دُنیا کی مکروہات سے وہ آلودہ نہیں ہوتے، اور ان کا شرح صدر کر دیتا ہے، اسی بنا پر وہ تکالیف و شدائد سے تنگ دل نہیں ہوتے، اور اس کی مکافات میں اُن کے کلام و افعال کی برکت ان کے ہم صحبتوں اور ان کی اولاد میں پے در پے ظاہر ہوتی رہتی ہے، ان کی دُعائیں اکثر قبول ہوتی ہیں۔

توسل ولی کی صورت:

جو شخص بھی کسی حاجت میں ان سے توسل کرے اور کہے کہ: اے اللہ! ان کی برکت سے میرا یہ کام آسان فرما، اس کی حاجت روائی ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ ان کی کچھ اور خصوصیات عالم برزخ و ملکوت میں بھی ہوتی ہیں جن کو عوام نہیں سمجھ سکتے۔

ولی اللہ کے متبعین ہادی و مہدی ہیں:

جو شخص ان حضرات کا متبع ہوگا وہ ہادی و مہدی ہے، اور جو ان کا متبع نہیں یا ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِ“ ہے یا ”ضَالٌّ“ ہے، اگرچہ اپنے آپ کو ان کے سلک (لڑی) میں شمار کرتا رہے، جیسے یہود و نصاریٰ جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علی نبینا وعلیہما السلام کے اتباع میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ ان کے اتباع سے دُور ہیں۔

یا شیعہ حضرات! جو اپنے آپ کو اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ عقائد، اعمال اور اخلاق میں وہ ان بزرگوں کے ساتھ کچھ بھی مماثلت نہیں رکھتے۔

یا وہ بے قید و بے دین ملحد: جو اپنے آپ کو سہروردی، قادری اور چشتی وغیرہ کہتے ہیں، مگر اعمال و اشغال میں ان سلاسل کے لوگوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے۔

ضلالت کے اسباب و نتائج:

فائدہ:.... ضلالت، ایسی راہ کو اختیار کرنا ہے جو مطلب تک نہ پہنچائے، یہ یا تو بسبب غفلت کے ہوتا ہے، جیسے لذاتِ حسیہ کو لذاتِ روحانیہ پر ترجیح دی جائے۔ یا نفس کسی شبہ کی بنا پر خواہش ہی میں سکون پاتا ہے، جیسے یہ لوگ کہا کرتے ہیں: نو نقد نہ تیرہ اُدھار، اور اس طرح آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یا نفس کا دل پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ غلبہ کبھی اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ عملِ خیر سے تنگ دل ہو جاتے ہیں اور عملِ بد میں خوب انشراحِ خاطر ہوتا ہے، اور یہ بہت ہی بُری چیز ہے، کیونکہ کچھ دن متواتر ایسا رہنے سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے:

”كَذٰلِكَ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا

(المطففين: ۱۴)

يَكْسِبُوْنَ.“

ترجمہ:.... ”ان کے اعمال نے ان کے قلوب کو زنگ

آلود کر دیا۔“

اس کے بعد ”غشاوۃ“ کا درجہ ہے، اس کے بعد ”طبع“ کا اس کے بعد

”ختم“ کا، اس کے بعد ”موتِ قلب“ کا اور اس کے بعد:

”لَا يَنْفَعُهُ الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ“

ترجمہ:.... ”نہ آیات نفع دیتی ہیں نہ تحویف۔“

کا مرتبہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے، آمین!

نیکی کے درجات:

اس کے برعکس اگر نفس حسنات پر صبر کرے تو سب سے پہلے انشراحِ صدر

ہوتا ہے، پھر امتحان قلب للتقویٰ حاصل ہوتا ہے، پھر مرتبہ نزول سکینت ہے، اور اگر یہ مرتبہ انتہا کو پہنچ جائے تو عصمت و حفاظت کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

غضب و ضلال لانے کا نکتہ:

غضب و ضلال کے یہ دو لفظ اس لئے لائے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے عدول دو طریق پر ہوتا ہے، یا اس طرح کہ آدمی کفر میں معاند ہو اور دیدہ و دانستہ احکامِ الہی کا انکار کرے، یا عمداً ارتکابِ معاصی کر کے اپنے آپ کو مستوجبِ غضب بنالیا ہو، خواہ کفر کی حد تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، یا کفر و معاصی میں کسی کی تقلید یا تقصیر فہم یا کرمِ الہی پر اعتماد کی وجہ سے منہمک ہو، جیسا کہ گزرا ہے، اسے ضلال کہتے ہیں۔

فائدہ جو ساری سورت کے متعلق بیان ہوا:

اس سورت کو نماز میں پڑھنا واجب ہے، کیونکہ اعمالِ محسوسہ میں سے نماز کے سات رکن ہیں:

۱:....قیام - ۲:....رُکوع - ۳:....قومہ - ۴:....سجدۂ اُولیٰ -

۵:....جلسہ بین السجدتین - ۶:....سجدۂ ثانیہ - ۷:....قعدہ -

(بعض علماء کے نزدیک قومہ و جلسہ رکن نہیں ہے) اور اس سورت کی آیات

بھی سات ہیں۔

سجدوں کی تمثیل:

پہلے سجدے کی ازل سے مناسبت ہے، اور دوسرے کی ابد سے، اور دونوں کے درمیان جلسہ کی مثال اس دُنیا کی ہے، جو دو عدینِ نیستی کے درمیان موجود ہے، نیز سجدۂ اُولیٰ اشارہ کرتا ہے کہ دُنیا آخر میں فنا ہوگی، اور سجدۂ ثانیہ اشارہ کرتا ہے کہ

آخرت جلالِ الہی میں فنا ہوگی، اور یہ دونوں سجدے بندے کی بندگی کے دو شاہدانِ عدل ہیں۔

فائدہ پنج گانہ اور اسمائے حسنیٰ سے پانچ سوال کی مناسبت:

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے پانچ نام ہیں:

۱: اللہ۔ ۲: رَب۔ ۳: رحمن۔

۴: رحیم۔ ۵: مالک۔

اور بندے کی صفات بھی پانچ بیان کی گئیں:

۱: عبادت۔ ۲: استعانت۔ ۳: طلبِ ہدایت۔

۴: استقامت۔ ۵: طلبِ نعمت و پناہ از غضب۔

ان کے باہمی تعلق کو یوں خیال فرمائیے:

۱: عبادت کا تعلق اللہ سے ہے۔

۲: استعانت کا تعلق رَب سے ہے۔

۳: طلبِ ہدایت کا تعلق رحمن سے ہے۔

۴: طلبِ استقامت کا تعلق رحیم سے ہے۔

۵: طلبِ نعمت و پناہ از غضب کا تعلق مالک سے ہے۔

انسان سے مناسبت:

اسی طرح آدمی بھی پانچ چیزوں سے مرکب ہے:

۱: بدن۔ ۲: نفسِ شیطانی۔ ۳: نفسِ سبعی۔

۴: نفسِ بہیمی۔ ۵: جواہرِ ملکی۔

اس کی مختصر تشریح بھی ملاحظہ ہو:

۱:.... جو ہر ملکی کا اطمینان اسم اللہ کی تجلی سے ہوتا ہے:

”أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ.“ (الرعد: ۲۸)

ترجمہ:.... ”اللہ ہی کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔“

۲:.... نفسِ شیطانی کی نرمی و انقیاد اسمِ رَبِّ کی تجلی سے حاصل ہوتا ہے:

”رَبِّ اعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ.“

(المؤمنون: ۹۷)

ترجمہ:.... ”اے میرے رَبِّ میں شیطانی وساوس سے

تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔“

۳:.... نفسِ سبعی کی اصلاح اسمِ رَحْمٰن کی تجلی سے متعلق ہے:

”الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ.“ (الفرقان: ۲۶)

ترجمہ:.... ”ملک حقیقتاً آج رَحْمٰن ہی کا ہے۔“

۴:.... نفسِ بھیمی کی اصلاح اسمِ رَحِیْم کی تجلی سے ملحق ہے:

”وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا

فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ.“ (القصص: ۷۳)

ترجمہ:.... ”اپنی رحمت سے اس نے تمہارے لئے رات

بنائی تاکہ آرام کر سکو، اور پھر اس کا فضل طلب کرو اور شکر کرو۔“

۵:.... بدن سے غلاظت و کثافت کا ازالہ صفتِ ملکیت کی تجلی سے متعلق ہے:

”لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ.“

(المؤمن: ۱۶)

ترجمہ:.... ”آج ملک کی مالکیت کس کی ہے؟ خدائے

یکتا و برتر کی ہے!“

جب آدمی ان اسماء کی تجلیات سے مہذب و اصلاح یافتہ ہو جاتا ہے، اور اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتا ہے، تو وہ:

- ۱: ... بدن کی اطاعت کے لئے ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کہتا ہے۔
- ۲: ... نفسِ بھیمی کی اطاعت کے لئے (تاکہ ترکِ لذات کر سکے) ”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ کہتا ہے۔

- ۳: ... اور نفسِ سبعی کے استیلا سے خلاصی کے لئے ”إِهْدِنَا“ کہتا ہے۔
- ۴: ... اور مکائدِ نفسِ شیطانی کے دفعیہ کی خاطر طلبِ استقامت کرتا ہے۔
- ۵: ... اور جوہرِ ملکی (عقل) کی اصلاح کی خاطر ارواحِ مقدسہ کی مرافقت ڈھونڈتا ہے اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کہہ کر ارواحِ خبیثہ سے دُوری چاہتا ہے۔

سورت کے نام اور وجوہ تسمیہ:

اس سورۃ شریفہ کے نام بہت سے ہیں، ان میں سے کچھ ناموں کو، وجہ تسمیہ سمیت ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ جو فوائد اس سورۃ شریفہ میں ودیعت فرمائے گئے ہیں، ان میں سے کچھ نہ کچھ منکشف ہو سکیں۔

- ۱: ... فاتحۃ الکتاب: یہ نام اس لئے پڑا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن شریف) اسی سے شروع ہوتی ہے، بلکہ اس کی ”بسم اللہ“ اور ”حمد“ کی آیات ہر کتاب کے شروع میں آتی ہیں، ہر چیز کا وجود اس وقت دُنیا میں آتا ہے، جب اس پر اسمِ الہی کا ظہور ہو، اور ہر چیز کی بقا اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے۔

اس کے علاوہ اس وجہ سے بھی اسے فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے کہ وہ فضائلِ علوم کو کھول دیتی ہے۔

چنانچہ ”بسم اللہ“ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و اسماء کی طرف اشارہ ہے، جو ہزاروں سے بھی متجاوز ہیں، اور سارے کا سارا دین اور شریعت اسی معرفت اور عبادت کے لئے ہے۔

”الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی صفات کمال کے ساتھ اس دُنیا میں موجود ہے، اور وہی منتہائے علوم ہے، اور ”حمد“ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ان نعمتوں کا شکریہ بھی لازم ہے جو ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اور انہیں میں سے وہ نعمتیں بھی ہیں جو اطباء ماہرین نے بدنِ انسانی میں بتلائی ہیں کہ اس میں پانچ ہزار فائدے ہیں۔

”رَبِّ الْعَالَمِينَ“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ قسم قسم کی موجودات ہیں، کچھ ارواح، کچھ اجسام، کچھ اعراض، پھر کچھ اجسام شہادی ہیں، کچھ مثالی ہیں۔

”الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“ ہر قسم کی نیکیوں اور برکتوں اور ساری آفتوں سے خلاصی و رستگاری کی طرف اشارہ ہے۔

”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ سے اس طرف اشارہ ہے کہ نفوس مفارقتِ ابدان کے بعد باقی رہیں گے، بعض ان میں سعید اور بعض شقی ہوں گے، اور نیچے اوپر والی ساری دُنیا فنا ہوگی، اور موت کے بعد زندہ کر کے حساب و کتاب کیا جائے گا، اور بہشت و دوزخ میں جزا و سزا ملے گی، اور یہ مطلب علمِ اعتقاد کے اجل مطالب میں سے ہے۔

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ سے اُن قلبی اور جسمانی عبادات کی طرف اشارہ ہے جو فقہ اور سلوک کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ میں ان مختلف صنعتوں اور حرفتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس دُنیا میں رائج ہیں، کیونکہ اولادِ آدم کی سب صنعتیں اللہ تعالیٰ کی امداد اور اللہ کی مخلوق کے انہماک سے وجود میں آئیں۔

فائدہ: ... بنی آدم کی جس قدر صنعتیں ہیں، وہ تین طریقوں سے وجود میں آئیں:

۱: ... استنتاج: یعنی دو چیزوں کو ملایا اور تیسری چیز وجود میں آگئی، جیسے بیج زمین میں ڈالا اور اس سے کھیتی وجود میں آگئی، صغریٰ کبریٰ ملایا اور نتیجہ نکال لیا۔

۲: ... استخدام: کسی چیز کی قوتِ منفعت کو اپنے کام میں لانے سے، جیسے جانوروں سے سواری کی خدمت لینا، مزدوروں سے کام لینا وغیرہ۔

۳: ... ایک مخلوق سے دوسری مخلوق: یعنی ایک مخلوق کے توسط سے دوسری مخلوق کی شکل یا کیفیت کا پیدا کر دینا، جیسے مسالے اور آگ کے ذریعے سے سونے کو سکے کی شکل میں ڈھال لینا، اسی طرح حکایتِ اصوات، نعمات اور خوشبوؤں کا حال ہے کہ جن سے علم موسیقی و عطاری کی صنعتیں وجود میں آئیں۔

”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں اشارہ ہے کہ علوم و معارف کے حصول کے دو طریقے ہیں: استدلال و تصفیہ۔ پہلے کو مشائخ کا طریقہ اور دوسرے کو اشراقیین کا طریقہ کا نام رکھتے ہیں۔

”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ سے نبوت و ولایت کے کمالات، اعتقاداتِ صحیحہ، اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف کی اشارہ ہے، اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ“ سے کفار و مبتدعین کے فرقوں اور اعمالِ فاسدہ و اعتقاداتِ باطلہ کی طرف اشارہ ہے۔

۲: ... الحمد: اس سورت کا دوسرا نام الحمد ہے، کیونکہ اس کی ابتدا میں لفظ ”الحمد“ موجود ہے، پھر اس سورت کی حمد ہر قسم کے محامد پر مشتمل ہے۔

۳: ... الشکر: اسے سورۃ الشکر بھی کہتے ہیں، کیونکہ حمد ہی شکر کی بنیاد ہے، اور شکر تین طرح کا ہوتا ہے: دل سے محبت کرنا، زبان سے تعریف کرنا اور اعضاء و جوارح سے خدمت کرنا۔

۴: ... سورہ کنز: بھی اس کا نام ہے، کیونکہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ: سورہ فاتحہ ایک ایسے خزانے میں سے آئی ہے جو عرش کے نیچے ہے، یعنی ان اسرار و معارف کی وجہ سے جن میں ذات، صفات، افعال، معاد اور علمِ مختصمت و علمِ احکام کی بحث ہے۔

۵: ... سورۃ المناجات: اس کا ایک نام سورۃ المناجات بھی ہے، کیونکہ نمازی اس سورت کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مناجات کرتا ہے۔

۶: ... السبع المثانی: بھی اس کا نام ہے، یعنی وہ سات آیتیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

۷: ... قرآن عظیم: اس کو قرآن عظیم بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ثواب کے لحاظ سے یہ سورت افضل و اعظم سورتوں میں سے ہے۔

۸: ... اُمّ الکتاب: بھی اسے کہتے ہیں اور اُمّ القرآن بھی، کیونکہ اس سورت میں وہ تینوں علوم موجود ہیں جو بندے کے علمی و عملی کمال پر مشتمل ہیں، اور وہ تین ہیں:

الف: ... علم شریعت۔

ب: ... علم طریقت، یعنی دلوں کے معاملات کی پہچان۔

ج: ... اور علم حقیقت، یعنی مکاشفاتِ ارواح کو جاننا۔

الف: ... علم شریعت کی دو قسمیں ہیں: ۱: ... اُصول عقائد۔ ۲: ... فروع احکام۔

علم اُصول عقائد:

پھر علم اُصول عقائد کی چھ قسمیں ہیں:

۱:....ذات کی معرفت:

علم اُصول عقائد میں معرفت ذات سب سے پہلے ہے، اور وہ، وہ چیز ہے کہ ساری موجودات اس کے ساتھ قائم ہیں، جیسے جسم رُوح کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

۲:....ذاتِ پاک کے وجود کی معرفت:

پھر اس ذاتِ پاک کے وجود کی معرفت ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ممکن کی دو طرفوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے، پس یقیناً وہ موجود ہوگا۔

۳:....صفات کی معرفت:

پھر اس کی صفات کی معرفت ہے، جو سب صفات کمال ہیں، جو حد کمال کا سبب ہیں، اور اس کی دلیل تربیت ہے، کیونکہ پرورش سوائے حیات، علم، ارادہ اور قدرت کے متصور ہی نہیں ہو سکتی، اور رحمت بھی اس کی دلیل ہے، کیونکہ رحمت کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز درکار ہو اسے بخش دینا، اور ایسا ہونا بغیر اس علم کے نہیں ہو سکتا کہ معلومین کا حال تفصیل سے معلوم ہو، اور ان میں سے جو چیز جس کے لائق ہو اس کا حال معلوم ہو، اور ہر چیز کے پہنچا دینے کی قدرت بھی ہو، اسی طرح عالم کی چیزوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور ان میں ایک کی تدبیر کا کارگر ہونا سب میں ممکن نہیں، بجز ان صفات کے جو بیان ہوئیں۔

۴:....معرفتِ توحید:

پھر معرفتِ توحید لازم ہے کہ سب کا رب ایک ہے، اور جو کچھ اس کے ماسوا ہے سب اس کی ربانیت کے نیچے ہے، اس واسطے مرتبہ و منصب میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا۔

۵: ... معرفتِ عبادت:

پھر اس بات کی معرفت بھی لازم ہے کہ وہی مستحقِ عبادت ہے، اس دلیل سے کہ ہر چیز کو بوقتِ حاجت اسی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، ابتداءً اس کی ربوبیت کی طرف، درمیان میں اس کی رحمانیت و رحیمیت کی طرف، اور آخر میں اس کی مالکیت کی طرف، اور چونکہ ہر جگہ پر وہی انعام و کرم فرماتا ہے، اس لئے مستحقِ عبادت بھی وہی ہو سکتا ہے۔

۶: ... معرفتِ نبوت و ولایت:

پھر معرفتِ نبوت و ولایت ضروری ہے، اور ایمان کے مراتب صراطِ المستقیم میں بیان کئے گئے ہیں، اور کفر و فسق کے مراتب ضلالت و غضب میں ذکر ہوئے، اور فضل و عدل کی معرفت رحمن، رحیم اور مالکِ یوم الدین کی صفات سے ظاہر ہوتی ہے، اور قضا و قدر کی معرفت ذکر، عبادت اور استعانت سے، اور معاد کی معرفت مالکِ یوم الدین سے سمجھی جاسکتی ہے۔

علمِ فروعِ احکام:

”نَعْبُدُ“ سے عبادات کی معرفت حاصل ہوئی، اور ”نَسْتَعِينُ“ اور ”اِهْدِنَا“ سے معاملات، مناکحات اور حکومت کی معرفت ملی، کیونکہ خواہش معاملات میں عقل کی معارض ہوتی ہے، اس واسطے واجب، مستحب اور مباح کو ہدایت سے پہچانا جاسکتا ہے، اور حرام، مکروہ اور فاسد کو غضب و ضلال سے شناخت کیا جاسکتا ہے، اور معاملات کے مأخذ جو امر و نہی ہیں، ذکر و عبادت سے معلوم ہوتے ہیں، اور امر و نہی کا ثمرہ جو وعد و وعید ہے، وہ ”اَنْعَمْتُ“ اور ”مَغْضُوبٌ“ سے سمجھا جائے گا۔

علم طریقت اور اس کا حصول:

علم طریقت جو کمال قوت نظریہ و عملیہ کی معرفت کا نام ہے، صراطِ مستقیم میں آگیا، اور قوت نظریہ و عملیہ کا نقصان غضب و ضلال سے مذکور ہوا، اور ابتدائے سلوک میں جتنی طریقت واجب ہے، اس کا نام عبادت ہے، اور جتنی وسطِ سلوک میں لازم ہے، اس کا لقب استعانت ہے، اور جتنی انتہائے سلوک میں لازم ہے، اس کا نام استقامت ہے۔ اوصافِ نفس کا بیان غضب و ضلال کے ذکر سے آگیا، کیونکہ اس کی حقیقت یہی ہے کہ جادۂ استقامت سے منحرف ہو اور اوصافِ قلب کی معرفت استقامت و ہدایت سے پہچانی جاسکتی ہے، جلا اور صفائی کی معرفت عبادت و استعانت سے ہے، اور آراستگی، ہدایت و استقامت سے، جلا میں خلوص عن الشہوتین لازمی ہے، اور اسی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، جو شہوت کی ضد ہے، اور یہ بھی لازم ہے کہ غضب سے دُوری ہو اور اسے رحمتِ الہی سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ مرحومِ الہی پر غضب ہرگز روا نہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

”الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اِرْحَمُوا مَنْ فِي

الْاَرْضِ، يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.“

(سنن ترمذی ج: ۲ ص: ۱۴)

ترجمہ:.... ”رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرے گا، تم

زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“

پھر خواہش سے پرہیز کا بیان استقامت میں ہے، کیونکہ حرص و ہوا ہمیشہ

استقامت سے ہٹا دیتی ہے، اور غضب، شہوت اور ہوا کی بھی کچھ فروع ہیں:

الف:.... حسد: اس سے ”حسد“ کے ساتھ چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے،

کیونکہ حامد گویا ان عطایائے حق پر جو مخلوق پر ہوئیں راضی ہے، اور حسد رضا کے مخالف ہے، اس لئے جو حمد گو ہوگا وہ حاسد نہیں ہو سکتا۔

ب:.... بخل: ”رَبِّ الْعَلَمِينَ“ سے اس کا علاج ڈھونڈا جائے، جب ہر نعمت ”رَبِّ الْعَلَمِينَ“ کی ملک ہے، تو ایسی چیز میں بخل جو اس کی ملک میں نہیں، بے معنی ہے۔

ج:.... عجب و خود پسندی کا علاج ”نَعْبُدُ“ میں ہے۔

د:.... کبر و غرور کا علاج ”نَسْتَعِينُ“ میں ہے۔

ه:.... کفر و بدعت کا علاج ضلال و غضب سے احتراز میں ہے۔

اسی طرح جلا و تجلیہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ اخلاق میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، جیسے: عفت، شجاعت اور سخاوت کو اختیار کیا جائے، اور اعتقادات میں بھی افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہو، اور ان سب کی طرف صراطِ مستقیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

تخلیہ و آراستگی میں محبت و شوق کا ہونا لازمی ہے، اور یہ حمد میں اشارہ فرمایا گیا، جب ساری نعمتیں حق تعالیٰ سے دیکھے گا، تو اسباب اس کی نظر سے گر جائیں گے، اور منعم کے لئے محبت و شوق انسان ہی کی نہیں، بلکہ حیوانات کی بھی جبلت میں ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی احتیاج کو ظاہر کرتا رہے، جیسا کہ ”نَسْتَعِينُ“ کا منشا ہے، اور اس سلسلے میں تذلل بھی پسندیدہ ہے، جو عبادت کے لفظ میں آ گیا ہے، اور عزتِ ربوبیت اور ذلتِ بشریت کا جاننا بھی لازم ہے، جس کی طرف ”رَبِّ الْعَلَمِينَ“ کا لفظ اشارہ کر رہا ہے، پھر معرفتِ ربوبیت میں اپنے خالق سے روحانی اتصال و الحاق بھی لازمی ہے، حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ کا شعر ہے:

اتصالے بے تکلیف بے قیاس
ہست رَبِّ النَّاسِ رَا بَا جَانِ نَاسِ
ترجمہ:.... ”بے کیف و بے قیاس اتصال ہے، انسانوں
کے رَبِّ کو ان کی جانوں کے ساتھ۔“

بائے الصاق کے ساتھ اس طرف اشارہ فرمایا، نیز مقامِ شکر کا ذکر ”حمد“ کے
ساتھ، مقامِ رضا کا ذکر ”رحمت“ کے ساتھ، مقامِ خوف کا ذکر ”مالکیت“ کے ساتھ،
مقامِ اخلاص کا ذکر ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کے ساتھ، اور مقامِ دُعا کا ذکر ”اهْدِنَا“ کے ساتھ
بیان ہوا، ارواحِ طیبہ کے ساتھ معیت و توسل کے مقام کو ”صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ“ کے ساتھ بیان فرمایا، اور صحبتِ بد اور ارواحِ خبیثہ سے توسل کرنے سے ”غَيْرِ
الْمَغْضُوبِ.... الخ“ کے الفاظ میں ڈرایا، کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

نخست موعظت پیرِ محبتِ ایں است
کہ از معیتِ ناچس احتراز کنید

علمِ حقیقت:

علمِ حقیقت جو علمِ مکاشفہ ہے، اس سورت سے یوں نکلتا ہے کہ سرِّ ربوبیت
کی معرفت ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے حاصل ہوتی ہے، اور تجلّیِ جلال ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“
سے، اور تجلّیِ جمال ”رَحْمَنٍ“ و ”رَحِيمٍ“ سے، پھر معرفتِ کمالِ الہی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے، اور
معرفتِ نفسِ ذکرِ غضب و ضلال سے، اور معرفتِ قلبِ استعانت سے، اور معرفتِ
رُوح، ہدایت سے، اور معرفتِ سرِّ خفی و مافوقہ ذکرِ استعانت سے، اور مرتبہ علمِ یقین
”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے ”يَوْمِ الدِّينِ“ تک اور مرتبہ عینِ الیقین ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ کے خطاب
سے، اور مرتبہ حقِ الیقین لفظِ ”رَحِيمٍ“ سے متحقق ہوتے ہیں، اور عالمِ شہادت، عالمِ غیب

کے لئے تسخیر کرنا لفظ استعانت سے، اور فنائے ماسوی اللہ اس ذاتِ پاک میں ”مَلِکِ یَوْمِ الدِّینِ“ سے، اور معرفت بقا استقامت و انعام سے مستفاد ہیں۔

شیطان کے مداخل:

معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کے مداخل کی تین راہیں ہیں: شہوت، غضب، ہوائے نفس۔ شہوت کو بہمیت کہتے ہیں، غضب کو سبعت اور ہوا کو شیطانیہ۔ غضب کا مرتبہ شہوت سے بالاتر ہے، اور ہوا کا مرتبہ غضب سے اونچا ہے، کیونکہ انسان شہوت کی وجہ سے اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور غضب کی بنا پر دوسروں پر ظلم کرتا ہے، اور ہوائے نفس کی وجہ سے اپنے پروردگار پر ظلم کرتا ہے۔

ظلم کے مراتب:

حدیث شریف میں آیا ہے: ظلم تین ہیں، ایک ظلم ایسا ہے جو معاف نہیں کیا جائے گا، ایک ظلم ایسا ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا، اور ایک ظلم ایسا ہے جسے ممکن ہے اللہ تعالیٰ چھوڑ دیں، پہلا شرک ہے، دوسرا بندوں پر ظلم اور تیسرا انسان کا اپنے نفس پر ظلم۔

شہوت کا نتیجہ:

شہوت کا نتیجہ دو چیزیں ہیں: حرص اور بخل۔

غضب کا نتیجہ:

غضب کا نتیجہ بھی دو چیزیں ہیں: عجب اور تکبر۔

پھر ہوا (خواہش نفس) کا نتیجہ بھی دو ہی چیزیں ہیں: کفر اور بدعت۔ اور یہ چھ چیزیں جمع ہوں تو ایک اور خصلت بھی پیدا ہو جاتی ہے، جو مذموم تر ہے، اور اس کا

نام ”حسد“ ہے۔

حکمت ایمانیہ کے حکماء حسد کے مرتبے کو اخلاقِ ذمیمہ میں وہ درجہ دیتے ہیں جو اشخاصِ مردودہ میں شیطان کا ہے۔

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اسمائے ثلاثہ جو بسم اللہ میں آئے ہیں، (اللہ، رحمٰن اور رحیم) اخلاقِ ذمیمہِ اصلیہ کے دفع کرنے کے لئے ہیں، اور سورہ فاتحہ کی سات آیات، اخلاقِ سبعیہ فرعیہ کے دفع کی خاطر ہیں، جب بندہ اللہ کو پہچان لے گا، شیطان و ہوا اس سے بھاگ جائے گا، جب رحمانیت کو پالے گا، غضب سے بالکل پاک ہو جائے گا، اور رحیمیت کا جاننے والا اپنے آپ کو افعالِ بہیمیہ سے ملوث نہیں کرے گا، اور شہوت میں مبتلا نہیں ہوگا۔

جب اس نے ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ“ کہا، مرتبہ شکر حاصل ہو گیا اور قناعت اس کے حصے میں آگئی، اور اس نے شہوت کے بت کو توڑ دیا۔

اور جو ”رَبِّ الْعَالَمِينَ“ کا معتقد ہوگا، حرص سے بالکل دُور ہوگا، اس کا بخل بھی ختم ہو جائے گا، کیونکہ حرص غیر موجود میں ہوتی ہے، اور بخل اس میں جو اس کے پاس موجود ہے، جب دونوں کو حق تعالیٰ کی رُبوبیت کے سپرد کر دیا، تو دونوں سے پاک ہو گیا۔

جس نے روزِ جزا کی مالکیت کو پہچان لیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم بھی جان لیا، اس کا غضب مٹ گیا۔

”إِيَّاكَ نَعْبُدُ“ سے تکبر ملیا میٹ کر دیا۔

”إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ سے خود پسندی کا قلع قمع کر دیا۔

”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ سے آخر تک کفر و بدعت دفع ہو جاتے ہیں۔

اور جب یہ چھ خصلتیں نہیں رہیں گی تو حسد خود بخود زائل ہو جائے گا۔

لطیفہ:

سورہ فاتحہ میں حسب ذیل سات حروف نہیں لائے گئے: ”جیم، خا، ظا، فا، زاء، ثا، شین۔ ان ساتوں حرفوں کی دلالت جہنم کے طبقات پر ہے، گویا فاتحہ شریف پڑھنے والا ان سات طبقاتِ دوزخ: جہنم، خزی، لظی، فراق، زقوم، شور، شہیق سے نجات پا گیا۔

فوائد سورہ فاتحہ:

بخاری اور صحاح کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے، حضرت ابوسعید بن المعلی نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میرے ساتھ آئیں، تجھے قرآن کی سب سے بڑی سورت مسجد سے نکلنے سے پہلے سکھا دوں گا۔ میں ساتھ ہولیا، جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے، آپؐ نے فرمایا: وہ سورت ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ہے، اور وہی سبع المثانی، اور وہی قرآنِ عظیم ہے، جو مجھ پر نازل ہوئی۔“
(مشکوٰۃ ص: ۱۸۴)

اور ترمذی وغیرہ میں یہ قصہ سید القراء اُبی بن کعبؓ سے واقع ہوا ہے، اور اس میں لفظ یہ ہیں کہ:

”میں تمہیں ایسی سورت سکھاؤں گا جو نہ توراۃ میں نازل ہوئی، نہ زبور میں، اور نہ اس جیسی اور کوئی سورۃ قرآن میں ہے۔“
(مشکوٰۃ ص: ۱۸۷)

ابونعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعد ازاں حضرت نے فرمایا کہ سورۃ اُمّ القرآن

ہے، جو ہر نماز میں تم پڑھتے ہو۔

اور صحیح مسلم اور نسائی میں بروایت ابن عباسؓ آیا ہے کہ:

”ایک دن جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف رکھتے تھے کہ ایک بڑے دروازے کے کھلنے کی آواز آئی، اور (آپؐ نے) غور سے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ: یہ ایک فرشتہ ہے، جو اب اتر رہا ہے، اور از آدم تا ایں دم کبھی زمین پر نہیں آیا، جب فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: دونوروں سے خوش ہو جائیں جو آپ کو عنایت فرمائے گئے، اور اس سے قبل کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، اور کہا کہ سورۃ فاتحہ اور ”اَمَّنَ الرَّسُولُ“ سے آخر تک جب آپ پڑھیں گے تو ثوابِ عظیم پائیں گے۔“ (صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۲۷۱)

نیز بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ مارگزیدہ (سانپ کے ڈسے) پر یہ سورت پڑھا کرتے تھے، نیز کژدم گزیدہ (بچھو کے کاٹے)، مرگی والوں اور دیوانوں پر بھی پڑھا کرتے تھے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تجویز فرمایا ہے۔

دارقطنی اور ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر جھاڑا

اور پڑھنے کے بعد لعابِ دہن مبارک مقامِ درد پر ملا۔“

بیہقی شعب الایمان میں لائے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”فاتحۃ الكتاب ہر مرض کی شفا ہے۔“

(کنز العمال ج: ۱ ص: ۵۵۷)

بزار اپنی مسند میں انس بن مالکؓ سے لائے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”جو شخص (سوتے وقت) اپنا پہلو زمین سے لگا کر فاتحہ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے ہر مصیبت سے امان پائے، سوائے اس کے کہ موت اس کے مقدر میں ہو۔“

ابن مردویہ دیلمی سے اپنی احادیث مختارہ میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ:

”چار چیزیں خزانہ عرش کی مجھے دی گئی ہیں، اور ان چاروں کے سوا اور کوئی چیز گنج عرش میں سے کسی کو نہیں دی گئی: ۱... اُمّ الکتاب، ۲... آیۃ الكرسي، ۳... خاتمہ سورۃ بقرہ، ۴... اور سورۃ کوثر۔“ (کنز العمال ج: ۱ ص: ۵۵۸)

ابو شیخ کتاب التواب میں لائے ہیں کہ جس کو کوئی حاجت ہو، وہ پہلے فاتحۃ الکتاب پڑھے، اور اس کے بعد حاجت طلب کرے ان شاء اللہ حاجت روا ہوگی۔
ثعلبی نے شععیؒ سے روایت کیا کہ ایک شخص آیا اور اس نے دردِ گردہ کی شکایت کی، شععیؒ نے اس سے کہا کہ: تم اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ پر دم کرو، اس نے پوچھا: اساس القرآن کیا ہے؟ شععیؒ نے جواب دیا: فاتحۃ الکتاب۔

اور مشائخ کے اعمالِ مجربہ میں مذکور ہے کہ سورۃ فاتحہ اسمِ اعظم ہے، ہر مطلب کی خاطر اسے پڑھا جاسکتا ہے، اور اس کے دو طریقے ہیں:

۱... سنت فجر اور فرض کے درمیان ”بسم اللہ“ کی میم کو ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی لام کے ساتھ ملا کر ۴۱ بار چالیس روز تک پڑھے، جو مطلب بھی ہوگا، حاصل ہو جائے گا،

اگر شفاۓ مریض یا جادو کھولنے کے لئے ہو تو پانی پر دم کر کے انہیں پلائیں۔
 ۲: چاند کی پہلی اتوار کو سنت فجر اور فرض فجر کے مابین بغیر قید اتصال یعنی بسم اللہ کی میم کو الحمد للہ کی لام کے ساتھ ملائے بغیر ستر مرتبہ پڑھیں، اس کے بعد ہر روز اسی وقت دس، دس مرتبہ کم کرتے جائیں، حتیٰ کہ اتوار کو ختم ہوگی، اگر پہلے مہینے میں مطلب حاصل نہ ہو، تو دوسرے اور تیسرے مہینے میں بھی ایسا ہی کریں، ان شاء اللہ مطلب براری ہوگی۔

پُرانے امراض میں چالیس دن تک گلاب اور مشک و زعفران کے ساتھ چینی کے پیالے میں لکھ کر دھو کر پلانا مجرب ہے، اور دانتوں کے درد، سر کے درد، پیٹ کے درد پر اور دوسرے دردوں پر سات بار پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ

سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت

استغفرک واتوب الیک

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ!

اما بعد! مدت ہوئی فقیر نے الکلمات الراجحہ کے نام سے سورہ فاتحہ کے تفسیری نکات لکھے تھے، مگر وہ رسالہ چونکہ فارسی زبان میں لکھا گیا تھا، اس لئے عوام اس سے استفادہ نہ کر سکتے تھے۔

برادر دینی عزیزم محمود احمد خاں صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک معروف اہل قلم (مولانا عبداللہ طالوت) سے اس کا اردو ترجمہ کرا کر عوام کے فائدے کی خاطر اسے مکرر طبع کرایا۔ فقیر، مترجم اور ناشر دونوں کے لئے دعا گو ہے، اور پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ مؤلف، مترجم اور ناشر تینوں کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ

(مولانا الحاج الحافظ القاری) محمد عبداللہ عفی عنہ

ترکِ منکرات و برصِ جمعرات

یعنی

جمعراتِ قُلْ خَوانی کی بدعات



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ،
 وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى عَبْدِهِ وَرَسُولِهِ الْكَرِيمِ وَعَلَى آلِهِ
 وَأَصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ الَّذِينَ هَادُوا بِهَدَايَةِ الصِّرَاطِ
 الْمُسْتَقِيمِ صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَفَازُوا بِتَمَامِ
 النِّعَمِ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمِينَ مُتَلَازِمِينَ بِفَضْلِ الْعَزِيزِ
 الْعَلِيمِ، أَمَّا بَعْدُ!

عرض پرداز ہوں کہ اس رسالے کی تحریر سے مقصد یہ ہے کہ مسلمان بھائیوں
 کی چند عبادتیں اور خیراتیں بوجہ بے فکری، بے علمی یا بے اعتنائی کے قانون شرعی کے
 اعتبار سے ضائع ہو رہی ہیں، جس کا باعث یا پابندی رواج ہے، یا رفع ملامت و عار
 ہے، یا اپنی بڑائی کا اظہار ہے، یا دیکھا دیکھی ہے، یا علمائے سوء کی ترغیب ہے، حالانکہ
 اکثر یا کل کو مثل روزِ روشن کے یقین ہے کہ خیرات وہی قبول ہوتی ہے جو مالِ حلال
 سے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اور جس کو دی جائے وہ خیرات کا مصرف ہو،
 ان شرائط میں سے کوئی شرط یا مجموعہ شرائط نہ ہوں، تو خیرات قبول نہ ہوگی، مگر عام
 مسلمان اس سے غافل ہیں، لہذا چند مسائل و فتاویٰ پیش خدمت ہیں:

گر قبول افتد زہے شرف!

وما توفیقی الا باللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

سوال: ... کیا اپنی عبادت نماز، روزہ، حج، مالی خیرات یا قرآن مجید کے پڑھنے کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بخش سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ... ہدایہ اور فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے کہ اپنی عبادت کا، جس قسم کی عبادت ہو، اس کا ثواب جس (زندہ یا مردہ) کو بخشے، بخش سکتا ہے، معتزلہ کے سوا تمام اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔

سوال: ... کیا یہ جائز ہے کہ جب میت کو دفن کرنے جاتے ہیں تو کچھ گندم وغیرہ ساتھ لے جاتے ہیں، جو خانقاہ (یعنی قبر) کے مجاور کو یا کسی مسکین کو دے دیتے ہیں، اس کو عوام بیڑی بھاڑا کہتے ہیں، یعنی یہ شخص آخرت کے دریا کی کشتی پر سوار ہو رہا ہے، کشتی پر سوار ہونے کے لئے اجرت ہونی چاہئے، تو اجرت وہی گندم وغیرہ ہے، کشتی کا معنی بیڑی اور بھاڑا بمعنی اجرت۔

جواب: ... یہ اعتقاد رکھنا بھی غلط ہے اور مرنے کے بعد اول ورثہ تقسیم ہونا چاہئے، پھر بالغ وارثوں میں سے کوئی مردہ کی روح کو بخشے تو جائز ہے، مشترک مال سے بغیر اجازت شرکاء کے دینا، بخشنا ناجائز ہے، اور اس میں اگر کوئی حصہ دار نابالغ ہے اور وہ اجازت بھی دیدے تو اس کی اجازت غیر معتبر ہے، دُر مختار ج: ۵ ص: ۲۴۴ میں ہے:

”فلم تجز اجازة صغير ولا مجنون.“

ترجمہ: ... ”بچے اور دیوانے کی اجازت جائز نہیں۔“

سوال: ... ہمارے ملک میں رواج ہے کہ مرنے کے بعد وارث سات جمعراتیں کرتے ہیں، اور تیسرے دن یا بعد میں قُل خوانی ضرور کرتے ہیں، اگر کسی باعث سے نہ کر سکیں تو برس، دو برس تک اس کو ضرور ہی کرتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی کو یقین ہوتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے وارث نہ کریں گے یا تھوڑا بہت

کریں گے اور پورے طور پر نہ کریں گے، تو اپنی زندگی ہی میں اپنی جمعراتیں و قفل خوانی وغیرہ کر دیتے ہیں۔

دوم:.... یہ کہ یہاں تک ضروری سمجھتے ہیں کہ سودی قرض لے کر بھی کرتے ہیں۔

سوم:.... یہ کہ اکثر یا کل کو یہ دُکھ بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ اگر جمعراتیں وغیرہ نہ کریں گے تو ناک کٹ جائے گی، ملامت اور طنز و طعن مزید براں ہوگا کہ فلاں بے چارہ مر گیا، بدنصیب تھا، اس کی جمعرات تک نہ ہوئی، بات بات میں شریک ورشتہ دار طعنے دیں گے۔

چہارم:.... یہ کہ اکثر تفاخر کرتے ہیں، نہ کرنے سے ان کی وجاہت میں نقص آتا ہے۔

پنجم:.... بعض جمعراتیں شرکاء کی کہلائی جاتی ہیں کہ ان پر شریکوں کو ضرور بلایا جاتا ہے، ورنہ مطعون ہوں گے، اور رسم برادری میں خلل آئے گا۔

ششم:.... بعض جگہ وارث صغیر یا یتیم ہوتے ہیں، یا غائب ہوتے ہیں، اور بعض اگرچہ بالغ ہوتے ہیں مگر اتنا خرچ کرنے پر راضی نہیں ہوتے، اور شرم کی وجہ سے یا ڈر کے مارے بڑے بھائی یا چچا وغیرہ کو کہہ نہیں سکتے کہ اتنا خرچ نہ کرو، اور بڑے وارث روکنے والے کو کہہ دیتے ہیں کہ یتیموں کے حصے کے ہم ضامن ہیں، اور تجربے سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نہ اُن کا حصہ اُس وقت جدا کر کے جمعرات وغیرہ کرتے ہیں، نہ بعد میں اُن کو ادا کرتے ہیں۔

ہفتم:.... یہ کہ اول ورثہ تقسیم نہیں کرتے، مشترک مال سے یہ سب کچھ کیا کرتے ہیں، جس قدر اہتمام جمعرات کرنے کا ہوا کرتا ہے، ورثہ تقسیم کرنے کا نہیں،

جو کہ فرض ہے، اس کا اہتمام تو ایک طرف، فکر تک نہیں ہوتی، بلکہ لڑکیوں کو دینا، تقسیم کرنا، بارگیر، دل شکن اور معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ہشتم:.... یہ کہ بعض لوگ اس کے معتقد ہوتے ہیں کہ یہ خیراتیں بغیر جمعرات کے ہوتی ہی نہیں، اگر اُن سے کہا جائے کہ تم سوموار، منگل وغیرہ کو کرلو، تو تسلیم نہیں کرتے، یا عمل نہیں کرتے، اور اگر دوسرے کسی دن کر بھی لیں تو جمعرات کو ضرور اعادہ کرتے ہیں۔

نہم:.... یہ کہ جمعراتیں سات ہی واجب جانتے ہیں، نہ کم، نہ بیش کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔

جواب:.... جمعرات کے متعلق دو چیزیں ہیں: ایک ہے جمعرات کا کرنا۔ دوم:.... خیرات، جمعرات کا دینا، اس کے متعلق چند معروضات پیش خدمت ہیں:

اول:.... خیرات کا کرنا مستحب ہے، اور کسی کی رُوح کو ثواب بخشنا جائز و مستحسن ہے، خواہ جس چیز کا ہو، اور جس وقت ہو۔ اور بعض کا یہ حال ہے کہ اگر ایک جمعرات دال پکائی تو دوسری جمعرات کوئی اور چیز ہونی چاہئے، وہی سابق جمعرات کی چیز پکانے سے شر مانتے ہیں، اور ساتویں جمعرات میں حسبِ طاقت ہر قسم کے کھانے پکانے چاہئیں، اور خوب خرچ کرتے ہیں، دُور و قریب کے خویش وغیرہ بلائے جاتے ہیں، یہ اُن کے نزدیک پکا پختہ نظام ہے، اس کو چہلم کہتے ہیں۔

دوم:.... یہ کہ اس پر کوئی ختم وغیرہ پڑھا جاتا ہے، پڑھے لکھے لوگ بھی بڑے آدمی کی جمعرات پر بڑا ختم، اور چھوٹے آدمی کی جمعرات پر ایک دو سورتیں پڑھ کر دُعا کر لیتے ہیں، نیز یہ کہ ختم اگر نہ پڑھا جائے تو سخت کراہت سے دیکھتے ہیں اور بعض

لوگ دعوت بھی تقسیم نہیں کرتے، جب تک ختم نہ پڑھا جائے، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ: ”فاتحہ نہ دُرود کھایا گیا مردود“، مزید یہ کہ ختم میں مختلف جگہ کی آیتیں پڑھتے ہیں، علاوہ ازیں ایک شخص ختم پڑھتا ہے، دوسرے لوگ اپنے پڑھنے سننے کا ثواب اُس ختم پڑھنے والے کی ملک کرتے ہیں، اور وہ پڑھنے والا اس میت کی ملک کرتا ہے، اور اس میں بعض کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے آدمی کے ذریعے سے ثواب ملنے کا زیادہ درجہ، اور اچھا ذریعہ ہے، اور ہم سے کم درجہ کا۔

اور قل خوانی میں چند چیزیں اور بھی ہیں:

اول: یہ کہ برادری و احباب وغیرہ کو کانڈہ (دعوت نامہ) دیا جاتا ہے، اُن لوگوں کو آنا لازم ہوتا ہے، خود آئے یا اپنا عزیز بھیجے، اور برادر و قوم کے بڑے میت کے بڑے بیٹے کو باپ کی گپڑی سر پر بندھواتے ہیں، اس پر آنے والے حسب وسعت نقد ایک روپیہ سے سو، دو سو روپے تک دیتے ہیں، پھر جب ان لوگوں کی قل خوانی ہوتی ہے تو یہ لوگ بھی گپڑی بندھوائی کے روپے جا کر ادا کرتے ہیں، اسی لئے بلا کر وصول کیا جاتا ہے، اسی کو کانڈہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

دوم: یہ کہ میت کی رُوح کو ثواب بخشنے کے لئے ایک جوڑا تو ضرور، اور وسعت والا حسب طاقت بہت بہت جوڑے دیتا ہے، اور کچھ وسعت والا ایک سوٹ مولوی غسال کا اور دوسرا پیر و مرشد کا، اور زیادہ وسعت والے لوگ، جن جن صلحاء، علماء، سجادہ نشینوں وغیرہ وغیرہ کو دعوت دیتے ہیں، اُن کو سوٹ کے علاوہ بسترے، چارپائیاں اور اُونٹ، گائے، برتن وغیرہ بہت کچھ بھری مجلس کے سامنے دیا کرتے ہیں، کسی چالاک کو کھڑا کر دیتے ہیں، وہ بلند آواز سے پکار پکار کر دیتا ہے کہ یہ چیزیں فلاں عالم کے لئے، اور یہ چیزیں فلاں مرشد کے لئے، اور یہ نقد فلاں کو، اور یہ گندم

فلاں کے لئے ہے، اور اس سب کو ثواب، قرب الہی تعالیٰ کا ذریعہ اور میت کی رُوح کو بخشے کے لئے کیا کرتے ہیں، اور ہر لینے والے اُس وقت اتنے چہارچشم اور منتظر ہوتے ہیں کہ میرے لئے کیا آتا ہے؟ اور فلاں کو کیا ملتا ہے؟ گویا قیامت کے اعمال نامے تقسیم ہو رہے ہیں اور دُنیا تاک رہی ہے، یعنی لوگ دیکھتے رہتے ہیں، اس میں اکثر تو نام وری و شہرت و تفاخر فی الظاہر ہوتا ہے، اور ممکن ہے کہ کسی کو اخلاص بھی ہو، اور لوگوں میں بھی گھر گھر چرچا ہوتا ہے کہ فلاں نے قُل خوانی میں اتنا خرچ کر ڈالا ہے، اور فلاں اگرچہ دولت مند تھا، اتنا خرچ نہیں کیا، بخیل ہے، ایسا ہے، ویسا ہے، وغیر ذالک۔

جاننا چاہئے کہ میت کے پیچھے صدقہ دینا اور قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب بخش دینا شرعاً جائز ہے، اور امر مستحسن ہے۔ حضرت سعد صحابی رسول رضی اللہ عنہ کی ماں کو اچانک موت آگئی، حضرت سعدؓ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: میری ماں اچانک فوت ہوئی ہے، اگر اس کو وقت ملتا تو ضرور خیرات کرتی، کیا میں اس کی طرف سے خیرات کر سکتا ہوں؟ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! کر سکتے ہو۔ تو حضرت سعدؓ نے باغ کے متعلق کہا کہ: ”هَذِهِ لَأَمِّ سَعْدٍ“ یہ باغ سعد کی ماں کے لئے، (یہ خلاصہ ہے حدیث کا)۔

(کذا فی مشکوٰۃ، الدر المنثور و رد المحتار المعروف بہ شامی ج: ۱ ص: ۶۶۶)

اور کتاب ”مالا بدمنہ“ میں کتاب الجنائز میں ہے کہ:

”حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ

جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ بار ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ“ یعنی

سورہ اخلاص پڑھ کر مردوں کو بخشے تو اللہ تعالیٰ مردوں کے شمار

کے موافق اُس کو بھی ثواب بخشیں گے۔“
اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ:

”جو شخص سورہ فاتحہ، اخلاص اور تکاثر مردوں کو بخشے،
مردے اُس کے لئے شفیع ہوں گے۔“
اور حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

”جو شخص سورہ یسین قبرستان میں پڑھے، حق تعالیٰ اُن
اہل اموات کو تخفیف فرمائیں گے اور پڑھنے والے کو اُن کے شمار
کے موافق ثواب عطا فرمائیں گے۔“
(کذا فی مالا بد منہ والشافی ص: ۶۶۶)

اور سورہ بقرہ پارہ سوم رکوع ۳۶ میں خیرات کی مقبولیت کی شرائط میں سے
یہ چند چیزیں ارشاد ہیں کہ:

الف:.... ”لَا تُبْطِلُوا صَدَقَتُكُمْ بِالْمَنْ وَالْأَذَى
كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ....“ (البقرہ: ۲۶۴)

ب:.... ”يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ
....“ (البقرہ: ۲۶۵)

ج:.... ”انْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ....“

(البقرہ: ۲۶۷)

د:.... ”إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا

وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ....“
(البقرہ: ۲۷۱)

۱:.... یعنی دینے والا مؤمن ہو، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے۔

۲:.... اور حلال مال سے دے، اور عمدہ مال ہو۔

۳:.... اور بطور دکھلاوے کے نہ ہو۔

۴:.... اور لینے والے پر احسان نہ رکھے، اور اس کو کام کرانے سے رنج نہ پہنچائے، اور بہتر یہ ہے کہ چھپا کر دے اور ظاہر کر کے دینا بھی درست ہے، (یہ خلاصہ ہے آیات کا)۔

خیرات کی مقبولیت ان شرائط پر ہے، بارگاہِ الہیہ میں مقبول ہوگی تب جزا ملے گی، اور اجر و انعام و ثواب ملے گا، اگر مقبول نہ ہوئی، تو ثواب و انعام بھی نہ ملے گا، پھر مقبول ہونے اور ثواب ملنے پر اس کا عالم برزخ میں پہنچانا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، ثواب بخشنے والا خود بخود ثواب مردے تک نہیں پہنچا سکتا۔

پس مسلمان بھائیوں پر واجب ہے کہ اول قوانین قرآن پر حسب شرائط عمل کرنے کی سعی کریں، پھر مقبولیت کی اُمید رکھیں، پھر درخواست کریں کہ ہمارے حضور اکرم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا فلاں شیخ و مرشد کو یا فلاں عزیز کو یا جملہ اہل اسلام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُن کو پہنچا دے گا، اور اگر شرائط میں سے کوئی شرط فوت ہوگئی، تو نہ مقبولیت ہوگی، نہ ثواب پہنچانے والے کو ثواب ملے گا، نہ مردہ تک پہنچ سکے گا، مال دینا ضائع ہوگا، ریا و تفاخر کی چیز کیا کام آئے گی؟

ترکہ غیر منقسمہ میں سے لزوماً ان رسمیات میں خرچ کرنا ناجائز ہے، بالخصوص جبکہ وارثوں میں کوئی نابالغ یا غائب بھی ہو، اسی طرح سود کا روپیہ لے کر ان چیزوں میں لگانا حرام ہے۔

سوال میں جو اُمور مذکور ہیں، ان کے ہوتے ہوئے یا صدقہ نہیں ہوتا یا موجب اجرِ جزیل نہیں ہوتا، بالخصوص جبکہ خیر القرون میں ان کا ثبوت نہیں ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ چیزیں تھیں، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ مبارک میں، نہ تابعین کرام رحمہم اللہ کے زمانہ مبارک میں تھیں، نہ ائمہ ہدیٰ، مثلاً: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ سے منقول ہیں، نہ متاخرین، مثلاً: ہدایہ وقاضی خان وغیرہ نے فرمایا ہے، بلکہ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الشہید صفحہ ۶۶۴ میں بزازیہ سے نقل فرمایا ہے:

”ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول (فی الحاشیة فی البزازیة لفظ الثانی ایضاً) والثالث، وبعد الأسبوع، ونقل الطعام الی القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام أو الاخلاص. والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل یکرہ، وفيها من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً واطال ذالک فی المعراج، وقال هذه الأفعال کلها للسمعة والریاء فیحترز عنها، لأنهم لا یریدون بها وجه الله تعالى. بحث ههنا فی شرح المنیة ولا یعارض بحديث اخر أنه علیه الصلوة والسلام دعت امرأة رجل میت لما رجع من دفنه فجاء وجیء بالطعام. أقول وفيه نظر، فانه واقعة حال لا عموم لها مع احتمال سبب خاص، بخلاف ما فی حدیث جریر علی

أنه بحث في المنقول في مذهبنا ومذهب غيرنا كالشافعية والحنابلة استدلالاً بحديث جرير (روى الامام احمد وابن ماجه باسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع الى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة. انتهى) المذكور على الكراهة ولا سيما اذا كان في الورثة صغار أو غائب مع قطع النظر عما يحصل عند ذلك غالباً من المنكرات الكثيرة، كإيقاد الشموع والقناديل التي لا توجد في الأفراح وكدق الطبول والغناء بالأصوات الحسان، واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة على الذكر وقراءة القرآن، وغير ذلك مما هو مشاهد في هذه الزمان وما كان كذلك فلا شك في حرمة وبطلان الوصية به ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم.

ترجمہ: "...بزازیہ میں ہے کہ مکروہ ہے بنانا طعام کا پہلے، (دوسرے)، تیسرے دن (مرنے کے بعد) اور ساتویں دن، اور قبر کی طرف لے جانا طعام کا موسم میں، اور دعوت بنانا قرآن کے پڑھنے کے لئے، اور جمع کرنا صلحاء اور قاریوں کا ختم کے لئے یا سورۃ انعام یا اخلاص کے پڑھنے کے لئے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے کے وقت کھانے کے لئے طعام بنانا مکروہ ہے، اور بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں ہے: اگر فقراء کے لئے طعام بنایا ہے تو اچھا ہے۔ اور کتاب المعراج میں اس

سے زیادہ کیا ہے اور کہا ہے کہ: یہ تمام کام شہرت اور ریا کے لئے ہوتے ہیں، ان سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتے۔ اور شرح منیہ میں ہے حدیث ابن جریر کے معارض یہ لکھا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرد میت کی عورت نے بلایا جب دفن سے واپس ہوئے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور طعام لایا گیا۔ میں کہتا ہوں (یعنی شارح منیہ والا یا شامی والا) کہ اس میں دیکھنا ہے، اس لئے کہ یہ ایک واقعہ ہے، نیز ممکن ہے کہ کوئی سبب خاص ہو، بخلاف حدیث ابن جریر کے، کہ وہ ہمارے مذہب اور دوسرے مذاہب مثل شافعیہ و حنابلہ کے منقول ہے، وہ لوگ اس حدیث سے کراہت پر دلیل لاتے ہیں، خصوصاً جبکہ وارثوں میں غائب یا صغیر ہو، باوجود اس کے کہ اس سے قطع نظر کی جائے کہ ان چیزوں کے وقت اکثر منکرات کثیرہ ہوتے ہیں، مثلاً: شمع اور لالٹینوں کا جلانا، کہ وہ خوشی کے موقع پر نہیں پائے جاتے اور ڈھول کا بجانا اور اچھی آواز والوں سے سرود کرانا اور عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا اور ذکر اور قراءۃ قرآن وغیرہ پر اجرت لینا، جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے، اور جہاں اس طور پر ہو تو وہاں اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔“

سوچنے والے کو اس عبارت سے بہت سے مسائل سمجھ میں آسکتے ہیں کہ جیسا رواج عام ہے: قرآن کا ختم کرنا یا کسی سورت وغیرہ کے پڑھنے کے لئے جمع کرنا اور کھلانا، یہ مکروہ ہے، (ہاں! دوست خود بخود آکر پڑھتے ہیں تو اور بات ہے)، اور فقراء

کو کھلانا خوب ہے، (ہاں! بالغ اپنے مال سے دیں اور شہرت و ریا کے لئے بھی نہ ہو)، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طعام نمود و ریا کا دینا ناجائز ہے، اور ذکر و قراءۃ قرآن پر اُجرت لینا حرام ہے۔

آپ انصاف کریں کہ ہمارے ملک میں رواج میں کوئی دُرود شریف، ختم شریف، اور مولود خوانی بغیر اُجرت کے ہے؟ اس کی علامت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو بلا کر پڑھواؤ اور کچھ نہ دو، اور روٹی تک بھی نہ کھلاؤ، پھر دوسرے وقت اس کے لئے بلاؤ، آتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح دو، تین بار بلا کر تجربہ کر لو کہ اصل مقصد اُجرت یعنی رقم اور روٹی کھانا ہے یا نہیں؟

خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اور بغیر اُجرت کے پڑھنا اور پڑھانے سے کون روک سکتا ہے؟ ایسا بے دین کون ہے جو اس کو روکے؟ یہ سب تفصیل اس لئے ہے کہ خیراتوں وغیرہ کے صحیح ہونے کا معیار بتلادیا جائے، خیرات کرو، اور ہر وقت کرو، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرو، اور حلال مال سے کرو، اور فقراء، غرباء، بیوگان، یتیموں، طلباء، مسافرین اور بے کسوں کو کھلاؤ، جس دن کرو جائز ہے، خواہ جمعرات ہو یا کوئی اور دن ہو، جمعرات کی تخصیص نہ کرو، کتاب بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد: ۲ صفحہ: ۱۵۹ میں ہے:

”ان ذکر اللہ اذا قصد به التخصیص بوقت

دون وقت أو بشیء لم یکن مشروعاً حیث لم یرد به

الشرع لأنه خلاف المشروع.“

ترجمہ:.... ”بے شک اللہ کے ذکر کو کسی ایسے وقت یا

کسی چیز سے خاص کیا جائے جس کی اس وقت یا چیز کے ساتھ

تخصیص وارد نہ ہوئی ہو تو ناجائز ہو جائے گا، اس لئے کہ اس کی

تعمین شرع میں وارد نہیں۔“

اور کبیری شرح منیہ میں صلوٰۃ الرغائب کی کراہت کی وجہ صفحہ ۴۱۱ میں ہے:

”ومنها تخصيص سورة الاخلاص والقدر ولم
يرد به الشرع، ومنها تخصيص ليلة الجمعة دون غيرها
وقد ورد النهی عن تخصيص يوم الجمعة بصيام وليلته
بقيام.“

ترجمہ:.... ”اُن کراہت میں سے ہے خاص کرنا سورہ
اخلاص اور قدر کا، اور شرع میں وارد نہیں ہے، اور کراہت سے
ہے خاص کرنا شب جمعہ کا دیگر راتوں سے، حالانکہ نہی وارد ہے
کہ دن جمعہ کو خاص کرے روزہ کے لئے یا رات جمعہ کو خاص
کرے قیام کے لئے۔“

اور مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی
روایت نقل کی ہے کہ:

”لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلواته
يرى ان حقا عليه أن لا ينصرف الا عن يمينه.“

ترجمہ:.... ”تم میں سے کوئی اپنی نماز سے شیطان کے
لئے کسی چیز کو نہ بنائے، وہ یہ کہ اعتقاد کرے کہ (نماز سے)
دائیں جانب ہی پھرے گا۔“

اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

”من أصرَّ على مندوب وجعله عزماً ولم يعمل

بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف
من أصرَّ على بدعة...؟“

ترجمہ:.... ”جو امرِ مستحب پر ہمیشگی کرے اور اس کو اعتقاد
ہی بنالے اور رخصت پر عمل نہیں کرتا، سو بے شک شیطان نے
گمراہ کرنے کا اس سے حصہ لے لیا ہے، پھر کیسا ہوگا وہ شخص جو
بدعت پر ہمیشگی کرے...؟“

ان عبارات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ بعض مستحبات بوجہ اصرار اور
بعض بوجہ خصوصیات غیر منقولہ عن الشارع مکروہ اور ناجائز ہو جاتے ہیں، بناءً علیہ
صورتِ مسئلہ میں سات جمعرات تک کھانا کھانا اور سورۃِ اخلاص وغیرہ پڑھنے کو
ضروری سمجھنا اور نہ پڑھنے والے کو عار دلانا اور ملامت کرنا، بلکہ اس کے سوا یہ اعتقاد
رکھنا کہ ثواب موتی کو نہ ملا، چنانچہ مثل مشہور ہے: ”فاتحہ نہ دُرود، کھا گیا مردود“ شرعاً
ناجائز اور بدعت ہے، اس لئے کہ:

اولاً:... اس وجہ سے کہ یہ فعل بایں تخصیص خیر القرون میں نہ تھا، مگر اب
اُسے ثواب سمجھا جاتا ہے، فہو بدعت۔

ثانیاً:... اس وجہ سے کہ اس کو لازم سمجھتے ہیں، اور نہ کرنے والے کو ملامت
کرتے ہیں۔

ثالثاً:... کہ اکثر تفاخر، ریا، شہرت، دفعِ ملامت، رفعِ عار اور پابندیِ رواج
کے لئے کرتے ہیں۔

رابعاً:... کبیری شرح منیہ ص: ۴۱۱ میں صلوة الرغائب کی وجوہِ کراہت ذکر
فرماتے ہیں کہ:

”ان العامة يعتقدونها سنة من سنن النبي صلى
الله عليه وسلم، فيكون فعلها سبباً لكذبهم عليه، عليه
الصلوة والسلام“

ترجمہ:.... ”بے شک عام لوگ اس کو حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت سمجھتے ہیں، پس ان کا کرنا حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا جھوٹ بولنا ہوگا۔“

اب سوچیں کہ عوام، بلکہ بعض خواص ان کے کرنے کا ایسا اہتمام وسعی کرتے
ہیں کہ دیکھنے والا اس کو سنت بجائے خود واجب سمجھنے لگتا ہے، وگرنہ تارک پر عار اور
ملامت نہ کرتا، فرض سے کسی چیز کو بڑھانا کہ تقسیم ورثہ کی پروا ندارد، نہ اس کا اعلان و
اعلام، اور جمعرات و قل خوانی کے لئے اتنا اجتماع، اہتمام اور بلانا، وغیر ذالک۔

خلاصہ یہ ہے کہ میت کو ثواب بخشنا نعمت ہے، میت کا بھی فائدہ ہے اور
دینے والے کو بھی ثواب ہے، مگر قانون شرع کے مطابق ”حسبۃ للہ“ ہو اور اخلاص
سے ہو، ریا وغیرہ نہ ہو، حلال مال سے ہو، اور مصرف یعنی دینے کی جگہ غریب، یتیم
وغیرہ ہو، گو غنی کو صدقہ نفلی دینا جائز ہے، مگر غریب کو دینا بہتر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی سید الخلق والفضل الخلق والحمد للخلق والی الہ واصحابہ

والنساء (جمعین من الصلوۃ والسلام) فضلهما والحمد لهما والودھما

سبحانک اللہم وبحمدک انہدک لا الہ الا انت استغفرک والنور البین

اللہم تقبل منا انک انت السميع العليم

ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

بندہ نے رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیا، تمام جواب محققانہ اور صحیح ہیں، جو کچھ حضرت مصنف مدظلہ نے تحریر فرمایا، قرآن و سنت اور فقہ حنفی کے عین مطابق ہے، فجزاہم اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء، فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم!

بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہ

بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

خادم الافاء، خیر المدارس ملتان

مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ملتان

مورخہ ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا، اَمَّا بَعْدُ!

رسالہ ہذا کو دیکھا، مسائل مرقومہ کا غور سے مطالعہ کرنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ محترم مؤلف دامت برکاتہم نے نہایت احتیاط کے ساتھ افراط و تفریط سے یکسو ہو کر سب کچھ وضاحت سے تحریر فرمایا ہے، اور نہایت خلوص سے مسلمانوں کی ابتدائی حالت پر شفقت فرماتے ہوئے نرم الفاظ اور سلجھے ہوئے لب و لہجے سے ایک تبلیغی و تعلیمی خدمت انجام دی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف دام مجدہم کو جزائے خیر عطا فرما کر عامۃ المسلمین کو اس تالیف سے نفع بخشے، آمین! مجھے اس کے مندرجات سے کلی اتفاق ہے۔

احقر محمود عفا اللہ عنہ

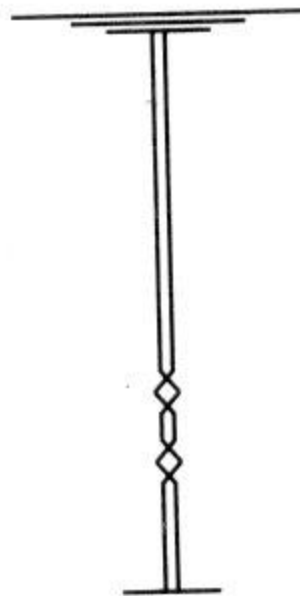
مفتی و مدرس عربی مدرسہ قاسم العلوم، ملتان

۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ

تیری استغناء کے جواریاں

یعنی

زمین کے عشر اور شینہ کا حکم



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ

اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا خَیْرِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی

وَعَلٰی اٰلِهِ الْمُرْتَضٰی وَاَصْحَابِهِ الْمُجْتَبٰی، اَمَّا بَعْدُ!

بندہ عرض پرداز ہے کہ من جملہ ارکان اسلام کے زکوٰۃ بھی ہے، جیسے ہر مسلمان عام و خاص کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد ضروری ہے، ویسے ہی زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، عام لوگ سونا چاندی کی زکوٰۃ اور بعض عوام صرف مویشی کی زکوٰۃ کے تو معتقد ہیں، مگر زمین کی زکوٰۃ جس کو ”عشر“ کہتے ہیں، اکثر لوگ اس کے معتقد نہیں، لہذا علماء کبار و مفتیان عظام مدظلہم سے فتویٰ لے کر پیش خدمت کیا جاتا ہے، شاید ہدایت کا موجب ہو جائے۔

نیز تقسیم وراثت میں اکثر (لوگ) تغافل فرماتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ وراثت کی تقسیم کے بھی معتقد نہیں، بعض تو صریحاً اس کا انکار بھی کر دیتے ہیں، اور بعض ہزار حیلے سے شرعی وراثت، مثلاً: بیٹی، بہن وغیرہ کا حصہ انتقال زمین کے وقت رشوت دے کر غبن کر لیتے ہیں، اور اگر بالفرض زمین کا انتقال ہو بھی گیا تو پیداوار دینے سے انکاری ہیں، اور خانگی چیزوں سے کچھ دے دیا اور اکثر چھپا لیا جاتا

ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زمین و جائیداد ہی ان کی رزاق ہے، حکم خداوندی کے فرض کی تعمیل سے توجی چراتے ہیں، مگر جو چیزیں فرض و واجب نہیں، مثلاً: جمعراتیں و قل خوانی وغیرہ، ان کے پورا کرنے میں تمام اہل و عیال سرگرداں اور کمر بستہ ہیں، اور نہ کرنے پر حیران و پریشان ہیں، چنانچہ اگر کوئی جمعرات نہ ہو سکے یا قل خوانی وقت پر ادا نہ ہو سکی تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ادا نہ ہوئی؟ خیر تو ہے؟ ذرا سی تاخیر پر ہزار ملامت کا نشانہ بنتا اور بدنام ہوتا ہے، اور بخیل وغیرہ کے طعنے سننے پڑتے ہیں، اگر بالفرض ان چیزوں کو چھوڑ دے تو: ”وہابی ہے، کافر ہے“ کا خطاب ملتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک فرض کے ترک یا انکار سے ایمان و اسلام ثابت رہتا ہے، مگر مستحب یا مباح کے چھوڑنے پر نہ مؤمن رہتا ہے، نہ مسلم، بلکہ وہابی، کافر اور دوزخی ہو جاتا ہے، بلکہ بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ مردہ کی رُوح کو جس چیز کا ثواب بخشے جائز ہے، خواہ طعام کا ثواب بخشے یا کلام، دُعا کا، اسی طرح اگر قرآن مجید پڑھ کر بخشے، کپڑا، گندم وغیرہ کسی غریب کو دے کر اس کا ثواب بخشے تو درست ہے۔

یہ بھی متفقہ مسئلہ اور قانون ہے کہ اگر شہرت، ریا، نمود یا تفاخر کے لئے دیا، خواہ تھوڑی چیز ہو یا بہت، ناجائز ہے، جب دینے والے کو شاہی دربارِ الہی تعالیٰ سے کچھ نہیں ملا تو اس کے مردہ بھائی، بہن، باپ یا ماں کو کیا ملے گا؟ بلکہ ریا و شہرت وغیرہ کے لئے دینا دُنیا و آخرت میں رُسوائی کا موجب ہے، نہ کہ اجر و ثواب کا۔

اسی طرح اگر رواج کی پابندی پر دیا یا دفعِ ملامت کے لئے دیا تو للہیت نہ ہونے کی وجہ سے، دینے والے کو ثواب نہیں ملے گا، تو مردہ کو کیا ملے گا؟

اسی طرح ورثاء میں اگر یتیم یا نابالغ ہیں یا بعض وارث اس قدر خرچ پر

راضی نہیں، مگر زبان سے بول نہیں سکتے تو خیرات کا ثواب دینے والے کو نہیں ملا، مردہ کو کیا ملے گا؟ ثواب تو اس چیز کا ملے گا جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے مستحق کو، اور مالِ حلال سے دی جائے، اور ریا اور شہرت وغیرہ کی نیت بھی نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے قبول فرما لیتے ہیں، اور دینے والے اور پڑھنے والے کو دُنیا و آخرت میں اضعافاً مضاعفہ، یعنی ایک چیز کی دس، سات سو یا لاکھوں کا انعام عطا فرماتے ہیں، پھر یہ شخص اس کا ثواب و انعام جس کو چاہے بخشے، خواہ زندہ کو یا مردہ کو، ایک کو یا ہزاروں کو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل، کرم اور رحم سے اُن کو پہنچا دے گا اور دینے والے کو بھی خالی نہیں رکھے گا، بلکہ اس کو بھی سب کچھ ملے گا، من فضل اللہ لیس ببعید!

قرآن مجید میں ہے:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ

الْحِسَابُ“ (ابراہیم: ۴۱)

ترجمہ:.... ”اے ہمارے رب! مجھے، میرے ماں باپ اور تمام مؤمنین کو بخش دے، اس دن میں کہ جس میں حساب ہوگا، یعنی قیامت کے دن میں۔“

اسی طرح دوسری جگہ ہے:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا

بِالْإِيمَانِ“ (الحشر: ۱۰)

ترجمہ:.... ”اے ہمارے رب! ہم کو بخش اور ہمارے

اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے گزرے ہیں ایمان کے ساتھ۔“

اگر ایک مسلمان دُوسروں کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تو کیا ان کے لئے مغفرت بھی طلب نہیں کر سکتا؟

اب عرض ہے کہ مردہ کی رُوح کو ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے، فرض اور واجب نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کو ثواب نہیں بخشا تو وہ مجرم نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن اس سے اس سلسلے میں باز پرس نہ ہوگی کہ تم نے ثواب کیوں نہ بخشا تھا؟ ہاں! فرض کے انکار یا عدم تعمیل پر پوچھا جائے گا کہ اس کی تعمیل کیوں نہ کی تھی؟ اور حیلے بہانے سے تعمیل فرمان کو ضائع کیوں کر دیا تھا؟ اب دیکھئے کہ مستحب یا جائز چیز کی تو اس قدر تعمیل و عزت افزائی! کہ اُسے فرض کے برابر سمجھا گیا، اور فرض کی اس قدر تحقیر و تذلیل کہ وہ مستحب و مستحسن کی مقدار کا بھی نہ رہا، لہذا استفتاء جو پڑعیدین سے آیا اور خیر المدارس کے مفتی مدظلہ نے اس پر جو فتویٰ دیا، بعینہ پیش خدمت ہے۔ اتفاقاً بندہ پڑعیدین حاضر ہوا اور مولانا محمد ابراہیم صاحب نے اس فتویٰ پر عمل کر کے لوگوں کو دکھا دیا کہ فرض کی تعمیل اس طور سے کی جاتی ہے، گویا مردہ فرض کو عملاً زندہ کر کے دکھا دیا، جزاء اللہ فی الدارین خیر! ذیل میں استفتاء اور اس کا جواب درج کیا جاتا ہے:

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین عشر زمین کے بارے میں؟ عرض ہے کہ عشر زمین کی پوری تشریح فرمائیں، کیونکہ:
۱.... سبزیاں ہر روز ہوتی ہیں، کریلے، توری وغیرہ،
اس کا عشر کیسے ہو؟

۲.... بعض زمینیں ایسی ناقص ہوتی ہیں کہ بیج پورا نہیں ہوتا اور سرکار معاملہ و آبیانہ ضرور لے لیتی ہے، وہ آبیانہ گندم وغیرہ نکلی ہوئی سے دُگنا یا زیادہ ہوتا ہے، کیا اس کے باوجود بھی عشر دے اور معاملہ و آبیانہ بھی بھرے؟ اور لائے تو کہاں سے لائے؟
۳.... کیا عشر زمیندار پر ہے؟ یا مزارع پر بھی ہے؟

مزارعت تو مزدوری ہے، پھر مزدور پر عشر کیوں ہوا؟

۴: ... بادشاہ مسلمان ہے، جو معاملہ و آبیانہ لے رہا

ہے، وہی عشر ہونا چاہئے؟ نہ کہ معاملہ و آبیانہ کے؟

۵: ... جوار، برسم وغیرہ بیلوں کے چارہ کے لئے بوئی

جاتی ہے، جانور کھاتے ہیں، اس کا عشر کیسے ادا ہو؟ اگر رقم لگائی

جائے تو زمین والے کے پاس کھانے کو نہیں، رقم کہاں سے

لائے؟ عشر بھی ادا کرے اور معاملہ، آبیانہ وغیرہ بھی۔

حضرت! ہم جاہلوں کی تسلی کرائیں اور جلدی کرائیں،

تمام شبہات کا تسکین بخش جواب ہو۔ المستفتی

غلام محمد

بمقام حبیب آباد ڈاک خانہ شجاع آباد

۱۶ محرم ۱۳۸۴ھ۔

الجواب:

۱: ... روزانہ حاصل شدہ سبزی کا وزن کر کے دسواں یا بیسواں حصہ محلہ کے

فقراء پر تقسیم کر دیا جائے، اگر مقدار بہت قلیل ہو تو روزانہ وزن نوٹ کرتا رہے، جب

دوسرے یا چوتھے روز اس کی مقدار پانچ دس سیر ہو جائے تو دسواں یا بیسواں حصہ ادا

کردے۔

۲: ... اول تو ایسی ناقص زمینوں کو عموماً کاشت نہیں کرتے، بلکہ شاذ و نادر

کوئی ایسا ہوگا جو ایسی ناقص زمین کو کاشت کرے، جس سے بیج ہی پورا نہ ہو، اور اگر

کوئی شخص ایسا گھاٹے والا کام کرتا ہے، اس کے باوجود گورنمنٹ کو دگنا یا اس سے

زائد خرچہ دیتا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے دسواں یا بیسواں حصہ نہیں دے سکتا؟ جبکہ

گورنمنٹ کو کل آمدنی سے دُگنا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو فقراء کے لئے آمدنی میں سے دسواں یا بیسواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔

۳:.... زمیندار اپنے حصے کا عشر نکالے اور مزارع اپنے حصے کا، واضح رہے کہ مزارع تو پیداوار میں شریک ہوتا ہے، اسے مزدور کہنا غلطی ہے، مزدور تو وہ ہوتا ہے جو ہل چلانے یا کسی اور کام پر یومیہ دو، ڈھائی روپیہ اجرت وصول کرتا ہے، اور پیداوار سے اس کا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا، برخلاف مزارع کے جو پیداوار میں شریک ہوتا ہے۔

۴:.... آبیانہ تو پانی کا معاوضہ ہے، اور اس کی ادائیگی پر شریعت نے بھی بجائے عشر کے بیسواں حصہ رکھا ہے، جس زمین کا آبیانہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے یا اسے کنوؤں سے پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے، اس کا بجائے دسواں کے بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، پس آبیانہ کی دی ہوئی رقم عشر میں محسوب نہ کرنی چاہئے، آبیانہ کے علاوہ گورنمنٹ مالیہ وصول کرتی ہے، چونکہ انگریزی دور حکومت سے یہ مالیہ وصول کیا جاتا ہے اور اس کے مصارف ہرگز عشر کے نہیں ہوتے، اور نہ ہی آج کل اسلامی قانون ملک میں رائج ہے، اور نہ ہی ہم یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ مالیہ کی حقیر رقم کو عشر میں محسوب کیا جائے۔

۵:.... جو گھاس اور چارہ بیلوں کے لئے کاٹیں، اس کو تول کر یا اندازہ سے اس کا دسواں یا بیسواں حصہ فقراء کو دے دیں، فقراء کی بکریاں وغیرہ ہوتی ہیں، وہ استعمال کر لیں گے یا بیچیں گے، زمینداروں کے لئے گھاس دینا مشکل نہیں، اور عشر میں اسی لئے پیداوار کا حصہ رکھا گیا ہے، اگر کسی زمیندار کے پاس پیسے ہوں تو پیسے بھی دے سکتا ہے، شریعت میں بحمدہ تعالیٰ آسانی ہے، فقط واللہ اعلم!

عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس

۱۳۸۴/۱/۱۸ھ

گزشتہ فتویٰ پر شبہ کیا گیا، دوبارہ بھیج کر جواب لیا:

”حضرت! ایک شبہ باقی ہے، اس کا جواب مسکن قلب

ارشاد ہو، قدوری، باب زکوٰۃ الزروع والثمار میں صفحہ: ۶۶ پر

ہے: ”قال ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) فی قلیل ما اخرجته

الارض و کثیرہ العشر واجب، سواء سقى سیحا او سقته

السماء الا الحطب والقصب والحشیش، وقال ابو یوسف

ومحمد (رحمہما اللہ تعالیٰ): لا یجب العشر الا فیما لہ

ثمرۃ باقیۃ اذا بلغت خمسۃ اوسق، والوسق ستون صاعاً

بصاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولس فی الخضروات

عندہما عشر، وما سقى بغرب او دالیۃ او سانیۃ ففیہ نصف

العشر علی القولین. انتهى“

حشیش یعنی گھاس میں عشر نہیں ہے، جوار، برسم وغیرہ

بھی گھاس ہیں، ہاں! اگر جوار پکائی جائے، پھر دانوں پر عشر

ہوگا، نہ کہ محض گھاس پر۔ اور ”لس فی الخضروات عندہما

عشر“ صاحبین کا مذہب ہے، اور باقی ائمہ کرام اکثر کا مذہب

ہے، اگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے تو مجرم نہ ہوگا۔ اور صاحبین کے

مذہب پر عمل کرنے سے حقیقت سے بھی خارج نہیں ہوتا، اور

بہت سے مسائل جیسے بٹائی پر زمین کا دینا حضرت امام صاحب کا

مذہب نہیں ہے، وغیر ذالک، اُن میں صاحبین کے اقوال پر فتویٰ

ہے، اس میں بھی ہونا چاہئے۔

والسلام

غلام محمد عفی عنہ

۲۸ محرم ۱۳۸۴ھ

الجواب:

فتاویٰ شامیہ کی تفصیل کا مطالعہ کرنے سے یہ تحقیق معلوم ہوئی ہے:

۱:.... حشیش سے مراد عام گھاس اور چارے نہیں ہیں، بلکہ خود روگھاس مراد ہے جو کہ بغیر کاشت کے اراضی میں خود بخود اُگ آتی ہے، کتب لغت میں اس کی یہی تفسیر تحریر ہے، ایسی خود روگھاس پر عشر نہیں ہے۔

۲:.... جو گھاس کہ بالقصد زمین میں کاشت کی جائے اور مقصد یہ ہو کہ جانوروں کے لئے چارہ حاصل کیا جائے گا، اس میں امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عشر واجب ہے، ایسی گھاس کو رطاب کہتے ہیں (واحدة رطبة) اس کے بارے میں عالمگیری ج: ۱ ص: ۹۵ میں ہے: ”ويجب العشر عند أبي حنيفة في كل ما يخرج من الارض من الحنطة والشعير (الى ان قال) البقول والرياحين والاوراد والرطاب الخ.“ واضح رہے کہ حشیش وغیرہ جن چیزوں میں بالاتفاق عشر نہیں ہے، اگر زمین کو ایسی خود روگھاس کے ساتھ مشغول رکھا جائے اور اس سے آمدنی مقصود ہو، تو پھر اس میں بھی عشر واجب ہے، کما فی رد المحتار ج: ۲ ص: ۶۸۔

۳:.... جوار، مکئی، باجرہ، گیہوں وغیرہ اگر زمین میں کاشت کرے اور پکنے سے پہلے بطور چارہ کے کاٹ کر جانوروں کو کھلائے تو اس میں بھی عشر ہے۔ شامی ج: ۲ ص: ۶۸ ”قوله وتبن بالباء الموحدة قال في الفتح غير انه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فيه لانه صار هو المقصود.“

تنبیہ:.... یہ سب تفصیل بنا بر مذہب امام اعظمؒ ہے، صاحبین کے نزدیک

ان تمام مذکورات میں عشر نہیں ہے، مگر ارباب فتاویٰ نے اس مسئلہ میں احتیاط کے پیش نظر امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، فقط واللہ اعلم!

عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی مدرسہ خیر المدارس
۱۳۸۴/۱۲/۲۷ھ

(الحمد للہ وکفی و سلام علی عباده (الزین) (صطفیٰ)!

عرض: پڑعیدن والوں کا یہ خط آیا، بندہ نے وہی خط خیر المدارس بھیج کر جواب لیا، جوابی لفافہ ساتھ تھا، اس لئے انہوں نے جواب تحریر فرما کر پڑعیدن بھیج دیا، بندہ دوسرے رفقاء کی دعوت پر پڑعیدن حاضر ہوا، انہوں نے فتویٰ دکھایا، وہی نقل مطابق اصل لے لیا، وہی فتویٰ پیش خدمت ہے، شاید کسی کو ہدایت ہو جائے، والسلام۔
وہ خط یہ ہے:

”از پڑعیدن جنکشن

بخدمت جناب قبلہ حضرت پیر مرشد و ہادی و رہبر
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد نیاز کے عرض ہے کہ ہمارے امام مسجد مولوی محمد
ابراہیم کی بیوی کا ۲۲ شوال ۱۳۸۴ھ کو انتقال ہوا، جس میں مولوی
صاحب نے کچھ ایسے معمول کئے جو پہلے نہیں ہوئے، اس لئے
جماعت نے جناب کی خدمت میں یہ چند سوال تحریر کئے ہیں،
آپ ان کا حل فرمائیں۔

مسئلہ:.... جنازہ کے بعد دُعا کا مانگنا یا نہ مانگنا جائز

کیسے ہے؟

مسئلہ ۲: ...قبر پر بیٹھ کر قرآن کھول کر کے قرآن مجید کی تلاوت کرنا یا زبانی پڑھنا۔

مسئلہ ۳: ...میت کے دفنانے کے بعد قبر سے چالیس قدم پر دُعا کرنا یا مانگنا۔

مسئلہ ۴: ...تیسرے دن بھنے ہوئے چنوں پر جس میں کچھ میٹھے مکھانے بھی ہوں، کلمہ پڑھنا یا دُرود شریف پڑھ کر ان کا تقسیم کرنا۔

ان باتوں میں سے مولوی محمد ابراہیم صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا، صرف نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن کرنے کے بعد دُعا کی۔

عبدالجبار بقلم خود

دستخط:

منصور علی محمد خان عمرگل۔

پڑعیدن

الجواب:

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین سے ثابت نہیں، اس لئے فقہائے کرام نے اسے ناجائز و مکروہ لکھا ہے۔

بحر میں ہے ج: ۲ ص: ۱۹۷ ”وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا يدعو بعد

التسليم كما في الخلاصة.“

اور مرقاة شرح مشکوٰۃ میں ہے: ”ولا يدعو للميت بعد الجنابة لانه

يشبه الزيادة في صلوة الجنابة.“ ج: ۲ ص: ۳۱۹۔

۲: ... وفي العالمگیریة ج: ۲ ص: ۱۰۶ ”وحكى من الشيخ الامام
الجليل ابی بكر محمد بن الفضل ان قراءة القرآن فی المقابر اذا اخفی ولم
يجهر لا یکره.“

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ قبر کے ساتھ بیٹھ کر آہستہ آہستہ قرآن پاک کی
تلاوت اور پڑھنے میں گنجائش ہے۔

۳: ... بدعت ہے، سلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

۴: ... یہ بھی بدعت ہے، فقط واللہ اعلم!

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

نائب مفتی خیر المدارس

۱۳۸۴/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس

شبینہ کا حکم

بسم اللہ حامداً ومصلیاً علی خیر خلقہ محمد

والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

ہمارے ملک میں شبینہ پڑھانے کا عام رواج ہے، جس میں علماء، صوفیاء اور
عوام سب کے سب کوشاں ہیں، اسے بہشت کا ذریعہ، دوزخ سے بچنے کا سبب اور
قرب خداوندی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت ایسا ہی ہے، بشرطیکہ اس میں دوسرے
اغراض و اغلاط کی آمیزش نہ ہو جائے، مگر اس میں بعض یا اکثر چیزیں ایسی شامل

ہو گئیں جن سے روحانیت، قرب اور ثواب تو جاتا رہا، مگر قشر (چھلکا) بے مغز اور جسم بے روح رہ گیا، ظاہری بناوٹ و ملمع سازی رہی اور حقیقت و اصلیت پرواز کر گئی، اسی لئے مدت ہوئی کہ کراچی سے فتویٰ منکویا گیا تھا، مگر طباعت میں نہ آسکا، اب دوسرے فتاویٰ کے ساتھ ملا کر پیش خدمت کیا جاتا ہے، تاکہ سمجھ دار عاشقِ خدا تعالیٰ اور حضور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کا فدائی اغلاط سے بچ کر اصل و حقیقت پر عمل کر کے قربِ الہی اور قربِ نبوی حاصل کر سکے اور اغلاط سے بھی بچ سکے، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ استفتاء و جواب استفتاء پیش خدمت ہے، نقل مطابق اصل ہے۔

”بسم اللہ حامداً ومصلیاً“

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامی شرع متین کہ ہمارے گرد و نواح شہروں میں شبینہ ہوا کرتا ہے، یعنی حفاظِ کرام کو جمع کر کے ایک رات میں قرآن مجید کا ختم سنتے ہیں اور اس کو ثواب و نجاتِ آخرت کا ذریعہ جانتے ہیں، (بے شک قرآن مجید کا سننا ہر مسلمان کے نزدیک نعمت، رحمت، فضل اور احسان ہے، اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟) مگر اس میں چند چیزیں پیدا ہو چکی ہیں، مثلاً:

۱۔۔۔ اگر ایک نے دعوت کی، تو دوسرے نے اس سے بڑھ چڑھ کر دعوت کو ملمع کیا اور رونق افزوں کی، بظاہر شہرت کا مبنی معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے کہ اخلاص ہو۔

۲۔۔۔ ہر حافظ یہ چاہتا ہے کہ میرا نام بالا ہو اور سب سے آگے نکلوں، جس کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی کو قراءت میں

کوئی لفظ اُٹک گیا، اس پر ہر طرف سے ہزار ملامت، استہزاء اور طعن تشنیع آنے لگا، وہ شرمسار در شرمسار ہو جاتا ہے۔

۳:۔۔۔ پیچھے سننے والے حفاظ تمام رکعتوں میں پڑھنے والے امام کے پیچھے نہیں رہتے، بلکہ فارغ از نماز بیٹھے رہتے ہیں، بات چیت آہستہ آہستہ یا ذرا بلند آواز سے کرتے رہتے ہیں، جب حفاظ کو قراءت اُٹک گئی، فوری اللہ اکبر کر کے نیت باندھ کر امام سے وہ آیت دوبارہ پڑھوائی اور بتلایا، پھر نماز توڑ کر بیٹھ گئے، نماز کی نیت باندھنا، اللہ اکبر کرنا، بتلانا، پھر بغیر عذر کے نفل توڑنا، یہ سب کچھ کرنا، پھر اس باطل کردہ نفل کو ممکن ہے کہ کبھی قضا کرتے ہوں یا نہ بھی کرتے ہوں۔

۴:۔۔۔ کبھی امام کے آگے لاؤڈ اسپیکر رکھتے ہیں، دُور دُور تک آواز جاتی ہے، شہر والے اور دیہات والے اپنے اپنے کام میں، بات چیت میں اور لڑنے جھگڑنے میں ہوتے ہیں، کوئی سننے کے لئے کان دھرتا بھی ہوگا، اور اس حالت میں شبینہ والی رات میں کوئی فحش بھی ہوتا ہوگا، اور کوئی اپنی بیوی کے ساتھ مجامعت بھی کرتا ہوگا، وغیرہ ذالک۔

۵:۔۔۔ ان حفاظ کو کبھی کوئی عطیہ و انعام بھی دیا جاتا ہے، اور کسی جگہ نہ دینے والا مطعون، بخیل کہلایا جاتا ہے، وغیرہ ذالک۔

اب عرض یہ ہے کہ اگر یہ شبینہ اغلاط سے خالی ہو اور محض اخلاص پر مدار ہو، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اسلاف یا

اُمّہ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ سے یا قولِ ضعیف کتبِ فقہ حنفیہ سے منقول ہے یا نہیں؟ بدعت تو نہ ہو جائے گا؟

۲: ... اور ان مذکورہ بالا اغلاط کے ہوتے ہوئے پھر بھی

ثواب اور جزائے آخرت کی اُمید رکھنا چاہئے یا نہیں؟

۳: ... لاؤڈ اسپیکر کے ہوتے ہوئے صرف اُن مسجد یا

صحن والوں کو قرآن مجید کا سننا واجب ہے؟ یا سب حاضرین مجلس، غائب اور دُور و قریب والوں پر سننا واجب ہوگا؟ اگر سب پر واجب ہے اور نہ سنا، تو کیا یہ سارے کے سارے گناہ گار ہوں گے؟ اس دوران باتیں اور جماع وغیرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۴: ... کیا اس طور نفل کی نیت باندھنا اور توڑنا جائز ہے

یا نہیں؟ عرض ہے کہ مفتی صاحب اس میں لیت و لعل نہ کرے، بلکہ نقل کتاب سے مسئلہ تحریر فرمائے اور فتویٰ کو حسب شریعت روشن فرمائے، جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً!

عبداللہ عفی عنہ

از اسلام آباد ڈاک خانہ شجاع آباد
ضلع ملتان ۵ شعبان ۱۳۷۹ھ۔

الجواب:

شبینہ مروجہ اگر مفاسد سے خالی ہو تو جائز ہے، نفسِ شبینہ کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، مشکوٰۃ المصابیح کی اس روایت سے ممانعت ثابت کرنا شراحِ حدیث کی تشریح کے پیش نظر مشکل ہے، وہ حدیث یہ ہے:

”عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلى الله

عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في اقل من

ثلاث.“ (رواه الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

اس حدیث کے ذیل میں شرح کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے، اُس کا

خلاصہ یہ ہے:

”ظاهره المنع من ختم القرآن في اقل من هذه

المدة، ولكنهم قالوا قد اختلف عادات السلف في مدة

الختم، فمنهم من كان يختم في كل شهرين ختمة،

واخرون في كل شهر، وفي كل عشر واسبوع الى

اربعة، وكثيرون في ثلاث، وكثيرون في يوم وليلة

وجماعة ثلاث ختمات في يوم وليلة، وختم بعض

ثمانى ختمات في يوم وليلة، والمختار انه يكره التأخير

في الختمة اكثر من اربعين يوماً، وكذا التعجيل من

ثلاثة ايام، والاولى ان يختم في الاسبوع، والحق ان

يختلف باختلاف الاشخاص.“

حاصل یہ ہے کہ ختم قرآن میں سلف کی عادت مختلف منقول ہوئی ہے، حتیٰ

کہ بعض بزرگوں نے شب و روز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے، اس لئے

مطلقاً تین روز سے کم میں ختم کو مکروہ کہنا نامناسب ہے، غرضیکہ علت ممانعت عدم تفقہ

و تدبر فی القرآن ہے، اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ و تدبر ممکن ہو تو ممنوع

نہیں، جیسا کہ بعض سلف کی عادت تحریر ہو چکی، اور یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ سلف کے

فعل کو مکروہ کہیں۔

البتہ شبینہ مروجہ میں بہت سے مفاسد ہیں، کچھ مفاسد تو استفتاء میں درج ہیں، اُن کے علاوہ بھی بعض مفاسد مشاہدہ میں آئے ہیں، مثلاً: تراویح پڑھنے کے بعد مجمع کثیر کے ساتھ نفل کی جماعت ہوتی ہے، اور اس میں شبینہ پڑھا جاتا ہے، اور فقہاء کی تصریح ہے کہ مجمع کثیر کے ساتھ نفل کی جماعت مکروہ ہے۔ اور اگر تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو ایک دوسری کراہت لازم آتی ہے، یعنی امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے، اس کی مخالفت یقیناً ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قراء کا ترتیل و تجوید کو ترک کرنا، حالانکہ فقہاء نے اس قسم کی جلدی کرنے کو مکروہ کہا ہے، اور اُن لوگوں کی عادت قرار دیا ہے جن کے دل خوف و خشیت الہی سے خالی ہیں۔

طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے:

”ويحذر من الی ان قال وترك الترتیل
وترک تعدیل الارکان وغیرھا کما یفعلہ من لا خشیۃ
لہ.“ (ص: ۲۴۹)

درمختار اور کبیری شرح منیہ میں بھی بعینہ یہی الفاظ ہیں۔

پھر اس قسم کے شبینوں سے اکثر فخر و نمود کا قصد ہوتا ہے، اور کہیں عوض مالی کی اُمید، اور سامعین کا استماع قرآن کے اکثر آداب کو ضائع کرنا اور جماعت کا کسل مند ہونا اور ضرورت سے زیادہ روشنی وغیرہ کا تکلف کرنا و مثل ذالک یطول ذکرہ، اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفاسد غالب ہیں اور عادتہً مثل لازم کے ہو گئے ہیں، لہذا منع کرنا ہی احوط ہے اور اسی پر فتویٰ دینا چاہئے۔

”وفی الدر المختار بحث سجدة الشکر لان
العامۃ یعتقدونها سنة او واجبة وکل مباح یؤدی الیہ
فمکروہ. وفی رد المحتار تحت قول صاحب الدر فی

صلوة الرغائب فلو ترك امثال هذه الصلوة تارك

ليعلم الناس انه ليس من الشعائر فحسن.

۱:۔۔۔ جہاں تک احقر کی ناقص معلومات کا تعلق ہے، مشہور فتاویٰ میں شبینہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ائمہ کبار سے اس کے متعلق کوئی قول منقول ہے، لیکن اس کے ذکر نہ ہونے سے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس کی اصل موجود ہے، اور جس امر کی اصل موجود ہو اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، اس لئے مدارِ ممانعت شبینہ کا اس امر پر نہ رکھا جائے، بلکہ ان عوارض و مفاسد پر رکھا جائے جو سابق میں ذکر ہوئے۔

”فی الدر المختار مکروہات الصلوة وترکھا

ای قلب الحصی اولی فی رد المحتار لانه اذا تردد

الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحاً علی

فعل البدعة.“

۲:۔۔۔ مذکورہ بالا مفاسد کے ہوتے ہوئے ثواب اور جزائے آخرت کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔

۳:۔۔۔ جو لوگ مسجد یا صحن مسجد میں جمع ہیں اور وہ قرآن سننے کے لئے جمع ہیں، ان پر ضروری ہے کہ قرآن سننے کے آداب کو ملحوظ رکھیں، اور جو لوگ قرآن سننے کے لئے جمع نہیں ہوتے ہیں بلکہ اپنے گھروں پر ہیں اور قرآن سننے کا ارادہ نہیں ہے، اور ان کو زبردستی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سنوایا جائے اور وہ آداب قرآن کو ملحوظ نہ رکھیں، تو اس کا گناہ سننے والوں پر نہیں ہوگا، بلکہ سنانے والوں پر ہوگا۔

”قال فی الخلاصة رجل یکتب الفقه و (بجنبه)

رجل یقرأ القرآن فلا یمکنه استماع القرآن فلا اثم علی

القاری، وعلى هذا لو قرأ على السطح فى الليل جهراً
والناس نيامً يَأْثِمُ نفسه. (روح المعانی تحت قول اللہ عزوجل:

”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ ج: ۹ ص: ۱۵۳)

۴: نفل کی نیت باندھنے سے اس کا اتمام ضروری ہوتا ہے، اور اس کو توڑ لیا

جائے تو اس کی قضا ضروری ہے، کما فی عامۃ کتب الفقہ، واللہ تعالیٰ اعلم!

احقر ولی حسن عفی عنہ

مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

۳۰ شعبان ۱۴۲۹ھ

www.ahlehaq.org

تَعَطُّلِ سِرِّ الشَّعَائِرِ

یعنی

شعائر اللہ کی تعظیم

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ

اصْطَفَى خُصُوصًا عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى خَيْرِ

الْوَرَى وَعَلَى آلِهِ الْمُرْتَضَى، أَمَّا بَعْدُ!

عرض یہ ہے کہ: اگر گوش بابتہ داری نخست۔ میں یوں تو نہیں کہتا کہ ہم مسلمان نہیں ہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ ہم میں سے اکثر کو شعائر اللہ مسجد وغیرہ کی عزت و عظمت نہیں ہے، گویا جیسے چاہو مسجد میں شور و شغب مچاتے رہو، گالم گلوچ، فحش بکتے رہو، بدبو کے ساتھ آتے جاتے رہو، ایسا لگتا ہے جیسے ہمارے ہاں مسجد بیت اللہ نہیں، بلکہ دنیوی مجالس و مفاسد کی قیام گاہ ہے، اسی طرح ہمارے ہاں ماں باپ کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے، ان کی خدمت نہیں کی جاتی ہے، بلکہ ان سے خدمت لی جاتی ہے، علیٰ ہذا القیاس۔

عورتیں بے لگام و بد لحاظ ہیں، مردوں کو ٹھوک کر جواب دیتی ہیں، خدمت کرنے کے بجائے مردوں سے خدمت لیتی ہیں، ان جیسے حقوق کے ضائع کئے جانے کے بعد بھی ہماری مسلمانی میں فرق نہیں آیا!

ہرگز م باور نے آید ز روئے اعتقاد
 ایں ہمہ ہا کردن و دین پیمبر داشتن
 ترجمہ: "...مجھے از روئے اعتقاد ہرگز یقین نہیں آتا کہ
 ایسے کر توت کرنا اور پیغمبر کا دین رکھنا۔"

اسی ضرورت کے تناظر میں یہ رسالہ پیش خدمت ہے، جس میں مختلف
 عنوانات کو چند فصلوں میں تقسیم کر کے بیان کیا جاتا ہے:

فصل اول:

مسجد کے آداب:

آہ! آج ہماری بہت سی مسجدیں تو نماز اور جماعت تک کو ترستی ہیں، ان میں
 انسانوں کے بجائے مختلف قسم کے جانور معتکف نظر آتے ہیں:
 گفتم ایں شرط آدمیت نیست
 مرغ تسبیح خوان و تو خاموش
 ترجمہ: "...میں نے کہا یہ آدمیت کی شرط نہیں، پرندے
 تو تسبیح پڑھیں اور تو خاموش رہے۔"

اور جو چند ایک مساجد آباد بھی ہیں، تو ایسی، کہ شرعی اصطلاح میں ان کو آباد
 نہیں کہا جاسکتا، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مسجد کے متعلق فرماتے ہیں:
 "مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ" (مشکوٰۃ ص: ۳۸)

یعنی اخیر زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر آباد ہوں گی، مگر درحقیقت

ویران -

مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں:

حدیث میں ہے:

”بے شک زمین میں اللہ (تعالیٰ) کے گھر مساجد ہیں، اور بے شک اللہ (تعالیٰ) نے اس شخص کا اکرام کرنے کا ذمہ لیا ہے، جو اس (اللہ تعالیٰ) کی زیارت کے لئے مسجد میں آئے۔“ (کنز العمال ج: ۸ ص: ۳۱۳ حدیث: ۲۳۰۷۴)

اس لئے مساجد کی عظمت درحقیقت خداوندِ عالم کی عظمت ہے، اور ان کی بے ادبی دراصل خداوندِ کبریا اور ذاتِ ذوالجلال کی بے ادبی ہے۔

مسجدیں آخرت کے بازار ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مسجدیں آخرت کے بازاروں میں سے بازار ہیں،

جو شخص ان میں داخل ہو گیا، وہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اس کی مہمانی مغفرت ہے، اور اس کے لئے تحفہ تکریم و تعظیم ہے۔“

(کنز العمال ج: ۷ ص: ۵۸۰ حدیث: ۲۰۳۲۸)

جس طرح علی الصبح دُنیا کے بازار لگتے ہیں اور لوگ اپنی اپنی حاجات و ضروریات کے لئے خرید و فروخت میں مشغول ہوتے ہیں، اسی طرح اس وقت آخرت کے بازار بھی لگائے جاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کے نیک بندے ان کی طرف دوڑتے ہیں:

بوقتِ صبح جو خورشید منہ دکھاتا ہے
 کوئی حرم کو، کوئی میکدہ کو جاتا ہے
 جو دل سے پوچھتا ہوں، تو کدھر کو جاتا ہے؟
 تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ پڑھ سناتا ہے:
 علی الصبح کہ مردم بکاروبار روند
 بلا کشانِ محبت بکوائے یار روند
 ترجمہ:.... ”صبح کے وقت لوگ کاروبار میں جاتے ہیں،
 محبت کی تکلیف برداشت کرنے والے یار کی گلی میں جاتے
 ہیں۔“

دُنیا کے بازاروں سے دُنیوی گھر کا سامان خریدا جاتا ہے، اور آخرت کے
 بازاروں (مساجد) سے اُخروی گھر کا سامان خریدا جاتا ہے۔

مساجدِ جنت کے باغات ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا:

”جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو اس کے پھل
 کھا لیا کرو، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟
 فرمایا: جنت کے باغات مساجد ہیں! پھر عرض کیا گیا کہ: یا رسول
 اللہ! ان کے پھل کھانے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: سُبْحَانَ اللَّهِ
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۷۰ بحوالہ ترمذی)

یعنی ان کلمات طیبات کا مساجد میں پڑھنا، پھل کھانا ہے۔

مسجد بنانے کا ثواب:

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”جو شخص اللہ (تعالیٰ) کے لئے کوئی مسجد بناتا ہے،
اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔“

(مشکوٰۃ ص: ۶۸ بحوالہ بخاری و مسلم)

تنبیہ:... مسجد ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک لوگ اس میں نماز پڑھتے
رہیں گے، مسجد بنانے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا، مگر بلا ضرورت مسجد کے نقش و نگار
میں روپیہ صرف کرنا پسندیدہ نہیں، خصوصاً جبکہ مال کے دوسرے مصارف موجود ہوں
اور محتاج و مساکین پریشان ہوں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خیرات اور صدقات کی جس مد
میں زیادہ ضرورت ہو، اس میں خرچ کرنا افضل ہے۔

گھروں میں مسجد بنانا:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں

بنانے کا حکم دیا ہے، اور یہ کہ ان کو صاف رکھا جائے اور ان

میں خوشبو لگائی جائے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۶۹ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)

تنبیہ:... گھر کی مساجد کا حکم مکمل طور پر مسجد کا نہیں ہے، ہاں! ان کا بنانا

مستحب ہے۔ (کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ ج: ۱ ص: ۲۲۷)

مسجدوں کو حد سے زیادہ مزین کرنا مکروہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مساجد کی حد سے زیادہ تزئین کو یہود و

نصاری کا دستور فرماتے ہیں، اور ناراضی کے لہجے میں فرماتے ہیں کہ:
”تم مساجد کو مزین کرو گے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ

نے کیا۔“ (ابوداؤد ج: ۱ ص: ۶۵)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ صفائی اور چیز ہے، اور تزئین و گل کاری دوسری چیز ہے۔ مسجد کی صفائی سنت اور ضروری چیز ہے، اور بے حد زینت و گل کاریاں مکروہ و مذموم ہیں، کیونکہ وہ نماز پڑھنے والے کو اپنی طرف مشغول کر لیتی ہیں۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: ان جائز بیل بوٹوں میں روپیہ صرف کرنے سے بھی اولیٰ یہ ہے کہ اس کو فقراء اور مساکین پر خرچ کیا جائے۔

مسئلہ:.... یہ چونے اور گچ وغیرہ کے بیل بوٹے بنوانا بھی اس وقت درست ہے کہ بنوانے والا اپنے ذاتی مال سے بنوائے، اگر چندہ یا وقف سے مسجد بنائی جائے تو وقف کرنے والے یا چندہ دینے والے کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا ناجائز ہے، اگر مسجد کے مہتمم و متولی نے بلا اجازت، چندہ دہندہ یا وقف کا روپیہ جائز نقش و نگار میں خرچ کیا تو وہ اس روپیہ کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح قربانی کے چمڑوں اور زکوٰۃ کے روپیہ کو حیلہ کر کے جائز نقش میں خرچ کیا تو بھی ذمہ دار ہوگا۔

مسئلہ:.... محلہ کی مسجد اہل محلہ کے لئے جامع مسجد سے افضل ہے، لیکن اگر جامع مسجد کا امام عالم ہو تو پھر جامع مسجد ہی افضل ہے۔

(کذا فی اشباہ والنظائر ص: ۱۹۵)

مسئلہ:.... دکان دار کے لئے رات کے وقت اپنے محلہ کی اور دکان پر بیٹھنے کے وقت دکان کے قریب والی مسجد افضل ہے، جبکہ طالب علم کے لئے اُستاذ کی مسجد افضل ہے۔ (کذا فی اشباہ والنظائر)

مساجد کی صفائی کا بیان:

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
”مسجدوں کو صاف رکھا جائے اور ان میں خوشبو لگائی جائے۔“
(مشکوٰۃ ص: ۶۹ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)

”حضرت یعقوب بن زیدؒ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے غبار کو کھجور کی ٹہنی سے صاف کیا کرتے تھے۔“
(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۱ ص: ۴۳۵)

مصنف ابن ابی شیبہ میں مطلب بن عبد اللہ بن حنطب سے روایت ہے کہ:
”مسجد قبا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، پھر کسی سے فرمایا کہ: مجھے ایک کھجور کی ٹہنی لادو، اس نے لا کر دے دی، آپؐ نے ایک کپڑے سے کمر باندھی اور تمام مسجد میں جھاڑ دی۔“
(مصنف ابن ابی شیبہ ج: ۱ ص: ۴۳۴)

مسئلہ:.... مسجد میں لہسن اور پیاز لانا یا انہیں کھا کر مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔
(در مختار و طریقہ محمدیہ)

یہی حکم ہر بدبودار چیز کا ہے، جیسے حقہ، سگریٹ اور مٹی کا تیل وغیرہ، اور طریقہ محمدیہ میں مولیٰ کو بھی اسی حکم میں داخل کیا ہے۔

مسجد میں خوشبو کی دھونی دینا:

مسجد میں لوبان اور عود کی دھونی دینا سنت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہمیشہ

دستور رہا۔

مسجد میں ناجائز و مکروہ کام:

مسئلہ: ... حائضہ، نفاس والی اور جنب کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے، لیکن عید گاہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، لہذا اس میں یہ لوگ جاسکتے ہیں۔

(درمختار ص: ۳۲)

مسجد میں چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو داخل کرنا حرام ہے۔ مسجد میں میت کو نہ لایا جائے۔ اسی طرح جوؤں کو مسجد میں مار کر نہ ڈالا جائے، اس میں پیشاب پاخانہ نہ کیا جائے، تھوکا نہ جائے، مسجد کے اجزا میں سے کوئی اینٹ یا چونا وغیرہ لینا حرام ہے۔ مسجد میں کنواں نہ کھودا جائے، ہاں! اگر پہلے سے کھدا ہوا ہو تو اس کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ مسجد کو راہ گزر نہ بنایا جائے، اس میں وضو کرنا اور کھانا پکانا بھی ناجائز ہے۔ مسجد میں اجرت کا کوئی کام نہ کیا جائے تا آنکہ حدیث، تفسیر اور فقہ کے مسائل بھی اجرت پر لکھنا ناجائز ہے۔ بچوں کو بلا اجرت مسجد میں پڑھانا بعض فقہانے جائز رکھا ہے، مگر اجرت اور تنخواہ لے کر بالاتفاق ناجائز ہے۔ (کذا فی اشاہ والنظار عن الترمذی)

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر کے تلاش کرنا بھی ناجائز ہے۔

مسجد میں دُنیا کی باتیں:

دُنیا کی جو باتیں مسجد سے باہر جائز اور مباح ہیں، وہ مسجد میں ناجائز ہیں، اور جو خارج مسجد بھی ناجائز ہوں، وہ مسجد میں سخت حرام ہیں۔

مسئلہ: ... اگر باتیں کرنے کی غرض سے مسجد میں نہ بیٹھے، بلکہ اتفاقی طور سے کوئی دُنیا کی ضروری بات آہستہ سے کہہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (اشاہ)

مسجد میں دُنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھاتی ہیں، جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔

مسئلہ:.... مسجد میں ذکرِ جہر کرنا اور آواز سے تلاوتِ قرآن مجید کرنا وغیرہ سب ناجائز ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

ہاں! اگر مسجد میں کوئی آدمی نماز یا تسبیح و تہلیل وغیرہ میں مشغول نہ ہو، تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے۔ (بیان ذکر الذاکر للشیخ عبدالوہاب الشمرانی)

تنبیہ:.... خدا کی پناہ! شریعتِ اسلام تو مسجد میں بلند آواز سے تلاوتِ قرآن اور ذکرِ جہر کو ناجائز قرار دے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں کہ بازاروں کے شور سے بچو، مگر کس قدر ظلم ہے کہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے مسجد میں زور زور سے ثنا خوانی کریں، ان میں عشقیہ شعر و اشعار راگ میں پڑھے جائیں، متصوف لوگوں کو اس پر وجد آئے، اس پر روپے پیسے قربان کئے جائیں، پھر اس کو ثواب سمجھا جائے:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصل

حاصل خواجہ بجز پندار نیست

ترجمہ:.... ”خواجہ کا گمان ہے کہ کچھ حاصل رکھتا ہے،

خواجہ کا حاصل، گمان کے سوا کچھ نہیں ہے۔“

ثواب کہنا تو کجا، ڈر ہے کہ کہیں پہلے کے کئے دھرے عمل بھی اس گستاخی

اور بے ادبی کی نذر نہ ہو گئے ہوں:

حاصل خود کرد صرف کیمیا

ہیچ چیز از کیمیا حاصل نکرد

ترجمہ:.... ”اپنا سرمایہ کیمیا پر خرچ کیا (مگر) کیمیا سے

کوئی چیز حاصل نہیں کی۔“

مسئلہ:.... مسجد کی صف اور قالین وغیرہ گھریا حجرہ میں لے جانا جائز نہیں،

مسجد کے لوٹے اور دیگر سامان بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج: ۱ ص: ۲۲۹)
 مسئلہ:.... مسجد کی دیواروں پر لکھنا درست نہیں۔ (درمختار)
 مسئلہ:.... کسی مسجد کو عمدہ بنانے کی غرض سے منہدم کرنا جائز نہیں، جب تک کہ اس کے گر جانے کا خطرہ نہ ہو۔ (کذافی سراج المنیر از مجموعۃ الفتاویٰ)
 ان میں سے اکثر مسائل ”آداب مسجد“ مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی سے لئے گئے ہیں۔

فصل دوم:

حقوق والدین:

کون نہیں جانتا کہ والدین کے حقوق تمام مخلوق کے حقوق سے عقلاً، نقلاً، فطرۃً، مروۃً اور عرفاً، برتر، ضروری اور مستحسن ہیں، مگر افسوس! کہ فرماں برداری کرنے والی اولاد اس دنیا میں کمیاب ہے! شاذ و نادر کہیں کہیں اس کا نشان ملتا ہے، تحقیق کی جائے تو اس کی چند وجوہ ہیں:

۱:.... اول یہ کہ دینی تعلیم سے ناواقفیت ہے، چنانچہ ماں باپ کی عزت، عظمت، خدمت اور محبت سے متعلق پڑھا، نہ دل پر کسی نیک صحبت کا اثر ہوا، چنانچہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کورے، قرآن مجید سے ناواقف، دنیوی تمدن کے ماہر، معاش کے فدائی، اور مادی ترقی کے متوالوں کو روحانی چیزوں سے کیا تعلق؟
 ۲:.... دوسرا سبب یہ ہے کہ عموماً لوگ اچھی صحبت اور صالح رفاقت سے دور ہیں، حقوق محسنین کی قدر کہاں سے آئے؟ اور دل پر کیا اثر کرے؟

۳:.... تیسرا باعث یہ ہے کہ اپنی عقل و فکر کو کامل و اکمل جانتے ہیں، دوسروں

کی وصیت و نصیحت پر کان تک نہیں دھرتے، جب اپنے آپ کو ناقص ہی نہیں جانتے، تو اپنے سے بڑے کی تلاش کیسے کریں گے؟ وغیرہ ذالک من الوجوہ۔
اس سلسلے کی چند ہدایات قرآن و حدیث سے پیش خدمت ہیں، اگر غریب نوازی سے طوعاً و کرہاً پڑھ، سن لیں، تو زہے عنایت و شکر!
۱۔... اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے ساتھ والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا:

”الَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا.“

(بنی اسرائیل: ۲۳)

ترجمہ:.... ”کہ نہ پوجو اس کے سوا، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔“

۲۔... والدین کے لئے دُعا کرنے کو فرمایا:

”رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ“ (نوح: ۲۸)

ترجمہ:.... ”اے رَبِّ! مجھے بخش دے اور میرے ماں

باپ کو۔“

۳۔... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا کی ہے:

”رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ“ (ابراہیم: ۴۱)

ترجمہ:.... ”اے ہمارے رَبِّ! مجھے بخش اور میرے

ماں باپ کو۔“

۴۔... ”وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا“

(بنی اسرائیل: ۲۴)

ترجمہ:.... ”اور کہہ کہ اے رَبِّ! میرے ماں باپ پر

اس طور رحمت فرما جیسے کہ (انہوں نے) مجھے چھوٹے کو پالا تھا۔“
 ۵:۔۔۔ ماں باپ کو نہ زبان سے سخت سست کہنا جائز ہے، نہ ہاتھ اور برتاؤ میں ان سے سختی روا ہے، سورہ بنی اسرائیل کی آیت: ”فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفَ“ (بنی اسرائیل: ۲۳) اس پر دلالت کرتی ہے۔

۶:۔۔۔ ماں باپ کو نام لے کر بھی نہیں پکارنا چاہئے، آیت کریمہ: ”وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا“ کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

۷:۔۔۔ ماں باپ پکاریں، تو چاہے نفل نماز میں بھی ہو تو نماز توڑ کر ان کو جواب دے، البتہ فرض نماز کو والدین کی پکار پر جب توڑ سکتا ہے جب سخت ضرورت ہو۔ (کذا فی کتب الفقہ)

۸:۔۔۔ ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔

(مشکوٰۃ ص: ۴۲۱ و کنز العمال حدیث: ۴۵۴۳۹)

۹:۔۔۔ ماں باپ اگرچہ ظلم کریں، پھر بھی خلاف نہیں کر سکتا۔

(مشکوٰۃ ص: ۴۲۱)

۱۰:۔۔۔ ماں باپ کو خدمت کی ضرورت ہو، تو جہاد پر نہیں جاسکتا۔

(مشکوٰۃ ص: ۴۲۱)

فصل سوم:

مرشد اور اُستاذ کے آداب:

بکن خدمت استاد ای پسر
 کہ اُستاد باشد بجائے پدر

پدر مادرت پرورندت بہ ناز
 معلّم بہ علمت کند سرفراز
 کز اں دولت و جاہ حاصل کنی
 سوئے حق دل خویش مائل کنی
 پیچاں سر از خدمتِ اوستاد
 چو ہستی خرد مند و فرخ نہاد
 پیچاں سر از حکم شاں زینہار
 کہ برتر ازیں در جہاں نیست کار

ترجمہ: ”اے لڑکے! اُستاد کی خدمت کر، کیونکہ
 اُستاد باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ تجھ کو ماں باپ ناز سے پالتے ہیں،
 اُستاد تجھے علم سے سرفراز کرتا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے تو دولت
 اور مرتبہ حاصل کرتا ہے، اپنے دل کو حق کی طرف مائل کرتا ہے۔
 اُستاد کی خدمت سے (ہرگز) سرمت پھیر، اگر تو عقل مند اور
 مبارک ذات والا ہے..... کیونکہ اس سے بڑھ کر جہان میں کوئی
 کام نہیں۔“

حضرت لقمان حکیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت میں ہے کہ اُستاد از پدر بہتر شمر،
 یعنی اُستاد کو باپ سے بہتر سمجھو، اس لئے کہ اُستاد و مرشد، رُوحانی تربیت کرنے والے
 ہیں، اور ماں باپ جسمانی پرورش کرتے ہیں، جیسے رُوح جسم سے افضل ہے، اسی
 طرح رُوحانی تربیت کرنے والا بھی، جسمانی تربیت کرنے والے سے افضل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورۃ احزاب آیت: ۴ میں فرمایا:
 ”وَازْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ“ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گھر والیاں مومنین کی مائیں

ہیں، تو لامحالہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤمنین کے باپ ہوئے، اور ظاہر ہے کہ رُوحانی باپ ہیں، اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ (بے شک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ (مشکوٰۃ ص: ۳۶)

پس معلم الخیر (یعنی اُستاز) رُوحانی باپ ہوئے، اور مرشد رُوحانی امراض کے معالج ہوتے ہیں، رُوحانی تربیت کرنے والا، اور رُوحانی تزکیہ کرنے والا ماں باپ سے افضل کیوں نہ ہوگا؟ پس چاہئے کہ اُستاز کے ساتھ ادب سے پیش آئے، حرمت و تعظیم سے اس پر نگاہ ڈالے، اُستاز جو بتلائے اس کو خوب توجہ سے سنے، اس کو یاد رکھے، اُستاز کے روبرو نہ بہت ہنسنے، نہ باتیں کرے، نہ ادھر ادھر دیکھے، نہ کسی کی طرف متوجہ ہو، حضور و غیب (موجودگی اور عدم موجودگی) میں اس کے حقوق کا خیال کرے، وغیر ذلک۔

مرشد کے حقوق ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں، مثلاً: ہر طرح مرشدِ صحیح کا مطیع رہے، اور یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا، اور اگر دوسری طرف توجہ کی تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا، یعنی اصلاحِ نفس کے لئے ہر جائی نہ بنے:

دل آراے کہ داری دل درو بند

دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ترجمہ: ”جو راحت پسند دل تو رکھتا ہے، دل اسی

میں لگا، پھر آنکھ تمام جہان سے بند کر۔“

جان و مال سے اس کی خدمت کرے، کیونکہ مرشد کی محبت کے بغیر کچھ نہیں، اور محبت کی پہچان یہی ہے، مرشد جو وظیفہ اور وردِ تعلیم کرے اسی کو پڑھے، دوسرے تمام وظیفے چھوڑ دے، خواہ وہ وظیفے کسی اور مرشد نے بتلائے ہوں یا خواب میں کسی

نے تلقین کئے ہوں، یا از خود پڑھتا ہو، لہذا ایک ہی طبیب کا علاج ہو اور بس۔ ہاں! اگر کوئی دوسرا وظیفہ پڑھنا چاہتا ہے تو مرشد سے اجازت لے لے۔ مرشد جو کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے، اگر کوئی شرعی شک و شبہ پیدا ہو، تو مرشد سے دفع شبہ کے لئے دست بستہ پوچھ سکتا ہے، اسی طرح اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں بھی مشغول نہ ہو۔

تنبیہ:.... اگر کوئی شخص ماں باپ، اُستاد اور مرشد کا ان کی زندگی میں مطیع و فرماں بردار نہیں رہا، تو اب اس کا علاج یہ ہے کہ ان کی رُوح کو صدقہ و خیرات بخشا رہے، اور ان کے لئے دُعائے مغفرت و رفع درجات کرتا رہے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ مطیعین میں لکھا جائے گا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں قاضی حمید الدین بنگالی کو لکھا ہے کہ:

”ہر مرضے را علاج ہست الا آزر دگی شیخ را ہیج علاجے نیست۔“

لہذا ایسا نہ کرے کہ ان حضرات کو آزر دہ کرتا رہے اور پھر کہے کہ صدقہ اور خیرات وغیرہ سے مطیع بن جاؤں گا، یہ جہالت اور شوخ چشتی ہے۔

وصیت:

طالب سعادت دارین کے لئے واجب ہے کہ اہل سنت والجماعت کے عقائد اختیار کرے، پھر رذائل یعنی حرص، طول امل، کبر، ریا، حسد، کینہ، بغض وغیرہ کو دفع کرے، تزکیہ حاصل کرے، اخلاق حمیدہ: شکر، قناعت، تفویض، توکل، اخلاص وغیرہ حاصل کرے، گناہ ہو جانے پر جلدی توبہ کرے، نعمت چھوٹی بڑی پر شکر کرے، خلاف شرع فقراء کی صحبت سے بچے، لوگوں سے بقدر ضرورت تعلق رکھے، حق تعالیٰ کی

طلب میں بے چین رہے، کم ہنسے، زیادہ روئے، کم گو، کم رنج، صلاح جو، نیکو کار،
باوقار اور بردبار رہے، مرشد کا حد درجہ ادب کرے، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

والصلوة والسلام علی خیر الخلق والفضلہ والکرمة

وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ افضلہما وادومہما

اللهم تقبل منا انک انت السميع العليم

محمد عبداللہ عفی عنہ

۶ صفر ۱۳۷۹ھ

www.ahlehaq.org

تُحْفَةُ الْفَقِيرِ إِلَى اللَّهِ

یعنی

حج کے احکام و مسائل



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ
خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ أَجْمَعِينَ.

جاننا چاہئے کہ چند مسائل حج مبارک بیت اللہ تعالیٰ و زیارت فیض بشارت
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر پیش خدمت کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول
فرمائے اور مقبول بنائے، آمین! ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

میرے عزیز مولوی عبدالحی صاحب طول عمرہ اور حاجی عبدالعزیز صاحب
کے حج پر جانے کے ایام قریب آگئے، لہذا ان کے تقاضے پر ان کے لئے نہایت
اختصار کے ساتھ تحفۃ الفقیر کے نام سے حج کے کچھ احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

فائدہ:.... حج نام ہے ان خاص افعال کا جو احرام باندھنے سے لے کر آخر
ایام تشریق تک کئے جاتے ہیں۔

حج فرض محکم ہے، اس کی فرضیت دلیل قطعی سے ثابت ہے، اس کی فرضیت
کا منکر کافر ہے۔ اور تمام عمر میں ایک مرتبہ سے زائد حج فرض نہیں۔ (کذا فی محیط سرخسی)
اور وسعت ہو جانے کے بعد فوری ادا کرنا ضروری ہے، اگر تاخیر کی تو گنہگار ہوا۔ مگر جب
بھی ادا کیا، ادا شمار کیا جائے گا، اور سابق تاخیر کا گناہ رفع ہو جائے گا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جلدی ادا کرنا افضل ہے، واجب نہیں۔
(کذا فی الخلاصہ) اگر تاخیر کی اور حج فرض تھا، مگر بغیر حج کئے مر گیا تو بالاجماع گنہگار ہوگا۔
(کذا فی عالمگیریہ)

حج کا وقت، مقررہ مہینے ہیں یعنی: شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے۔
اگر افعال حج میں سے کوئی عمل، مثلاً: طواف، سعی وغیرہ حج کے مہینوں سے پہلے کیا تو وہ اس سال کے افعال حج میں شمار نہیں ہوگا۔

حج کے واجب ہونے کی شرائط:

حج کے واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں: اسلام، عقل، بالغ ہونا، تندرست ہونا، آزاد ہونا، راستے کا امن، آمد و رفت کے لئے خرچ اور سواری کی وسعت ہونا۔
مسلمان پر حج فرض ہے، کافر پر نہیں، عاقل پر فرض ہے، مجنون پر نہیں، بالغ پر فرض ہے، نابالغ پر نہیں، اگر بالغ ہونے سے پہلے حج کیا تو حج نفلی ہوگا، تندرست پر فرض ہے، لنگڑے، اپانج، مفلوج، وہ بوڑھا جو سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، نابینا اور وہ بیمار جس کو شفا کی امید نہیں، ان پر حج فرض نہیں، ان کو اگر سرمایہ حاصل ہے تو بھی ان کو دوسروں سے حج کرانا واجب نہیں، ہاں! مستحب ہے، اور اگر خود تکلیف کر کے حج کریں تو حج ہو جائے گا۔

اگر تندرست تھا اور حج فرض ہوا، پھر اپانج و مفلوج وغیرہ ہو گیا تو بلا خوف اس کو اپنے مال سے حج کرانا لازم ہے۔
(کذا فی عالمگیری ناقلاً عن المحیط)

آزاد پر حج فرض ہے، غلام پر نہیں۔ اور راستہ پر امن ہو، چنانچہ اگر راہ زنوں وغیرہ کا خطرہ ہو تو واجب نہیں، اور اگر راستے میں زیادہ تر سلامتی ہو تو حج واجب ہے۔
آمد و رفت کا خرچ اور واپس آنے تک اہل و عیال کا خرچ ہو تو حج واجب ہے۔

اگر مزروعہ زمین کا مالک ہے، کچھ بیج کر ج کر سکتا ہے اور اتنا بیج جاتا ہے کہ پھر لوٹ کر اپنا اور اہل و عیال کا خرچ کر سکتا ہے تو حج واجب ہے۔ (کذا فی عالمگیری) اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد ایسا مکان یا جانور ہے کہ بیج کر ج کر سکتا ہے، تو اس پر حج واجب ہے۔

فقیر حج کرے، پھر مالدار ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں۔ عورت کے لئے محرم کا یعنی ایسا شخص کہ جس سے اس کا نکاح ہمیشہ کے لئے نہیں ہو سکتا یا اس کے شوہر کا حج کے لئے ساتھ جانا ضروری ہے۔ اگر ایسا شخص میسر نہیں ہو سکتا اور مکہ مکرمہ تک کی مسافت تین دن سے زائد ہے تو اس پر حج فرض نہیں، اگر مسافت تین دن سے کم ہے، اور راستہ بھی پُر امن ہے تو حج فرض ہے، پھر محرم کا امین ہونا شرط ہے، اگر محرم امین نہیں تو عورت اُسے ساتھ نہ لے جائے۔ اس محرم کا خرچ بھی اس عورت پر ہے۔ اگر محرم بھی ہے، امین بھی ہے اور ساتھ جانے کو تیار بھی ہے، مگر شوہر کی اجازت نہیں تو حج فرض کے لئے بلا اجازت بھی جاسکتی ہے، اور حج نفل میں بلا اجازت نہیں جاسکتی۔ اور مراہق لڑکا (قریب بلوغ) بالغ کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی محرم ساتھ لے جانے کے لئے نہیں ہے تو حج کے لئے عورت کو نکاح کرنا واجب نہیں۔ یہ بھی شرط ہے کہ عورت عدتِ وفات یا طلاق میں نہ ہو، اگر عدت میں ہے تو حج کو نہ جائے۔

ارکان حج:

حج کے دو رکن ہیں:

۱: ...وقوف عرفات۔

۲: ...طواف زیارت۔

لیکن وقوف عرفات، طواف زیارت سے زیادہ قوی ہے، یہاں تک کہ اگر وقوف سے

پہلے جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا، اور طواف زیارت سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا۔
(کذا فی جامع صغیر لقاضی خان)

واجبات حج:

حج کے واجبات بہت سے ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:
۱: ... صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، یعنی جلد چلنا۔

۲: ... مزدلفہ میں ٹھہرنا۔

۳: ... تینوں جمرات پر کنکریاں پھینکنا۔

۴: ... سرمنڈوانا یا بال کترانا۔

۵: ... طواف صدر یعنی وداع۔
(کذا فی شرح طحاوی)

حج کی سنتیں:

۱: ... طواف قدوم، پہلا طواف جب مکہ میں داخل ہو۔

۲: ... طواف قدوم یا طواف فرض میں شروع کے تین پھیروں میں اکڑ کر چلنا۔

۳: ... صفا و مروہ کی سعی میں دونوں سبز میناروں کے درمیان تیز چلنا۔

۴: ... ایام قربانی کی راتوں کو منیٰ میں رہنا۔

۵: ... منیٰ سے سورج طلوع ہونے کے بعد عرفہ کو جانا۔

۶: ... مزدلفہ سے سورج کے نکلنے سے پہلے منیٰ کو چل پڑنا۔ (کذا فی فتح القدیر)

۷: ... مزدلفہ میں رات کو رہنا۔

۸: ... تینوں جمرات میں ترتیب سنت ہے۔
(کذا فی البحر الرائق)

آداب حج:

حج کے آداب بہت سے ہیں، ان میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

۱:۔ نیت خالص کرے۔

۲:۔ توبہ کرے۔

۳:۔ جو چیز ظلم و زیادتی سے لی ہو، واپس کرے یا معاف کروائے۔

۴:۔ عبادت میں جو کمی یا قضا ہو، ادا کرے۔

۵:۔ ریا، غرور اور فخر کو دور کرے۔

۶:۔ مالِ حلال کے حاصل کرنے میں کوشش کرے، اس لئے کہ مالِ حرام

سے حج قبول نہیں ہوتا، لیکن حج فرض ادا ہو جاتا ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

۷:۔ حج کے سامان کو بہت جھگڑ جھگڑ کر نہ خریدے۔

۸:۔ اپنے اہل و عیال، اقربا و احباب سے خطائیں معاف کروائے۔

۹:۔ ان سے دُعا کا طالب ہو۔

۱۰:۔ بمتابعۃ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے پنجشنبہ (جمعرات) کو

نکلے، ورنہ مہینہ کے پہلے دوشنبہ (پیر) کو گھر سے نکلے۔

۱۱:۔ اس طرح سفر کرے جیسے کوئی دُنیا سے سفر کرتا ہے۔

۱۲:۔ گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔

۱۳:۔ اسی طرح جب حج سے لوٹ کر آئے، تو گھر پہنچنے کے بعد دو رکعت

پڑھے، اگر اپنی مسجد میں جاتے اور آتے وقت رکعتیں پڑھیں تو سفر کے آداب میں

سے سنت کی مطابقت بھی ہے۔

۱۴:۔ اگر حج فرض ہو تو مستحب ہے کہ اول حج کرے، پھر مدینہ منورہ

جائے، اور اگر حج نفلی ہے تو جس کو چاہے مقدم کرے۔

۱۵:۔ والدین سے رخصت لے کر جائے، اگر ماں باپ خدمت کے محتاج

ہوں تو ان کی بلا اجازت حج پر جانا مکروہ ہے۔

۱۶:۔۔۔ جس پر قرض ہو، اس کو جہاد اور حج پر جانا مکروہ ہے۔

وہ چیزیں جو حج میں ممنوع ہیں:

وہ چیزیں جو حج میں ممنوع ہیں، وہ دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہیں، وہ چھ ہیں:

۱:۔۔۔ جماع کرنا۔

۲:۔۔۔ سر منڈوانا۔

۳:۔۔۔ ناخن تراشنا۔

۴:۔۔۔ خوشبو لگانا۔

۵:۔۔۔ سر اور منہ ڈھلنا۔

۶:۔۔۔ سلعے ہوئے کپڑے پہننا۔

دوسری وہ جو اس کی ذات سے متعلق نہیں، بلکہ اس کے اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱:۔۔۔ حل و حرم میں شکار کو چھیڑنا۔

۲:۔۔۔ حرم کے درخت کاٹنا۔

میقات کے بیان میں:

میقات وہ ہے جس سے بغیر احرام کے آگے بڑھنا جائز نہیں، ہاں! اس سے پہلے اگر احرام باندھ لے تو جائز ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ (آج کل اس کو بر علی کہتے ہیں)، اہل عراق کے لئے ذاتِ عرق، اہل شام کے واسطے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن، اور اہل یمن کے لئے یلملم میقات ہے۔ ہندوستان پاکستان کے لوگ یلملم سے احرام باندھتے ہیں۔ جو شخص میقات سے باہر رہنے والا ہے، اس کو جائز نہیں کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو، خواہ حج کی نیت کرے یا نہ کرے، اور اگر داخل ہو گیا تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہوگا۔ (کذا فی المحیط للسرحدی)

اور جو شخص میقات اور مکہ مکرمہ کے درمیان رہتا ہے، اس کو مکہ مکرمہ میں بغیر

احرام کے داخل ہونا جائز ہے، ہاں! اگر حج یا عمرہ کرے تو بغیر احرام کے ادا نہ ہوگا۔ مکہ والے حج کا احرام حرم سے باندھیں اور عمرہ کے لئے حل سے باندھیں۔ پس جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے، وہ کسی جانب سے احرام باندھنے کے لئے حل کو جائے اور تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

احرام کے بیان میں:

احرام باندھنا کبھی تو قول سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے۔ قول سے یہ ہے کہ زبان سے کہے: ”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ“ اس سے کم نہ کرے، البتہ اس سے بڑھا سکتا ہے۔ نیز ”لَبَّيْكَ“ کی جگہ تسبیح، تحمید، تہلیل، تمجید، یا اس کی مثل احرام کی نیت سے دوسرے کلمات ذکر کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح عربی کی بجائے دوسری زبان میں ”لبیک“ کہے تو بھی محرم ہو جائے گا۔

اور فعل سے احرام باندھنا یہ ہے کہ گائے یا اونٹ کے گلے میں بہ نیت احرام پٹے (ہار) ڈالے اور حج کے ارادے سے لے چلے تو احرام صحیح ہو جائے گا، اگرچہ ”لَبَّيْكَ“ نہ کہا، خواہ وہ قربانی نذر کی ہو یا نفل کی۔ (عالمگیری)

اور اگر کسی نے دوسرے کے ہاتھ قربانی بھیجی، اس کے بعد خود حج کو چلا، پس جب تک قربانی کو نہ مل جائے گا، محرم نہ ہوگا، اور جب مل گیا اور اُسے ہانکا، تو محرم ہو جائے گا، خواہ ”لَبَّيْكَ“ کہے یا نہ کہے، (بدنہ اونٹ اور گائے کی قربانی کو کہتے ہیں)۔

احرام میں نیت شرط ہے، اگر بغیر نیت احرام کے ”لَبَّيْكَ“ کہا تو محرم نہ ہوگا۔ نیز صرف نیت سے بھی احرام نہ ہوگا، جب تک ”لَبَّيْكَ“ یا اس کے قائم مقام

کوئی اور ذکر نہ کرے، یا قربانی کو نہ ہانکے یا قربانی کے اُونٹ یا گائے کے گلے میں پٹہ (ہار) نہ ڈالے اس وقت تک محرم (احرام والا) نہ بنے گا۔

جب احرام کا ارادہ کرے تو غسل یا وضو کرے، لیکن غسل افضل ہے۔ یہ غسل نظافت ہے، یہ غسل حیض اور نفاس والی عورت اور لڑکے کو بھی مستحب ہے، اور بدن کو ناخن وغیرہ سے صاف کرنا بھی مستحب ہے، اور خوشبو لگا لینا بھی درست ہے، پھر دو رکعت نفل پڑھے، اس میں اگر سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے تو افضل ہے، اور یہ رکعتیں وقت مکروہ میں نہ پڑھے، اگر صرف فرض نماز پڑھ لی تو بھی کافی ہے۔ (کذا فی البحر الرائق)

پھر نماز سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے سفر کی آسانی اور مقبولیت حج کی دُعا مانگے، اور یہ دُعا پڑھے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فِیْسِرَہٗ لِیْ وَتَقَبَّلْہٗ مِنِّیْ۔“

پھر ”لَبَّیْک“ اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھے اور جو دُعا ہو سکے، مانگے۔ (کذا فی فتح القدیر)

نمازوں کے بعد جس قدر ہو سکے ”لَبَّیْک“ کی کثرت کرے، جب سواروں سے ملے، بلندی پر چڑھے یا پستی میں اترے، اسی طرح صبح و شام کو کثرت سے لبیک پڑھے، اور ”لَبَّیْک“ میں آواز مناسب طور پر بلند کر سکتا ہے۔

ممنوعاتِ احرام:

احرام میں نافرمانیوں، جھگڑے اور جماع کی باتوں سے بچے، شکار سے کچھ بھی تعرض نہ کرے، نہ پکڑے، نہ کسی کو اشارہ سے بتائے، نہ شکار کرنے والے کی مدد کرے، بدن کی ساخت پر سلا ہوا کپڑا: کرتہ، پائجامہ، عمامہ، ٹوپی اور موزہ نہ پہنے۔ سر،

چہرہ، منہ، ٹھوڑی اور رُخسار کو نہ ڈھانکے، اگر ناک پر ہاتھ رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں، اگر کرتہ یا پائجامہ کو بطور تہبند باندھ لے یا قبا کو کاندھوں پر ڈال کر اس میں دونوں مونڈھوں کو داخل کر دے اور ہاتھ داخل نہ کرے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (کذا فی عالمگیریہ) محرم کو ہمیانی اور بیلٹ باندھنا درست ہے، رنگین کپڑا نہ پہنے، ہاں! اگر ایسا دھلا ہوا ہو کہ اس سے رنگ نہیں جھڑتا، تو مضائقہ نہیں، سر اور بدن کے بال نہ مونڈے، نہ بالوں کو اکھاڑے، نہ ناخن تراشے۔ احرام میں عورت کا بوسہ نہ لے، نہ شہوت سے ہاتھ لگائے، نہ خوشبو والی چیز مثل خطمی وغیرہ سے سر دھوئے۔ بدن اور سر کو اگر کھجلا نا پڑے تو آہستہ سے کھجلائے تاکہ کوئی بال نہ گرے اور نہ جوں مرے۔ اگر بدن پر بال نہیں ہیں تو زیادہ کھجلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

محرم یعنی احرام والا دیوار، خیمہ یا چھتری کے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے۔ اگر کعبہ کے پردہ میں داخل ہو اور سر اور منہ نہ ڈھانکے تو درست ہے، یعنی سر اور منہ سے وہ پردہ دور ہو تو مضائقہ نہیں، اور محرم کو فصد لینا اور ٹوٹے ہوئے عضو کو باندھنا درست ہے۔ اگر سرمہ میں خوشبو نہ ہو تو اس کے لگانے میں بھی مضائقہ نہیں۔

ادائے حج کی کیفیت:

مستحب ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرے اور ”کداء“ پہاڑی کی طرف سے داخل ہو تو بہتر ہے، حج اور عمرہ میں مکہ مکرمہ میں خواہ رات کو داخل ہو یا دن کو کچھ حرج نہیں۔ سامان رکھنے کے بعد پہلے مسجد میں جائے اور باب بنی شیبہ سے جائے تو بہتر ہے، پہلے چوکھٹ کو بوسہ دے اور عاجزی اور خشوع کے ساتھ ”لَبَّيْكَ“ کہتے ہوئے اور اس مقام کی عظمت و جلال کا لحاظ کرتے ہوئے جائے، اور کوئی مزاحم ہو تو اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ (کذا فی بحر الرائق)

مسجد میں ننگے پاؤں داخل ہو، ہاں! اگر اس کے پاؤں کو نقصان پہنچتا ہو تو کچھ پہن لے۔ اول داہنا پاؤں بڑھائے اور یہ دعا پڑھے:

”بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ

اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ... الخ.“

جس وقت خانہ کعبہ کو دیکھے ”اللہ اکبر“ کہے اور ”لا الہ الا اللہ“ پڑھے، اور حجرِ اسود سے ابتدا کرے، اور اگر نماز کی جماعت ہو رہی ہو تو نماز میں شامل ہو جائے، اور حجرِ اسود کی طرف رُخ کر کے ”اللہ اکبر“ کہے، دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے، اور پھر چھوڑ دے۔ (کذا فی نہر الفائق)

پھر اگر ہو سکے تو دونوں ہاتھ حجرِ اسود پر رکھ کر بوسہ دے۔ اگر انبوه (وازدحام) کی وجہ سے بوسہ دینا مشکل ہو تو ہاتھ سے چھو لے اور اپنے ہاتھ کو چوم لے، یہ بھی نہ ہو سکے تو کوئی لکڑی حجرِ اسود پر رکھ کر چوم لے، اور یہ بھی نہ ہو سکے تو دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلی حجرِ اسود کی طرف ہو اور ”الحمد للہ“ اور دُرود پڑھے اور ہاتھوں کو چوم لے۔ (کذا فی فتح القدیر)

حجرِ اسود کی طرف منہ کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، اور کعبہ کے دروازہ کی جانب کو طواف کرے اور سات بار کرے، اور اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لے، اس کو ”اضطباع“ کہتے ہیں۔ حجرِ اسود کی طرف رُخ کرتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ حجرِ اسود سے آگے بڑھ جائے (اضطباع کا یہ حکم صرف طواف کرتے وقت ہے، پھر نہیں)۔ (کذا فی عالمگیری)

جب طواف کے دوران حجرِ اسود کے سامنے آئے، اسے چوم سکے، تو چوم لے، وگرنہ اس کی طرف رُخ کئے ہوئے تکبیر، تہلیل کہے اور طواف کو حجرِ اسود کے بوسہ پر ختم کرے۔ اگر ہو سکے تو طواف کے پہلے تین پھیروں میں رمل کرے یعنی اکڑ کر

چلے اور باقی پھیروں میں اپنی عام حالت پر چلے، یہ اکڑ کر چلنا یعنی مونڈھوں کو بہادروں کی طرح ہلانا ازدحام کی وجہ سے نہ ہو سکے تو ٹھہر جائے، جب راستہ پائے تو اس کو ادا کرے۔ (کذافی المحیط للسرخسی)

اگر پہلے چکر میں بھول گیا تو باقی دو چکروں میں اکڑ کر چلے، اور اگر پہلے تین چکروں میں بھول جائے تو باقی چکروں میں اکڑ کر نہ چلے۔ اگر تمام سات چکروں میں اکڑ کر چلا تو بھی اس پر کچھ لازم نہیں۔ (کذافی بحر الرائق)

اس طواف کا نام طوافِ قدوم اور طوافِ تحیۃ ہے، اور یہ طواف مکہ والوں کے لئے نہیں، اور اگر کوئی شخص پہلے ہی عرفات چلا گیا تو یہ طواف اس سے ساقط ہو گیا۔

جب طواف سے فارغ ہو تو مقامِ ابراہیم پر یا جہاں ہو سکے دو رکعت نماز پڑھے، یہ دو رکعتیں ہمارے نزدیک واجب ہیں، ان میں سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھنا افضل ہے، پھر مستحب ہے کہ مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہو کر دارین کی بہتری کی دُعا مانگے، اور یہ رکعتیں اس وقت پڑھے جس وقت میں نفل مباح ہیں، مکروہ وقت میں نہ پڑھے۔

پھر مستحب یہ ہے کہ زمزم کے پاس آئے اور اس کا پانی خوب پیٹ بھر کر پیئے اور یہ دُعا پڑھے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّعِلْمًا نَّافِعًا

وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ۔“

پھر ملتزم کی طرف آئے اور اپنے سینہ کو چمٹادے، اور گڑ گڑائے، دُعا کرے۔ پھر اس کے بعد صفا کی طرف نکلے، اور افضل یہ ہے کہ باب الصفا سے نکلے، اوّل صفا کی طرف جائے اور اس پر چڑھے، صفا و مروہ دونوں پر چڑھنا سنت ہے، اور

اگر دونوں پر نہ چڑھا تو مکروہ ہے۔ (کذا فی محیط سرخسی)

اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آئے، بیت اللہ کی طرف رخ کرے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور ”لا الہ الا اللہ“ اور دُرود شریف پڑھے اور اپنی حاجتیں مانگے۔ دُعا کے وقت دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔

(کذا فی عالمگیری ناقلًا عن سراج الوہاج)

پھر وہاں سے مروہ کی طرف جائے اور صفا کی طرح مروہ پر کرے، اور میلین اخضرین یعنی دو سبز بتیوں کے ستونوں کے درمیان تیز چلے اور باقی جگہ اپنے حال کے موافق چلے۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوا، اسی طرح سات بار کرے، صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے، اور اگر مروہ سے شروع کیا تو بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔

صفا و مروہ کی سعی میں شرط یہ ہے کہ طواف کے بعد ہو، اگر سعی پہلے کی اور پھر طواف کیا تو سعی کو دوبارہ کرے، اگر مکہ میں ہے اور احرام کھولنے کے بعد سعی کی تو بھی بالا جماع جائز ہے۔ (کذا فی عالمگیری)

طواف میں طہارت شرط ہے، مگر سعی میں طہارت شرط نہیں۔ اگر حیض یا جنابت میں سعی کی تو اس کا اعادہ نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ جو عبادت مسجد میں ہے، اس میں طہارت ہے، اور جو مسجد میں نہیں، اس میں طہارت شرط نہیں، جیسے عرفہ، مزدلفہ، اور جمرات کو کنکریاں مارنا وغیرہ، مگر طہارت افضل ہے۔ اگر طواف یا سعی کرتے کرتے اقامت ہو جائے تو نماز میں شریک ہو جائے، بقیہ طواف یا سعی پھر پوری کرے۔ پھر جب بھی طواف کرے، ہر سات چکر کے بعد دو رکعت نفل ایسے وقت میں پڑھے جس وقت نفل جائز ہوں۔ جب تک دو رکعت نہ پڑھے، دوسرا طواف شروع نہ کرے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل مکہ کے لئے نفل نماز طواف سے اولیٰ ہے،

اور باہر والوں کے لئے نفلی طواف نماز سے افضل ہے۔ (کذا فی عالمگیری)
طواف کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا قرآن پڑھنے سے افضل ہے۔

(کذا فی عالمگیری)

ساتویں ذوالحجہ کو امام خطبہ پڑھے، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے احکام بتلائے، دوسرا خطبہ عرفہ کے دن عرفات میں، اور تیسرا گیارہویں تاریخ کو منیٰ میں۔ جس میں احکام حج بیان کرے۔

آٹھویں ذوالحجہ کو سورج نکلنے کے بعد منیٰ کو جانا افضل ہے، لیکن اگر سورج نکلنے سے پہلے گیا تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی البدائع)

ہر حال میں ”لَبَّيْكَ“ پڑھنا نہ چھوڑے، رات کو منیٰ میں رہے، صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھ کر عرفات کی طرف متوجہ ہو۔ اس کے علاوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پورا اتباع نہ ہوگا، گو اس پر کچھ لازم نہ آئے۔ پھر عرفات میں جہاں چاہے وہاں اترے، تاکہ چلنے والوں کو تکلیف نہ ہو، زوال کے بعد امام منبر پر چڑھے اور مؤذن ایسی حالت میں اذان دے کہ امام منبر پر ہو، یہی صحیح ہے، اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ (کذا فی بحر الرائق)

امام اذان کے بعد کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے، اگر زوال سے پہلے خطبہ پڑھا تو بھی ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔

خطبہ کے بعد امام، ظہر اور عصر کی نماز، ظہر کے وقت میں پڑھائے اور ہر دو فرض کے درمیان کوئی نوافل و سنت نہ پڑھے، اور نہ کسی اور کام میں مشغول ہو، اور ظہر و عصر کے جمع کرنے کی شرائط یہ ہیں: کہ عرفہ کا دن ہو، عرفات کا موقع ہو، حج کا احرام ہو، جماعت ہو، امیر المؤمنین یا اس کا نائب امام ہو، اور اگر جماعت نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی طرح اور

شرطوں کے نہ ہوتے ہوئے بھی جمع کرنا جائز نہیں، بلکہ ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھے۔

وقوف عرفات میں دو شرطیں ہیں:

۱... عرفات کی زمین ہو۔

۲... اور عرفہ یعنی نویں ذوالحجہ کا دن ہو۔

وقوف عرفات کے لئے کھڑا رہنا واجب نہیں، بلکہ بیٹھنا بھی جائز ہے، وقوف میں قبلہ رو کھڑا ہونا افضل ہے، وقوف کے لئے غسل کر لینا بھی افضل ہے، اور غروب تک وقوف کرے، اس روز روزہ نہ رکھنا، با وضو ہونا، سواری کے اوپر وقوف کرنا، امام کے قریب وقوف کرنا، دل کا حاضر کرنا اور جن باتوں سے دُعا میں جی بٹتا ہے، ان سے خالی ہونا سنت ہے، اور چاہئے کہ سیاہ پتھروں کے پاس وقوف کرے۔ بدائع میں ہے کہ ہاتھ کشادہ کر کے اٹھائے اور قبلہ کی طرف رُخ کرے، جیسے کہ پکارنے والا اس کی طرف ہاتھ اور منہ سے متوجہ ہوتا ہے، اور ”الحمد لله“، ”لا الہ الا اللہ“ اور ”اللہ اکبر“ کہے، دُرود شریف پڑھے، اور عجز و نیاز سے دُعا کرے اور ”لَبَّيْكَ“ پڑھتا رہے، اور چاہئے کہ یہ دُعا زیادہ پڑھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

کیونکہ یہ دُعا بھی ہے اور ثنا بھی۔ (مشکوٰۃ ص: ۲۰۱)

سنت یہ ہے کہ دُعا میں آواز پست کرے۔ (کذا فی الجوہرہ)

وقوف کا وقت نویں ذوالحجہ کا سورج ڈھلنے سے دسویں کی طلوع فجر تک ہے،

پس جو شخص اس وقت حالت احرام میں ہوش و حواس یا بیہوشی و بے خبری وغیرہ میں عرفات سے گزر جائے، اس کا حج ہو گیا۔

مزدلفہ کے متعلق:

جب نویں کا سورج غروب ہو جائے تو امام وغیرہ سب آدمی اسی ہیئت سے مزدلفہ آئیں۔ (کذا فی الہدایہ)

افضل یہ ہے کہ جس ہیئت سے موقف میں کھڑے تھے، اسی ہیئت سے چلے آئیں، اور مناسب ہے کہ امام سے پہلے نہ چلیں۔ ہاں! اگر امام غروب کے بعد تاخیر کرے تو پہلے چلے آئیں تو درست ہے۔ اور راستہ میں ”لا الہ الا اللہ“، ”اللہ اکبر“ اور ”الحمد للہ“ پڑھتے رہیں، اور بار بار ”لَبَّيْكَ“ کہیں، مغرب کی نماز مزدلفہ میں آکر عشاء کی نماز کے ساتھ جمع کریں، اور اگر راستے میں پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرے، اسی طرح عشاء کی نماز راستے میں پڑھ لی تو اس کا بھی اعادہ کرے۔ (کذا فی عالمگیری) ہاں! اگر مزدلفہ سے پہلے پڑھی گئی مغرب و عشاء کے اعادہ میں تاخیر کی یہاں تک کہ فجر کی نماز پڑھ لی تو پھر وہ نمازیں جائز ہو گئیں، اگر مزدلفہ میں عشاء کی نماز مغرب سے پہلے پڑھ لی تو عشاء کا اعادہ کرے۔

مزدلفہ میں جہاں چاہیں اُتریں، البتہ اس پہاڑ کے قریب جس کو قُرح کہتے ہیں، اُترنا افضل ہے۔

ان دونوں نمازوں مغرب اور عشاء کے جمع کرنے کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (امام حج کی) جماعت شرط نہیں، ان دونوں نمازوں کے درمیان سنت اور نوافل نہ پڑھے۔ پھر جب فجر طلوع ہو تو اندھیرے میں نماز فجر پڑھ کر وقوف کریں، اگر پہاڑ کے قریب اور امام کے پیچھے وقوف ہو تو بہتر ہے، اس وقت دُرود شریف، تسبیح، تہلیل اور تحمید کی کثرت کرے، اور دارین کی بہتری کے لئے آہ و زاری سے دُعا کرے، اور حقوق العباد معاف کرانے کی درخواست بھی عجز و نیاز سے

کرے، اور دعا میں ہاتھ اٹھائے تو بہتر ہے۔

وقوفِ مزدلفہ کا وقت طلوعِ فجر سے روشنی ہونے تک ہے، نہ طلوعِ فجر سے پہلے ہے، نہ طلوعِ شمس کے بعد ہے، جب خوب روشنی ہو جائے تو طلوعِ شمس سے پہلے منیٰ کو چل پڑے، اگر امام سورج نکلنے کے بعد چلا یا نمازِ فجر پڑھنے سے پہلے چلا تو خلافِ سنت کیا، مگر اس پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ وقوفِ مزدلفہ تو اس نے کر لیا ہے۔

منیٰ کے احکام:

جب منیٰ پہنچے تو زوال سے پہلے جمرہ عقبہ پر آئے، وہاں پہنچ کر جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں مارے، اور ہر کنکری پر تکبیر پڑھے، اس روز اس جمرہ عقبہ کے سوا کسی جمرہ کو کنکری نہ مارے، اور کنکریاں مارنے کے بعد کھڑا نہ رہے، تکبیر کے بدلے تسبیح و تہلیل کہے تو بھی جائز ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ پہلی کنکری پھینکتے ہی لبیک موقوف کر دے۔ (کنذانی فتاویٰ قاضی خاں)

حج تمتع ہو یا قرآن، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ البتہ عمرہ کرنے والا حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے بعد لبیک موقوف کر دے۔

اگر مفرد ہے تو کنکریاں مارنے کے بعد اس پر قربانی لازم نہیں، لیکن افضل ہے، اور اگر تمتع یا قارن ہے، تو اس پر قربانی لازم ہے۔

اگر تمتع اور قارن کو قربانی کی طاقت نہیں تو تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج کے بعد رکھے، حج کے بعد والے روزے جہاں چاہے رکھے، خواہ مکہ میں یا گھر میں۔ اس کے بعد تمام سر کے بال منڈائے، یہ افضل ہے، اور اگر کترائے تو بھی درست ہے، بشرطیکہ پورے سر سے ایک پور برابر بال کتر ڈالے، اسی

طرح عورت بھی ایک پور برابر بال کترائے، مگر عورت کو بال منڈانا ناجائز اور حرام ہے، اور مرد تمام سر منڈائے اور اگر سر پر بال نہیں تو صرف اُسترا پھرائے۔ صحیح تر یہ ہے کہ اُسترا پھرانا واجب ہے، اگر سر پر زخم ہوں اور اُسترا نہیں چل سکتا تو احرام سے باہر ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ عاجز ہے، اور اگر زخم ہیں مگر بال بھی ہیں، تو بال کترائے، اور اگر نورہ (بال صفا پاؤڈر) سے سر صاف کر لیا تو بھی جائز ہے، مگر خلاف سنت ہے، اور سر منڈانے کے بعد تکبیر کے ساتھ دُعا مانگے، اور مناسب ہے کہ بالوں کو دفن کرے، اسی طرح ناخن کو بھی دفن کرے۔

سر منڈانے یا کترانے کے بعد جو چیزیں احرام میں حرام ہوئی تھیں، سب حلال ہو گئیں، مگر عورت سے جماع اور بوسہ وغیرہ حلال نہیں ہے، جب تک کہ پورا طواف زیارت یا اس کے اکثر چکر نہ کر لے، اور اگر کسی نے طواف زیارت نہ کیا تو اس کی عورت حلال نہ ہوگی، اگرچہ بہت برس گزر جائیں، یہ حکم بالا جماع ہے۔ اگر ہو سکے تو اسی روز خانہ کعبہ کا طواف کرے، اس کو طواف زیارت، طواف رُکن اور طواف النحر کہتے ہیں، اور اگر اسی روز نہ کر سکے تو دوسرے دن یا تیسرے دن جو بارہویں کا دن ہے، طواف کرے، اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے، اور اگر اس سے زیادہ تاخیر کی تو اس پر قربانی لازم آئے گی۔

ننگے سر طواف زیارت نہ کرے (بشرطیکہ احرام سے فارغ ہو چکا ہو)، اور بے وضو نہ کرے، اور جنابت میں نہ کرے۔ پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کے درمیان حج کی سعی کی نیت سے سعی کر چکا ہے، تو اس طواف میں اکڑ کر نہ چلے اور سعی نہ کرے، ورنہ اکڑ کر چلے اور سعی کرے، افضل یہ ہے کہ اکڑ کر چلنے اور سعی کرنے میں تاخیر کرے یعنی حج کی سعی طواف زیارت کے ساتھ کر لے، تاکہ وہ (اکڑ کر چلنا اور سعی) فرض کے ساتھ ہو، نہ کہ سنت کے ساتھ۔ (کذا فی بحر الرائق)

جمرات کو کنکریاں مارنے کے ایام کی راتوں کو منیٰ میں رہنا چاہئے، منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ رات رہنا مکروہ ہے، اگر عمداً کہیں باہر رہا تو اس پر ہمارے نزدیک کچھ واجب نہیں ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن ہر تین جمرات پر کنکریاں مارے اور اُس جمرہ سے ابتدا کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے۔ قربانی کے دن جمرہ عقبہ کو طلوع فجر سے طلوع شمس تک کنکریاں مارنا مکروہ ہے، اور طلوع شمس کے بعد سے زوال تک مسنون ہے، اور زوال کے بعد غروب تک مباح ہے، اور گیارہویں، بارہویں کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد ہے، طلوع شمس سے زوال سے پہلے تک جائز نہیں، اور تیرہویں کے دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح سے طلوع شمس تک رمی کرنا مکروہ ہے اور طلوع شمس سے زوال تک رمی کرنا جائز ہے، اور زوال کے بعد مسنون ہے۔

کنکریاں ہر جنس زمین سے ہو سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ ذلیل چیزیں ہوں، یا قوت اور فیروزہ پھینکنا جائز نہیں، نمک، سرمہ، ٹھیکریاں اور گیر و غیرہ سب جائز ہے، کنکریاں چنے کی مقدار سے کم نہ ہوں، اس سے بڑے ٹکڑے پھینکنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ کنکریاں مزدلفہ یا راستے سے اٹھائے اور جمرہ کے پاس کی کنکریاں اٹھا کر نہ پھینکے۔

کنکریاں مارنے کی کیفیت یہ ہے کہ پانچ گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو، اور سبابہ اور نرائشت (شہادت کی انگلی اور انگوٹھے) سے پھینکے، اور جس جمرہ کے بعد دوسرے جمرہ کو مارنا ہے، وہاں دیر کر کے تسبیح، تہلیل اور تحمید پڑھتا رہے اور دُعا کرے، اور جس کے بعد کنکریاں پھینکنا نہیں، اس کے بعد کھڑا نہ رہے۔

جمرہ عقبہ کو مارتے وقت جمرہ کی طرف منہ کرے اور منیٰ کو داہنی طرف اور

کعبہ کو بائیں طرف کرے، اور اس طرح کھڑا ہو کہ کنکریوں کے گرنے کی جگہ نظر آتی ہو، اور کنکریاں جمرہ پر یا اس کے قریب گریں، اگر دُور گریں تو جائز نہیں، اگر کنکریاں کسی آدمی کی پیٹھ یا کجاوہ پر گریں اور وہاں رہ گئیں تو اعادہ کرے، کنکریاں داہنے ہاتھ سے مارے اور ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارے، اگر سات سے زیادتی ہوگئی تو کوئی حرج نہیں، کنکریاں مارتے وقت: ”بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَحِزْبِهِ“ پڑھے اور یہ دُعا پڑھے: ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَجِّي مَبْرُورًا وَسَعْيِي مَشْكُورًا وَذَنْبِي مَغْفُورًا“۔

اگر بارہویں ذوالحجہ کے دن غروب سے پہلے منیٰ سے نکلا تو تیرہویں کی رمی ساقط ہوگئی، اگر رات منیٰ میں گزاری تو تیرہویں کو کنکریاں مارنا پڑیں گی۔
اگر کوئی کنکریاں مارنے سے عاجز ہے اور اس کے رفیق نے کنکریاں اس کے ہاتھ پر رکھ دیں، پھر وہ خود پھینکے یا دوسرے کو حکم کرے، فقہاء اس کو بھی جائز فرماتے ہیں۔

پھر منیٰ سے نکل کر محصب میں جائے اور اس کا نام ابٹح ہے، وہاں تھوڑی دیر اُترے، یہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔

پھر مکہ میں داخل ہو اور طواف کرے، اس طواف میں اکڑ کر نہ چلے، اس طواف کا نام طوافِ صدر یا طواف الوداع ہے، یہ واجب ہے، اس طواف کے جواز کا وقت طوافِ زیارت کے بعد سے ہے اور وقتِ استحباب یہ ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے اس وقت طواف کرے، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر طواف کے بعد عشاء تک ٹھہرا تو میرے نزدیک دوبارہ طواف کرے تاکہ چلتے وقت خانہ کعبہ سے رخصت ہو۔

اگر اس طواف کو ایامِ قربانی سے مؤخر کیا تو اس پر کچھ لازم نہیں آتا۔ طواف

صدر اس وقت واجب ہوتا ہے جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ کرے، اور میقات کے اندر والوں پر یہ طواف واجب نہیں، اسی طرح حیض اور نفاس والی پر بھی واجب نہیں ہے، اگر طواف صدر نہیں کیا اور ابھی میقات کے اندر ہے تو واپس لوٹے اور طواف کرے، اگر واپس آیا تو عمرہ کے احرام سے آئے، پہلے عمرہ کا طواف اور سعی کرے، پھر طواف صدر کرے، اور اگر واپس نہیں آیا اور میقات سے باہر ہو جانے کے بعد واپس آنا واجب بھی نہ تھا، تو طواف صدر کے ترک پر قربانی بھیجے، جو حرم میں ذبح ہو۔

جب طواف صدر سے فارغ ہو تو مقامِ ابراہیم پر آئے، اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر زمزم پر آئے اور قبلہ رو ہو کر کئی سانسوں میں اس کا پانی پیئے، ہر سانس پر نگاہ اُپر اٹھائے اور خانہ کعبہ کو دیکھے، اور زمزم کا پانی سر اور جسم پر ڈالے، پھر ملتزم کو جو کہ حجر اسود سے بیت اللہ کے دروازہ تک کا نام ہے، سینہ سے لگائے اور دُعا کرے:

”السَّائِلُ بِسَائِكَ يَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

وَمَعْرِفَتِكَ وَيَرْجُو رَحْمَتَكَ“

اور خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑے اور تحمید، تہلیل اور دُرود پڑھے، پھر پیچھے کو لوٹے اور روتا ہوا، حسرت کرتا ہوا مسجد حرام سے باہر نکلے۔

عورت کے احکام:

عورت ان سب احکام میں مرد کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ عورت حالتِ احرام میں اپنا سر نہ کھولے اور منہ کھولے، اور اگر اپنے منہ پر کپڑا اس طرح ڈالے کہ منہ سے جدا ہو تو جائز ہے، اور ”لَبَّيْكَ“ میں آواز پست کرے کہ وہ خود تو سنے، مگر دُوسرا کوئی نہ سنے، اور طواف میں اکڑ کر نہ چلے اور دونوں ستونوں (میلین اخضرین) کے درمیان سعی میں نہ دوڑے، بلکہ اپنے عام طریقے پر چلے، عورت ہر قسم کا

کپڑا پہن سکتی ہے، لیکن زعفران وغیرہ کا رنگا کپڑا نہ پہنے، ہاں! اگر وہ دھل چکا ہو (اور اس میں خوشبو نہ رہے) تو درست ہے، اور حجرِ اسود کے پاس مردوں کا ہجوم ہو تو بوسہ نہ دے، عورت کو صفا مروہ پر چڑھنا واجب نہیں، ہاں! جگہ خالی ہو تو درست ہے، اور خنثی مشکل سب احکام میں مثل عورت کے ہے۔

مسائل متفرقہ:

اگر بیمار، بے ہوش کی طرف سے اس کے رفیقِ حج نے احرام باندھ لیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔

اگر بیمار نے حکم کیا کہ اگر میں بے ہوش ہو جاؤں یا سو جاؤں تو میری طرف سے احرام باندھ لینا تو بالاجماع جائز ہے، اور نائب کو احرام کی حالت میں سلے کپڑوں سے بچنا واجب نہیں۔ (کذا فی عالمگیری نقلاً عن بحر الرائق)

بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہے کہ بیمار اور بے ہوش کو اس کے رفقاء، سب مقامات پر لے جائیں اور سعی اور وقوف کرا دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب کام رفقاء سفر اس کی طرف سے خود کر لیں۔ (کذا فی فتح القدیر)

اگر بیمار کہے کہ مجھے اُجرت پر طواف، سعی وغیرہ کراؤ تو اُجرت پر کرانا جائز ہے۔ لڑکا خود احرام باندھے یا کوئی اور اس کی طرف سے باندھے، جائز ہے۔ اگر لڑکے کو تمیز نہیں تو اس کا متولی اس کی طرف سے افعال ادا کرے، اور اگر تمیز ہے تو خود کرے۔ اگر نابالغ لڑکے نے حج کے بعض اعمال، مثلاً: وقوف مزدلفہ اور کنکریاں مارنا چھوڑ دیا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اس سے کچھ ممنوع کام ہو گیا تو اس کے ولی پر بھی کچھ واجب نہیں، اور اگر لڑکے نے حج فاسد کر دیا تو اس پر قضا لازم نہ ہوگی، اگر حرم میں شکار پکڑ لیا تو بھی کچھ لازم نہ

ہوگا، البتہ وارث کو چاہئے کہ لڑکے کو ممنوعات سے بچاتا رہے۔

حج قرآن اور تمتع کے بیان میں:

قارن وہ شخص ہے جو میقات یا اس سے پہلے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے۔ احرام باندھنے کا طریق وہی ہے جو اوپر گزرا، نماز کے بعد کہے: ”لبیک بعمرۃ وحج معاً“ اور لبیک کے وقت ان دونوں کی نیت کرے اور زبان سے بھی ان دونوں کا ذکر کرے یا فقط دل سے کرے، بس دونوں کا احرام ہو گیا۔

پس قارن کو چاہئے کہ پہلے عمرہ کا طواف کرے، پھر اس کی سعی کرے، اور پھر حج کا طواف کرے، اور حج کے لئے سعی کرے۔ اگر عمرہ اور حج دونوں کا طواف یکبارگی کر لیا اور دونوں کی سعی کو بھی جمع کیا تو ہو گیا مگر بُرا کیا۔ اور اگر قارن نے پہلا طواف اور سعی حج کے لئے کیا اور دوسرا طواف و سعی عمرہ کے لئے کیا، تو پہلا طواف اور سعی عمرہ کا اور دوسرا حج کا شمار ہوگا۔ (کذا فی النجۃ النیرۃ)

قارن پر قربانی لازم ہے، قارن عمرہ اور حج کے درمیان سر نہ منڈائے۔ تمتع وہ ہے جو عمرہ کے افعال حج کے مہینوں میں کرے، پھر حج کا احرام باندھے اور عمرہ اور حج کے درمیان اپنے گھر اور وطن کو نہ آئے۔

اگر کوئی ایسا شخص اہل و عیال یعنی وطن کی طرف آیا، جس کو واپس مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا واجب تھا، تو اس کا گھر آنا تو اس کے تمتع کے صحیح ہونے میں مانع نہیں، مثلاً: جیسے قربانی خود لے گیا تھا تو وہ احرام میں ہے، وہ اگر گھر واپس آ بھی جائے تو اس کو حج کے لئے مکہ مکرمہ واپس جانا واجب ہے، تو ایسے شخص کا گھر آنا نہ آنے کی مانند ہے۔

اگر کوئی شخص قربانی ساتھ نہ لے گیا تھا اور مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کیا اور احرام سے باہر ہو گیا اور واپس گھر آیا، اور پھر مکہ مکرمہ جا کر حج کیا تو تمتع نہ ہوگا۔

اگر میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی ساتھ نہ لے گیا تھا، مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کیا اور احرام سے باہر ہوا، پھر مکہ مکرمہ ہی میں رہا اور حج کیا، تو متمتع ہے۔ متمتع پر مثل قارن کے قربانی لازم ہے، اگر قربانی نہیں کر سکتا تو عمرہ کے بعد عرفہ کے دن تک تین روزے رکھے، پھر حج کے بعد مکہ میں یا وطن وغیرہ میں سات روزے رکھے، اور روزے کی نیت صبح ہونے سے پہلے کرے تب روزہ ہوگا، اگر تین دن روزے نہیں رکھے تو اس کو اس کے بعد روزہ جائز نہیں، قربانی کرنا لازم ہوگا، اور اگر عاجز ہو گیا یا مرنے کو ہوا تو قربانی کرنے کی وصیت کرے، مکہ والوں کے لئے قرآن اور متمتع نہیں، یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے باہر والوں کے لئے عطا فرمائی ہے۔

عمرہ کے بیان میں:

عمرہ کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھے، طواف کرے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، پھر سر منڈائے یا بال کترائے۔ عمرہ سنت ہے، واجب نہیں، اور ایک سال میں کئی عمرے کر سکتا ہے، مگر پانچ دنوں میں نہ کرے، عرفہ کے دن، قربانی اور قربانی کے بعد کے تین دن۔

عمرہ کا رکن طواف ہے، اس کے واجب، سعی کرنا اور سر منڈانا یا بال کترانا ہیں۔ عمرہ کی سنتیں وہی ہیں جو حج کی سنتیں ہیں، اور عمرہ کا مفسد یہ ہے کہ طواف کے اکثر چکر کرنے سے پہلے جماع کر لے۔

جو چیزیں حج میں منع ہیں، وہ عمرہ میں بھی منع ہیں، عمرہ میں حجر اسود کو بوسہ دے کر ”لَبَّيْكَ“ کو موقوف کر دے، عمرہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ماں باپ، پیر اور اُستاذ کی طرف سے کرے تو عمدہ ہے۔

ممنوعات حج کے بیان میں:

خوشبو لگانا منع ہے، پھر خوشبو تین قسم پر ہے:

ایک: یہ کہ وہ نری خوشبو ہو، جیسے: مشک، کافور اور عنبر وغیرہ، اس کو کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا، اگر دوا کے طور پر لگایا تو بھی کفارہ واجب ہوگا۔

دوم: یہ کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو خوشبو نہیں، لیکن وہ خوشبو کی بنیاد و اصل ہے، جیسے: زیتون اور تل کا تیل، اگر تیل لگانے کے طور پر استعمال کیا تو کفارہ واجب ہوگا، اور اگر غذا یا دوا کے طور پر استعمال کیا تو کفارہ لازم نہ ہوگا۔

سوم: یہ کہ وہ نہ خوشبو کی اصل ہے، نہ خوشبو کے حکم میں ہے، جیسے: چربی وغیرہ، تو اس کے استعمال سے کفارہ لازم نہیں آتا۔

خوشبو میں بعض نے عضو کا اعتبار کیا ہے کہ اگر اکثر عضو پر لگائی تو کفارہ ہوگا وگرنہ نہیں، اور بعض نے خود خوشبو کا اعتبار کیا ہے، جس کو عرف قلیل یا کثیر کہے، اس کا اعتبار ہے۔

اگر تمام اعضاء پر خوشبو لگائی تو ایک کفارہ ہے، اور ہر عضو پر جدا جدا مجلس میں خوشبو لگائی تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ کفارہ ہوگا۔ تمام عضو پر خوشبو لگانے سے قربانی لازم آتی ہے اور قلیل پر لگانے سے صدقہ لازم ہوتا ہے۔

اگر سر پر مہندی سے خضاب کیا اور مہندی پتلی تھی تو قربانی واجب ہوگی، اور اگر مہندی گاڑھی ہے تو دو قربانیاں ہیں: ایک مہندی لگانے کی اور دوسری سر ڈھانپنے کی، اور اگر دفع درد سر کے لئے کیا تو بھی جزا لازم ہوگی۔

اگر آنکھ میں ایک بار خوشبو کا سرمہ لگایا تو صدقہ لازم ہے، اگر بہت بار لگایا تو قربانی لازم ہے۔ اگر متفرق جگہ تھوڑی تھوڑی خوشبو لگائی، تو اگر عضو کے برابر ہوگئی تو

قربانی لازم ہے، وگرنہ صدقہ لازم ہے۔

خوشبودار پھول کے سونگھنے سے کچھ لازم نہیں آتا، مگر کراہت ہے۔

اگر سلا ہوا کپڑا حسبِ عادت ایک دن رات یا اس کا اکثر حصہ پہنے رکھا تو قربانی واجب ہے، اگر اس سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہے، خواہ اختیار سے پہنے یا زبردستی سے، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اگر محرم سلا ہوا کپڑا پہنے رہا تو ایک ہی قربانی ہے، اگر ایک ہی دن کے کچھ حصے میں قمیص پہنی، پھر اسی دن پاجامہ پہنا، پھر اسی دن موزے پہنے، ٹوپی سر پر رکھی، تو ایک کفارہ واجب ہوگا۔

اگر ایک دن یا ایک رات یا اس کا اکثر حصہ اپنا سر یا منہ ڈھکے تو اس پر قربانی لازم ہوگی، اور اگر اس سے کم مقدار ہو تو صدقہ لازم ہوگا، اور چوتھائی سر کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر سر یا منہ پر پٹی باندھی اور پورے دن یا اس کے اکثر حصے میں بندھی رہی تو صدقہ واجب ہے، اور باقی بدن پر پٹی باندھنے سے کچھ بھی نہیں۔

اگر محرم دوسرے کو خوشبو والا کپڑا، خواہ سلا ہوا ہو یا بے سلا، پہنائے تو بالاجماع اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ (عالمگیری)

محرم نے بخار کی وجہ سے کپڑا پہنا یا بعض وقت اوڑھنے کی ضرورت تھی اور بعض وقت نہیں تھی، تو بیماری زائل ہونے تک ایک کفارہ (دم) ہے، اور بخار زائل ہو گیا، پھر آیا، یا پہلے والی وہ بیماری دفع ہو گئی، دوسری آئی، تو شیخین کے قول کے مطابق دو کفارہ لازم ہوں گے۔

اگر محرم نے بغیر ضرورت کے سر منڈایا تو اس پر قربانی ہے، اس کے سوا اور کسی چیز سے اس کا کفارہ نہیں ہو سکتا، حرم اور غیر حرم میں سر منڈانا برابر ہے، چوتھائی کے مونڈوانے کا بھی یہی حکم ہے، داڑھی کا بھی یہی حکم ہے، اور چوتھائی سے کم تراشا تو

صدقہ ہے۔ (لیکن داڑھی مونڈوانا یا تراش کر ایک مشت سے کم رکھنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے) ساری گردن، بغلوں یا ناف کے نیچے کے بال کا بھی یہی حکم ہے، اور ایک بغل نصف سے زیادہ مونڈی تو صدقہ واجب ہوگا، اگر کسی نے مونچھوں کے بال مونڈے، تو صحیح قول یہ ہے کہ اس پر صدقہ واجب ہے، اور بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اگر وہ داڑھی کے چوتھے حصے کے برابر ہے تو بکری کی قیمت کا چوتھائی حصہ صدقہ کرے، علیٰ ہذا القیاس۔ اگر تمام عضو کے بال مونڈے تو قربانی لازم ہے، وگرنہ صدقہ ہے۔

عضو سے مراد بغل، سر، داڑھی اور وہ اعضاء ہیں جن کو عادتاً مونڈا جاتا ہے۔ اگر سر، ناک یا داڑھی کے بعض بال لئے تو ہر بال کے عوض ایک مٹھی گندم وغیرہ دے۔

اگر محرم کے بال جل گئے تو صدقہ واجب ہے۔
سر اور داڑھی وغیرہ کے بال بیک وقت مونڈے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔
اگر محرم نے دوسرے کا سر مونڈا تو صدقہ واجب ہے۔
اگر تمام ہاتھ پاؤں کے ناخن بیک وقت تراشے تو ایک قربانی کافی ہے، اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے تین ناخن تراشے تو صدقہ واجب ہوگا، ہر ناخن کے بدلے نصف صاع گیہوں دے۔

اگر سر منڈانے میں تاخیر کی تا آنکہ قربانی کے ایام گزر گئے تو اس پر قربانی لازم ہوگی۔ اسی طرح اگر قارن اور متمتع نے بھی قربانی کے ایام گزرنے تک تاخیر کی تو قربانی لازم ہے۔

اگر قارن نے قربانی ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر دو قربانیاں ہیں، ایک اس لئے کہ ذبح سے پہلے سر منڈایا،

دوسری خود دم قرآن اس پر واجب ہے۔

ایک وقت میں ناخن تراشے، دوسرے وقت میں سر منڈایا اور تیسرے وقت میں داڑھی وغیرہ منڈوائی، اگر تو پہلے کفارہ ادا کر چکا ہے تو اب دوسرا کفارہ واجب ہوگا، ورنہ ایک ہی قربانی لازم ہے۔

فائدہ: جو کام اپنے اختیار سے کئے جاتے ہیں، جیسے سلا ہوا کپڑا پہننا، بال منڈانا وغیرہ، ایسے افعال کو کسی بیماری یا ضرورت کی وجہ سے کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا، یعنی جو کفارہ چاہے ادا کرے، مثلاً: قربانی کرے، صدقہ دے یا روزہ رکھے۔ اگر قربانی کرے تو حرم میں ذبح کرے، اگر حرم سے باہر ذبح کر لی تو ادا نہ ہوگی۔ اگر روزے اختیار کرے تو جہاں چاہے وہاں تین دن کے روزے رکھے، مسلسل رکھے یا جدا جدا رکھے سب درست ہے۔ اور اگر صدقہ اختیار کرے تو تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے، ہر مسکین کو نصف صاع دے، افضل یہ ہے کہ فقراء مکہ معظمہ کو دے، اگر باہر والوں کو دے تو بھی جائز ہے۔

جماع کے بیان میں:

حج و عمرہ احدا السبیلین یعنی قبل و دبر میں جماع کے علاوہ کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (کذا فی المحیط)
اسی طرح اگر چوپائے یا جانور سے دخول کر دیا، انزال ہونے پر قربانی واجب ہوگی، اور حج و عمرہ فاسد نہ ہوگا۔

اور تصور کرنے سے انزال ہوا تو کچھ بھی واجب نہیں، احتلام سے غسل کے سوا کچھ بھی واجب نہیں۔

اگر حج افراد کیا اور وقوف عرفات سے پہلے مجامعت کی، تو اگر عورت بھی

محرم تھی تو ہر دو کا حج فاسد ہوا، پس ہر دو پر واجب ہے کہ حج کے سب افعال پورے کریں، ان دونوں پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہے، اور آئندہ سال حج کو قضا کریں، اور ان دونوں پر عمرہ واجب نہیں۔ (کذا فی شرح طحاوی)

مجامعت عداً ہو یا سہواً، زبردستی ہو یا رضا و رغبت سے، سب کا حکم برابر ہے، اور نابالغ لڑکے اور مجنون کی وطی کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں! اگر شوہر نابالغ لڑکا تھا، تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح اگر عورت نابالغ لڑکی تھی تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا۔ اگر وقوف عرفات کے بعد مجامعت کی تو حج فاسد نہ ہوگا، خواہ عداً جماع کیا یا سہواً، اور ان پر اُونٹ یا گائے کی قربانی ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ واجب ہوگی، بکری کی قربانی کفایت نہیں کر سکتی۔

جمہور کے نزدیک اگر حلق کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے مجامعت کی تو بکری کی قربانی لازم ہوگی، اور عمرہ میں طواف کے چار چکر کرنے سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہو گیا، اس کو تمام کرے اور عمرہ کو قضا کرے، اور بکری کی قربانی اس پر لازم ہوگی، اور اگر چار چکر کرنے کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا، مگر قربانی لازم ہوگی۔ (کذا فی الہدایہ)

اگر قارن ہو اور طواف عمرہ سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ اور حج دونوں فاسد ہو جائیں گے، پس حج اور عمرہ کے افعال کو پورا کرے اور اس پر دو بکریوں کی قربانی لازم ہوگی، اور آئندہ سال حج و عمرہ کو قضا کرے، اگر عمرہ کے طواف کے بعد جماع کیا تو عمرہ فاسد نہ ہوگا اور حج فاسد ہو گیا، اس پر بھی دو قربانیاں لازم ہیں، آئندہ سال حج کو قضا کرے اور قرآن کی قربانی اس سے ساقط ہو جائے گی۔ (کذا فی عالمگیری)

اگر وقوف عرفات کے بعد جماع کیا تو عمرہ اور حج فاسد نہ ہوگا، حج کے عوض اُونٹنی اور عمرہ کے عوض بکری کی قربانی واجب ہے، اور قرآن کی قربانی بھی

لازم ہوگی۔ (کذا فی المحیط)

متمتع اگر قربانی لے چلا تھا، اگر عمرہ کے طواف سے یا وقوفِ عرفات سے پہلے جماع کیا تو متمتع کی قربانی اس سے ساقط ہے، اور جماع کی لازم ہے۔ اور اگر وقوفِ عرفات کے بعد جماع کیا تو دو قربانیاں اس پر لازم ہوں گی، مرد و عورت اس حکم میں برابر ہیں۔

طواف، سعی، رمل اور جنایات کے بیان میں:

اگر طواف زیارت بے وضو کیا یا حالتِ جنابت میں کیا یا نصف سے زیادہ بے وضو یا جنابت کی حالت میں کیا تو ایک بکری کی قربانی واجب ہوگی۔ (ہدایہ کے حاشیہ میں ہے کہ طواف زیارت حالتِ جنابت میں کرنے سے بدنہ (بڑا جانور) لازم آتا ہے، اسی طرح حائضہ یا نفساء کی صورت میں بدنہ (بڑا جانور) لازم ہے، نیز وقوفِ عرفہ کے بعد جماع سے بدنہ (بڑا جانور) لازم آتا ہے، کذا فی حاشیۃ الہدایہ)۔
افضل یہ ہے کہ جب تک مکہ میں ہے طواف کا اعادہ کرے، اگر اعادہ کر لیا تو قربانی اس پر واجب نہ رہے گی، یعنی ساقط ہو جائے گی، اصح یہ ہے کہ بلا وضو کئے گئے طواف کا اعادہ مستحب ہے، اور حالتِ جنابت میں کئے گئے طواف کا اعادہ واجب ہے۔ پھر اگر ایامِ نحر میں اعادہ کیا تو کچھ واجب نہ ہوگا، اور اگر ایامِ نحر کے بعد اعادہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے بکری کی قربانی واجب ہوگی، اور بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی اس سے ساقط ہو جائے گی۔

اگر حالتِ جنابت میں طواف زیارت کیا اور گھر چلا آیا تو واجب ہے کہ نیا احرام باندھ کر لوٹے، اگر نہ لوٹا اور بدنہ بھیج دیا تو بھی جائز ہے۔

اگر طواف زیارت نصف سے کم بے وضو کیا تو اس پر صدقہ واجب ہے،

نصف صاع گیہوں ہر شوط (چکر) کے عوض دے، اور نصف سے کم حالت جنابت میں کیا تو بکری واجب ہے، اگر مکہ میں ہے اور اعادہ کر لیا تو قربانی ساقط ہو جائے گی، اور صدقہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اگر ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طواف کے ہر شوط کے عوض دو سیر گیہوں دے۔

اگر طواف زیارت میں ایک درہم سے زائد کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

اگر طواف صدر بے وضو کیا تو صدقہ واجب ہے، اور اعادہ سے بالا جماع صدقہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر طواف صدر کل یا اس کا اکثر حصہ جنابت کی حالت میں کیا تو قربانی واجب ہوگی، اگر مکہ میں ہے اور اعادہ کر لیا تو قربانی ساقط ہو جائے گی، اور تاخیر کی وجہ سے بالاتفاق اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اگر جنابت کی حالت میں طواف زیارت کیا اور آخر ایام تشریق میں طہارت سے طواف صدر کیا تو طواف صدر، طواف زیارت کے قائم مقام ہو جائے گا اور طواف صدر اس کے ذمہ باقی رہے گا، اور اس کے چھوڑنے کی وجہ سے بالاتفاق قربانی لازم ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طواف زیارت میں تاخیر کی وجہ سے ایک اور قربانی واجب ہوگی۔ (کذا فی المحیط)

اگر طواف زیارت اور طواف صدر دونوں کو چھوڑ دیا تو اس پر بیوی حرام رہے گی، اور اس پر واجب ہے کہ پھر لوٹے اور دونوں طواف کرے، اور طواف زیارت کی تاخیر کی وجہ سے قربانی ادا کرے، البتہ طواف صدر کی تاخیر پر کچھ واجب نہیں، اس لئے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔

اگر طواف قدوم بے وضو کیا تو اس پر صدقہ واجب ہوگا، لیکن اگر جنابت کی

حالت میں کیا تو قربانی واجب ہوگی۔

اگر عمرہ کا طواف اور سعی بے وضو کیا، تو اگر اعادہ کر لے تو کچھ واجب نہ ہوگا، ورنہ قربانی واجب ہوگی۔ اور سعی بلا وضو کرنے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں۔
اگر طواف زیارت میں ستر کھلا ہوا تھا تو اعادہ کرے، ورنہ قربانی واجب ہوگی۔
صفا و مروہ کی سعی چھوڑ دے تو اس پر قربانی واجب ہوگی اور اس کا حج پورا ہو جائے گا۔ (کذا فی القدوری)

اگر عرفات سے امام کے جانے سے پہلے اور غروب سے قبل حاجی چلا گیا تو اس پر قربانی واجب ہوگی، اگر غروب سے پہلے لوٹ آیا تو حسب ظاہر روایت اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی اور بعد غروب کے چلا تو کچھ واجب نہ ہوگا۔
اگر جمرات پر کنکریاں مارنا چھوڑ دے یا صرف ایک جمرہ کو کنکریاں مارے یا یوم نحر کو صرف جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارے تو اس پر ایک قربانی واجب ہوگی، اور اگر کچھ تھوڑی سی کنکریاں مارنا چھوڑ دے تو ہر کنکری کے عوض نصف صاع گیہوں صدقہ دے، لیکن جب اس کی قیمت ایک بکری کے برابر ہو جائے تو جس قدر چاہے کم کر دے۔ (کذا فی عالمگیری)

اگر جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں سعی کی تو سعی ہو جائے گی، مگر اس نے بُرا کیا۔

شکار کے بیان میں:

شکار سے وہ جاندار مراد ہے جو اصلی پیدائش کے اعتبار سے بری اور وحشی ہو، پھر خواہ وہ جنگل میں رہتا ہو یا دریا میں، محرم کو اس کا شکار ممنوع ہے، اور ایسے دریائی جانور کا شکار جس کی پیدائش دریا میں ہو، محرم کو جائز ہے۔

محرم نے شکار کو قتل کیا خواہ سہواً ہو یا عمداً، شکار کسی کی ملک میں ہو یا مباح ہو، سب صورتوں میں اس پر جزا واجب ہوگی۔ اور جزا وہ ہے کہ دو نیک سمجھ دار اس کی قیمت مقرر کریں، خواہ یہ قیمت اس مکان و زمان میں مقرر کی جائے جہاں قتل ہو یا اس کے قریب کے مکان و دیہات میں، اگر وہاں شکار کی قیمت نہیں ہے تو پھر قیمت میں اس کو اختیار ہے، چاہے تو جزا میں قربانی کا جانور خرید کر کے حرم میں ذبح کرے اور گوشت فقراء میں تقسیم کر دے، بشرطیکہ اس کی قیمت قربانی کے جانور کے برابر ہو، اور چاہے تو اس کے بدلے میں اناج خرید کر کے اس میں سے ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو دیدے، اور چاہے تو ہر نصف صاع کے مقابل روزہ رکھے۔ اگر اس شکار کی قیمت مسکین کے کھانے سے کم ہو تو پھر اختیار ہے، چاہے تو وہی کھانا دے دے یا اس کے بدلے میں ایک دن کا روزہ رکھے۔ (کذا فی الکافی)

اگر کسی نے شکار کی جزا میں قربانی کرنا اختیار کیا اور قربانی سے قیمت بچ گئی، اگر اس سے دوسری قربانی ہو سکتی ہے تو اسے اختیار کرے، چاہے تو دوسری قربانی کرے، یا دونوں کے عوض صدقہ دے، یا بچی ہوئی رقم کے برابر روزہ رکھے یا ایک قربانی کرے اور باقی کے عوض جو بھی کفارہ چاہے ادا کرے۔ اسی طرح بچی ہوئی قیمت سے بکری نہیں خریدی جاسکتی تو صدقہ دے یا روزہ رکھے، اس کو اختیار ہے۔ بکری ذبح کرنا حرم کے ساتھ خاص ہے اور صدقہ جہاں چاہے دے دے۔

اگر محرم نے شکار حرم میں قتل کیا تو اس پر وہی واجب ہے جو حرم کے باہر شکار کے قتل کرنے سے واجب ہوتا تھا، اور حرم کی وجہ سے کچھ اور واجب نہ ہوگا کہ شکار کا قتل علیحدہ ہوا، حرم کی ہتک علیحدہ ہوئی۔

اسی طرح غیر محرم نے حرم کے شکار کو قتل کیا، تو اس پر جزا واجب ہوگی، لیکن اس کو روزے رکھنا کافی نہیں ہیں، اور اگر ماکول اللحم یعنی حلال جانور کو قتل کیا تو

اس پر جزا لازم ہوگی، مگر ایک بکری سے زائد نہ ہوگی۔

اگر درندے نے محرم پر حملہ کیا اور محرم نے اس کو قتل کیا تو کچھ لازم نہ ہوگا، اسی طرح اگر شکار اس پر حملہ کرے تو قتل کرنے سے کچھ لازم نہ ہوگا، اور اگر شکار کو زخمی کیا، پھر وہ مر گیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ اچھا ہو گیا اور اس پر کچھ اثر نہ رہا تو ضامن نہ ہوگا، اور کچھ اثر باقی ہے تو جس قدر اس کی قیمت میں نقصان ہو گیا، اس کا ضامن ہوگا۔

اگر کسی پرندے کا بازو اُکھاڑا یا پاؤں کاٹے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا، تو پوری قیمت لازم ہوگی، وگرنہ صرف نقصان کا ضامن ہوگا۔
اگر شکار کا گندہ انڈہ توڑا تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا، اور اگر انڈہ صحیح ہے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

قارن اگر شکار کو قتل کرے تو اس پر دوہری جزا لازم ہوگی، اگر کسی جوں کو مارا یا زمین پر ڈال دیا تو جتنا چاہے صدقہ دے دے، اگر دو، تین جوئیں ماریں تو بھی مٹھی بھرانا ج دے دے اور اس سے زیادہ ہوں تو نصف صاع گیہوں دے دے، اسی طرح جوں کی طرف اشارہ کر کے نشاندہی نہ کرے اور نہ دوسرے کو پکڑ کر دے، جوں کو مارنے کے لئے کپڑا دھوپ میں نہ ڈالے، نہ ہی جوں کے مارنے کی نیت سے کپڑا دھوئے، اگر ایسا کیا تو نصف صاع گیہوں دے دے، اور اگر کپڑے دھوئے، لیکن اس کی نیت جوئیں مارنے کی نہ ہو، پھر وہ کپڑے خشک کرنے کے لئے دھوپ میں ڈالے جس سے جوئیں مر گئیں تو کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

حرم کے درختوں کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: کہ اس کو لوگوں نے بویا یعنی کاشت کیا ہو، لیکن وہ درخت ایسا نہیں

جس کو عموماً بویا اور اُگایا جاتا ہو۔

دوسری قسم: ان درختوں کی ہے کہ جن کو کسی نے بویا ہو اور وہ درختوں کی اس قسم سے ہو جو عام طور پر بوئے اور اُگائے جاتے ہیں۔
تیسری قسم: وہ درخت جو خود پیدا ہوا، مگر اس کا تعلق اس قسم سے ہو جو بوئے جاتے ہیں۔

ان تین قسم کے درختوں کے کاٹنے پر کوئی جزا نہیں ہے۔
چوتھی قسم: یہ کہ وہ درخت خود پیدا ہوا ہو، اور اس کا تعلق بھی درختوں کی اس قسم سے ہو جو بوئے نہیں جاتے، اس کے کاٹنے پر جزا لازم ہے، خواہ وہ درخت کسی کا مملوک ہو یا مملوک نہ ہو۔ اور حرم کی گھاس کو کاٹنے سے اس کی قیمت لازم ہوگی، اگر اس قیمت سے قربانی ہو سکے تو قربانی کرے یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے دے، تو جائز ہے، روزے اس میں جائز نہیں ہیں، اگر حرم کی گھاس کو بیچا تو اس کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس کی قیمت صدقہ کرے، یعنی اگر بیع ہوگئی اور بیع واپس نہیں ہو سکتی۔ اور حرم کے جو درخت خشک ہو گئے ہوں اور نشوونما کی حد سے نکل گئے ہوں، ان کے اُکھاڑنے اور نفع حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سوکھی گھاس لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، مگر سبز اذخر (گھاس) کا کاٹنا جائز ہے، اور حرم کی کمات یعنی کھمبی لینا جائز ہے۔

بغیر احرام کے میقات سے گزرنا:

میقات سے باہر رہنے والا اگر بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہو گیا، اور حج اور عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، تو صرف مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس پر حج یا عمرہ لازم ہے۔

اور اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے واسطے میقات کو نہ لوٹے تو حق

میقات ترک کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہے، اور اگر لوٹ کر حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور حج یا عمرہ کا ارادہ کیا تو وہ قربانی ساقط ہوگئی۔

اگر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہوا، پھر اسی سال لوٹ کر میقات سے حج کا احرام باندھا تو اس سے وہ قربانی جو بلا احرام مکہ میں داخل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی تھی، ساقط ہوگئی۔

اگر میقات کے اندر کسی جگہ کسی کام کے لئے داخل ہوا، پھر وہاں سے مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے، اور اگر وہاں سے عمرہ یا حج کا ارادہ کرے تو اسی جگہ سے احرام باندھ سکتا ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

ایک احرام سے دوسرا احرام ملا دینا:

اگر کوئی شخص عمرہ سے فارغ ہوا، لیکن ابھی تک اس نے بال نہیں کترائے، پھر اس نے دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو اس پر وقت سے پہلے احرام باندھنے کی وجہ سے قربانی لازم ہوگی اور یہ قربانی کفارہ کی ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

حج کا طوافِ قدوم کیا، پھر عمرہ کا احرام باندھا تو حج و عمرہ دونوں لازم ہوں گے، اگر دونوں کو اسی طرح ادا کیا تو جائز ہے، اور دونوں کو جمع کرنے کی وجہ سے اس پر قربانی لازم ہوگی، اور یہ قربانی حج کی نہیں (یعنی حج قرآن کی نہیں ہے) بلکہ کفارہ کی ہے، اور مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو توڑ دے۔ (کذا فی عالمگیری ناقلاً عن الکافی)

احصار، یعنی حج سے روکے جانے کا بیان:

محصر، وہ شخص ہے جس نے احرام باندھا تھا، مگر دشمن کے خوف، مرض، قید یا کسی عضو کے ٹوٹ جانے وغیرہ کی وجہ سے حج یا عمرہ کے ادا کرنے سے روکا گیا، وغیرہ وغیرہ۔

اس مرض کی حد، جس سے احصار ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس کو چلنے یا سوار ہونے کی طاقت نہ رہے، اور اگر فی الحال طاقت ہے، مگر بیماری کے بڑھنے کا خوف ہے، تو بھی یہی حکم ہے۔ اور دشمن کے خوف میں مسلمان، کافر اور درندہ سب کا خوف شامل ہے۔

اسی طرح اگر پیسے چوری ہو گئے اور پیدل چلنے کی طاقت نہیں، تو وہ بھی محصر ہے، اور اگر چلنے پر قدرت رکھتا ہے تو وہ محصر نہیں۔

اسی طرح عورت حج کو جا رہی تھی کہ اس کا شوہر یا محرم مر گیا، تو وہ عورت بھی محصرہ ہے۔

عورت نے حج نفل کا احرام باندھا اور شوہر نے روک دیا تو وہ بھی بمنزلہ محصرہ کے ہے۔

کیا شوہر کو اختیار ہے کہ وہ عورت کو احرام سے نکال دے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر کو اختیار ہے کہ حج نفل میں عورت کو روک دے۔ اسی طرح عمرہ سے بھی احصار ہوتا ہے، احصار کی حالت میں حکم یہ ہے کہ قربانی یا اس کی قیمت حرم میں بھیج دے کہ اس کی قربانی خرید کر کے ذبح کر دی جائے، اور اس قربانی کے ذبح کرنے کا ایک روز معین کر کے وعدہ لے لے، تو جس دن وہ قربانی ذبح ہوگی، اس دن یہ محصر احرام کھول سکتا ہے، اگر قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے محصر نے ایسا کوئی فعل کیا جو حالت احرام میں جائز نہیں تھا تو اس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو محصر نہ ہونے کی صورت میں محرم پر واجب ہوتا تھا۔ اور محصر کے لئے احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا شرط نہیں، لیکن اگر سر منڈا لے تو بہتر ہے۔

(کذا فی البدائع)

اگر نہ قربانی میسر ہو اور نہ ہی اس کی قیمت، تو وہ احناف کے نزدیک روزہ

رکھ کر احرام سے باہر نہیں آسکتا، پھر جب محصر قربانی دے کر احرام سے باہر ہو گیا تو اگر فقط حج کا احرام باندھا تھا تو آئندہ سال اس پر حج اور عمرہ لازم ہے، اور اگر عمرہ کا احرام تھا تو اس کے عوض عمرہ لازم ہے، اور اگر قارن تھا تو دو قربانیوں کے ذبح ہونے کے بعد احرام سے باہر ہوگا، اور آئندہ سال اس پر دو عمرے اور ایک حج لازم ہوگا۔

(کذا فی المحیط)

حج کے فوت ہو جانے کا بیان:

جس کا حج فوت ہو جائے، مثلاً: وہ وقوف عرفہ نہ کر سکا یا وقوف عرفات سے پہلے اس نے مجامعت وغیرہ کر لی، تو اس پر واجب ہے کہ طواف وسعی کرے اور احرام سے باہر ہو جائے، اور آئندہ سال حج کو قضا کرے، وقوف عرفات سے محروم رہنے کی صورت میں اس پر دم نہیں ہے، البتہ جماع کے باعث اس پر بدنہ لازم ہے، اور قرآن والے کو چاہئے کہ پہلے عمرہ کا طواف وسعی کرے، پھر حج کے فوت ہو جانے کے عوض طواف وسعی کرے اور سر منڈائے یا کترائے۔

غیر کی طرف سے حج کرنے کا بیان:

عبادات تین قسم کی ہیں:

۱.... مالی: جیسے: زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ وغیرہ۔

۲.... بدنی: جیسے: نماز، روزہ۔

۳.... جو دونوں سے مرکب ہو جیسے: حج۔

مالی عبادت میں نیابت جائز ہے، خواہ حالت اختیار یہ ہو یا اضطراریہ، اور بدنی عبادت میں نیابت بالکل جائز نہیں۔ تیسری صورت میں عاجز ہونے کے وقت نیابت جائز ہے، اور اس کی چند شرائط ہیں:

۱:۔ جس کی طرف سے حج کیا جائے وہ بذاتِ خود ارکانِ حج ادا کرنے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال ہو، پس تندرست مال دار یا فقیر تندرست کی طرف سے حج فرض کی نیابت صحیح نہیں ہے۔

۲:۔ وہ مرتے دم تک عاجز ہی رہے، کیونکہ اگر مریض تندرست ہو جائے تو خود حج کرے، وہ حج جو اس نے کرایا تھا، نفل ہو جائے گا۔

۳:۔ حج کرانے والا حکم بھی کرے، اگر اس نے حج کا حکم نہیں کیا تو اس کی جانب سے حج فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ ہاں! وارث، مورث کی طرف سے بغیر حکم کے حج کرے تو جائز ہے۔ (کذافی عالمگیری)

۴:۔ حج بدل کرنے والا احرام کے وقت آمر کے حج کی نیت کرے اور یوں کہے: ”لبیک من فلان“ یہ زبان سے کہنا افضل ہے۔

۵:۔ اور نائب حج کرانے والے کے مال سے حج کرے، اگر نائب نے اپنے مال سے حج کیا تو آمر کی طرف سے حج فرض ادا نہ ہوگا۔ اگر نائب نے بھی کچھ مال خرچ کیا، اگر حج کرانے والے کا مال کافی تھا، تو اس کا احسان سمجھا جائے گا۔

۶:۔ حج بدل کرنے والا سوار ہو کر حج کرے، اگر اس نے پیادہ حج کیا تو اس خرچ کا ضامن ہوگا، پھر اس کی طرف سے سوار ہو کر حج کرے۔ (کذافی عالمگیری)

افضل یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج بدل کرایا جائے جو اپنی طرف سے حج کر چکا ہو، و بایں ہمہ اگر ایسے کو حکم کیا گیا جس نے اپنی طرف سے حج نہیں کیا تو احناف کے نزدیک جائز ہے، اور آمر سے حج ساقط ہو جائے گا۔ (کذافی عالمگیری ناقلًا عن المحیط)

فائدہ:۔ اگر حج بدل کی وصیت کرنے والے نے کوئی مقام مقرر نہیں کیا، تو اس کے وطن سے حج کرایا جائے، بشرطیکہ اس کا تہائی مال وطن سے حج کرانے کے لئے کافی ہو، وگرنہ جہاں سے کافی ہو وہاں سے کرایا جائے۔ (کذافی المحیط)

اگر میت کے مال میں سے حج کی آمد و رفت کے خرچ سے کچھ بچ جائے تو حج بدل کرنے والا ورثاء کو واپس کر دے، اور اگر مرنے والے نے حج کی وصیت کی تھی اور نائب یعنی حج بدل کرنے والے نے حج قرآن کر لیا تو قربانی نائب پر ہے، اور اگر نائب محصور ہوا تو قربانی میت کے مال سے ہوگی۔ (ہدایہ)

اگر حج بدل کرنے والے نے جماع سے حج کو فاسد کیا تو قربانی حج کرنے والے پر لازم ہوگی، میت کے مال سے نہ ہوگی، اور خرچ کا ضامن ہوگا۔

فائدہ: ... بلا اختلاف جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے واسطے کر دے، خواہ نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا قرآن کی تلاوت یا ذکر وغیرہ، (ہذا عند اہل السنۃ والجماعۃ) اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُبنے ذبح کئے تھے، ایک اپنے لئے اور ایک اُمت کے لئے، جس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے لئے ایصالِ ثواب جائز ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

ہدی کا بیان:

ہدی وہ حلال جانور ہے جس کو حرم کی طرف ہدیۂ لے جاتے ہیں، ہدی اس وقت ہوگا جب بطور صراحت یا بطور دلالت ہدی کے لئے مقرر کرے، مثلاً: قربانی کے جانور کو مکہ مکرمہ کی طرف ہانک کر لے چلے، ہدی تین قسم ہے: اُونٹ، گائے یا بکری، بھیڑ۔ (کذا فی الہدایہ)

ہمارے نزدیک اُونٹ سب سے افضل ہے، پھر گائے، بیل اور پھر بھیڑ، بکری۔ (کذا فی فتح القدیر) اور بدنہ خاص اُونٹ و گائے کو کہتے ہیں (کما مرّ)۔ ہدی وہی جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے، اور بکری ہر چیز میں جائز ہے، مگر چار مقام میں بدنہ دینا پڑتا ہے:

۱:....طواف زیارت حالت جنابت میں کیا۔

۲:....وقوف عرفات کے بعد جماع کیا، اس میں بکری جائز نہیں ہے۔

۳، ۴:....طواف زیارت حیض یا نفاس کی حالت میں کیا (کذا فی حاشیۃ

الہدایۃ کما مر) اس میں بھی بکری جائز نہیں۔

اُونٹ اور گائے کی ہدی میں پٹا ڈالنا سنت ہے، بشرطیکہ ہدی نفل، تمتع یا قرآن کی ہو، اور بکری والی ہدی کے گلے میں پٹہ ڈالنا سنت نہیں۔

ہدی پر سواری کرنا درست نہیں اور بلا ضرورت بار برداری بھی درست نہیں، اگر کسی نے ہدی پر سواری کی یا بار برداری کی تو سواری کرنے اور بار برداری کرنے سے اس کی قیمت میں جو نقصان ہوگا، وہ اس کے ذمہ واجب ہوگا۔ ہدی کا دودھ بھی نہ دو ہے، وغیرہ ذالک۔

تطوع، تمتع اور قرآن کی قربانی سے کھانا جائز ہے، اور باقی ہدایا سے کھانا جائز نہیں، اور نفل، تمتع اور قرآن کی قربانی دسویں ذوالحجہ یعنی ایام نحر کو ضروری ہے۔ اور مبسوط میں ہے کہ تطوع کی قربانی دسویں سے پہلے بھی جائز ہے اور دسویں کا دن افضل ہے، اور بقیہ ہدایا (قربانیاں) جیسے کفارہ، نذر اور احصار کی، جس وقت میں چاہے ذبح کرے، مگر سب کو حرم میں ذبح کرنا ہوگا، اور مساکین حرم اور غیر حرم پر گوشت کا تصدق جائز ہے۔ (کذا فی الہدایۃ)

جاننا چاہئے کہ جس قربانی کا کھانا مالک کو جائز ہے، اس کو ذبح کے بعد خیرات کر دینا واجب نہیں، بلکہ تہائی گوشت کا خیرات کرنا مستحب ہے، اور جس کا کھانا جائز نہیں، اس کے تمام کا خیرات کرنا اور بانٹنا واجب ہے۔

حج کی نذر کا بیان:

وجوب حج دو قسم ہے:

ایک:۔۔۔ یہ کہ حج کے وجوب کی سب شرطیں جمع ہوں، ایسے حج کو حجۃ الاسلام

کہتے ہیں۔

دوم:۔۔۔ یہ کہ اس کا وجوب بندہ کی طرف سے ہو، وہ یہ کہ مثلاً: یوں کہے: اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ حج ہے یا حج واجب ہے، خواہ اس کو کسی شرط سے مشروط رکھے، جیسے یوں کہے کہ: اگر میرا یہ کام ہو گیا تو مجھ پر حج واجب ہے، اگر شرط پائی گئی تو حج کرنا واجب ہوگا۔ اگر یوں کہے کہ میرے ذمے احرام ہے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی ایسا لفظ کہے جو احرام کے لازم ہونے پر دلالت کرتا ہے، مثلاً: یوں کہے کہ: اللہ تعالیٰ کے واسطے بیت اللہ، کعبہ یا مکہ تک پیدل چلنا مجھ پر واجب ہے، تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔ پھر اس میں بحث ہے کہ جب وہ پیدل حج یا عمرہ کرے تو کہاں سے پیدل چلے؟ اور کب پیدل چلنا چھوڑ دے؟ بعض نے کہا ہے کہ پیدل چلنے کی ابتدا احرام سے ہے، اور بعض نے کہا کہ گھر سے ہے، چنانچہ اگر کل راستہ یا اکثر راستہ سوار ہو کر چلا تو قربانی دے، اور بعض فقہاء نے کہا کہ اس کو اختیار ہے کہ پیدل چلے یا سوار ہو کر چلے، یعنی ایسی نذر سے اس پر پیدل چلنا واجب نہیں، اور ”تمیین“ میں لکھا ہے کہ صحیح پہلا قول ہے۔

فائدہ:۔۔۔ حرم کی مٹی یا پتھر کو حرم سے باہر لے جانے کی صورت میں ہمارے نزدیک کچھ واجب نہیں، فقہاء کا اجماع ہے کہ زمزم کا پانی حرم سے باہر لے جانا مباح ہے، کعبہ کے پردوں سے کچھ نہ لے اور جو اس پر سے گر جائے وہ فقیروں پر

صرف کر دے، پھر اگر ان سے خرید لے تو مضائقہ نہیں۔ (کذافی عالمگیری)
 حرم کے درخت پیلو وغیرہ سے مسواک بنانا جائز نہیں، اور کعبہ کی خوشبو تبرک کے لئے یا کسی دوسری غرض کے لئے لینا جائز نہیں، اگر اس میں سے کچھ لے لے، تو اس کا لوٹانا واجب ہے، اگر کوئی تبرک کا ارادہ کرے تو کعبہ شریف کو اپنے پاس سے خوشبو لگائے اور پھر اس سے لے لے۔ (کذافی سراج الوہاج، کذافی عالمگیری)

آدابِ دُعا کا بیان:

بعض آداب ضروری ہیں اور بعض مستحسن ہیں:

۱... کھانے، پہننے، پینے اور کسب میں حرام سے بچے۔

۲... اخلاص للہ تعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے، حاضرانہ اور غائبانہ،

دُور و قریب سے۔

۳... دُعا سے پہلے کوئی اچھا کام، نماز، صدقہ وغیرہ کرے، اور پہلے کئے

گئے اچھے کام کو شدت کے وقت یاد کرے۔

۴... پاکی حاصل کرے، وضو کرے، قبلہ کی طرف رُخ کرے، نماز پڑھے

اور دوزانو بیٹھے۔

۵... دُعا کے وقت اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا کرے، دُعا کے اوّل، آخر دُروود

شریف پڑھے، دونوں ہاتھ پھیلائے، اور مناسب اُونچے کرے، اور مونڈھوں کے برابر

کرے، نیاز و عاجزی کرے، قافیہ بندی سے بچے، اللہ تعالیٰ کی طرف ایمان بالانبیاء

والکتاب کو وسیلہ لائے، (جیسے: ”أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ....“ الآية،

”رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أُنْزِلَتْ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ“ اور ”رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا

مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ....“ الآية)، آواز پست کرے، اپنی غلطی کا اقرار کرے، صحیح

اور ماثورہ دُعائیں اختیار کرے، بار بار عرض کرے، ادنیٰ درجہ تین بار ہے، آہ وزاری کرے، گناہ کی اور حد سے تجاوز ہونے کی دُعا نہ کرے، جیسے کہ مجھے نبی بنا، اور معراج کرا، اور فراغ کے بعد اپنا ہاتھ منہ پر پھیرے، اور قبول ہونے میں جلدی نہ کرے، مثلاً: یوں نہ کہے: دُعا کی مگر قبول نہ ہوئی، وغیر ذالک۔

قبولیتِ دُعا کے اوقات:

ان اوقات میں دُعا اکثر قبول ہوتی ہے:

لیلة القدر، حج کے دن، ماہِ رمضان، یومِ جمعہ، راتِ جمعہ، ”حَسْبُ عَلَی الصَّلٰوۃ“ اور ”وَحَسْبُ عَلَی الْفَلَاح“ کے بعد، تلاوتِ قرآن مجید کے بعد، آبِ زمزم پیتے وقت، آوازِ مرغ کے وقت، اقامتِ الصَّلٰوۃ کے وقت، بارش کے وقت، رُویۃ کعبہ کے وقت، سورۃ انعام آیت ۱۲۴ پارہ ہشتم میں اللہ تعالیٰ کے دو نام آتے ہیں، ان کے درمیان دُعا کرنا مجرب ہے، وغیر ذالک۔

قبولیتِ دُعا کی جگہیں:

طواف میں، ملتزم کے پاس، پرنا لے کے نیچے، کعبہ کے اندر، زمزم کے نزدیک، صفا مروہ پر، صفا مروہ کے درمیان سعی میں، مقامِ ابراہیم کے پیچھے، عرفات میں، منیٰ میں، رمیٰ جمرات کے وقت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے قریب، اگر وہاں قبول نہ ہو تو کہاں قبول ہوگی؟ رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان میں تین مصلّے بنے ہوئے ہیں، ان میں سے درمیانی مصلّے پر، حجرِ اسود کے چومنے کے وقت، اور حطیم میں، وغیر ذالک۔ (کذا فی حصن الحصین)

حضور نبی اکرمؐ کے روضہ مبارک کی زیارت کے آداب:

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی

زیارت افضل مندوبات میں سے ہے، اور شرح مختار میں ہے کہ جس شخص کو استطاعت ہو، اس کے لئے قبر شریف کی زیارت قریب قریب واجب ہے، حج فرض ہے تو احسن یہ ہے کہ پہلے حج کرے، پھر زیارت کو جائے، اور اگر حج نفل ہے تو پہلے حج کرے یا زیارت کرے دونوں میں اختیار ہے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک مدلل مکمل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ”آبِ حیات“ ہے، اس میں مانعین کے خلاف دندان شکن جوابات ہیں، ضرور پڑھیں۔ اور چاہئے کہ اس کے ساتھ زیارت مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دائماً کی بھی نیت کرے، اس لئے کہ وہ ان تین مسجدوں میں سے ایک ہے جن کے سوا اور کسی مسجد کے لئے سفر نہیں کیا جاتا، اور حدیث میں ہے:

”لَا تَشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مسجد

الحرام، والمسجد الاقصی، ومسجدی هذا۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص: ۶۸)

یعنی کسی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کے لئے سفر نہ کیا جائے، مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام مکہ مکرمہ، مسجد نبوی مدینہ منورہ، اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس۔ جب روضہ اطہر کی زیارت کے واسطے متوجہ ہو تو جب تک راستے میں ہے، کثرت سے دُرود اور سلام پڑھے، مثلاً یوں کہے: ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ“۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں جو مسجدیں ہیں، ان میں نماز پڑھے، اور وہ بیس مسجدیں ہیں۔ (کذا ذکر الکرامی فی المناسک)

جب مدینہ منورہ کے درخت نظر آنے لگیں تو دُرود و سلام میں مزید زیادتی کرے اور کہے: ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ اَفْضَلِ

صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُومَاتِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ.

(یہ مسئلہ غایۃ السروجی شرح ہدایہ میں ہے)

جب مدینہ منورہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی دیواروں پر نظر پڑے تو درود پڑھے اور

یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ هَذَا حَرَمُ نَبِيِّكَ فَاجْعَلْهُ وَقَايَةً لِي مِنَ

النَّارِ وَأَمَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَسُوءِ الْحِسَابِ.“

اگر ہو سکے تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل بھی کر لے اور مدینہ

منورہ میں داخل ہونے کے بعد بھی غسل کرے، اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے،

عاجزی کرتا ہوا تسلی اور وقار کے ساتھ داخل ہو۔ (یہ اختیار شرح مختار میں ہے)

مناسب ہے کہ مدینہ منورہ کے قریب اترے اور پیدل چل کر مدینہ منورہ

میں داخل ہو، اس میں ادب اور تعظیم زیادہ ہے۔ (کذا فی فتح القدیر)

جب مدینہ منورہ میں داخل ہونے لگے تو یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ

الْأَرْضَيْنِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا ذَرَيْنِ أَسْأَلُكَ خَيْرَ

هَذِهِ الْبَلَدَةِ وَخَيْرِ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ

شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا. اللَّهُمَّ هَذَا حَرَمُ

رَسُولِكَ فَاجْعَلْ دُخُولِي فِيهِ وَقَايَةً لِي مِنَ النَّارِ وَأَمَانًا مِنَ

الْعَذَابِ وَسُوءِ الْحِسَابِ.“ (کذا فی فتاویٰ قاضی خان)

جب مسجد میں داخل ہو تو وہی افعال کرے جو دوسری مسجدوں میں داخل

ہونے کے وقت کئے جاتے ہیں، یعنی اوّل داہنا پاؤں رکھے، (کذا فی فتح القدیر) اور یہ

دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ،

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ.“

چاہئے کہ بابِ جبریل سے یا کسی دوسرے دروازہ سے داخل ہو، اور منبر کے پاس دو رکعت پڑھے، اور اس طرح کھڑا ہو کہ منبر کی لکڑی داہنے مونڈھے کے سامنے ہو، یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کا مقام ہے، اور یہ مقام قبر مبارک اور منبر کے درمیان ہے۔ اور شکر یہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے سجدہ کرے اور جس دُعا کو بہتر سمجھے، مانگے (فقہاء نے فرمایا ہے کہ ان مقامات میں کوئی دُعا معین نہیں ہے، جو چاہے دُعا مانگے۔ کذا فی عالمگیری ناقلاً من فتاویٰ قاضی خان)۔

پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہو اور سر مبارک کے قریب تین، چار گز کے فاصلے پر قبلہ رو کھڑا ہو اور دُرود و سلام پڑھے:

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا

صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ

مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.“

اور وہاں کی دیواروں پر ہاتھ نہ رکھے، اس واسطے کہ بہت ہیبت کی جگہ ہے، اور اس کی عظمت بہت بڑی ہے، اور سکون و وقار سے کھڑا ہو، ایسا کھڑا ہو اور تصور کرے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لحد مبارک میں سوتے ہیں اور میرا حال دیکھ رہے ہیں، یعنی ایسی عظمت و ہیبت کا تصور کرے اور دُرود و سلام پڑھے، دُرود و سلام میں آواز بلند نہ کرے اور نہ انتہائی پست، اور جس شخص نے سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو، اس کا سلام بھی پہنچائے اور کہے:

”السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مِنْ فُلَانِ بْنِ
فُلَانٍ يَشْفَعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَهُ وَلِجَمِيعِ
الْمُسْلِمِينَ.“

پھر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے سامنے قبلہ کی طرف پشت
کر کے جتنا چاہے دُرود اور کثرت سے یہ دُعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ
الْقَائِمَةِ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالذَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ
وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ.“

درج ذیل دُرود شریف بھی کثرت سے پڑھے:

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ
الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص یہ الفاظ کہے، اس کے لئے میری
شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جو چاہے دُعا مانگے، پھر ایک ہاتھ ہٹ کر
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے سامنے آئے اور سلام
پڑھے، پھر وہاں سے ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پڑھے، اور وہاں کی
دُعائیں مشہور ہیں، دُعاؤں کے رسالوں میں عام مل سکتی ہیں۔ پھر اپنے اور اپنے
والدین، اُستاد و مرشد، جس شخص نے وصیت کی ہو اور تمام مسلمانوں کے لئے دُعا
مانگے، پھر اسطوانۃ ابی لبابہؒ پر آئے، وہاں دُعا کرے، اور توبہ کرے، پھر منبر کے
سامنے آئے اور دُرود پڑھے، اللہ تعالیٰ سے جو چاہے مانگے، پھر اسطوانۃ حنانہ پر
آئے اور دُعا مانگے، پھر جب تک مدینہ منورہ میں رہے، ادب و تعظیم سے رہے،
دُرود بہت پڑھے۔ (کذا فی المحیط)

مستحب ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی زیارت کے بعد بقیع میں جا کر وہاں کے مزارات کی زیارت کرے، اور سبق لے کہ احیائے دین و سنت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، اشاعتِ توحید اور تبلیغِ قرآن مجید کے لئے، جان، مال، وطن اور آبرو کی کیا کیا قربانیاں دی گئیں؟ اور ان بزرگانِ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنی تمام عمر اور پیاری زندگی کس کام میں صرف کی؟ اور ہمارا کیا حال ہے؟ ان مشاہدِ متبرکہ سے ان کے کمالات، حالات، واقعات، مصائب، ان کی عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاسیات سے نظامِ زندگی کا سبق حاصل کریں، زیارات کے مقصدِ اعلیٰ و ارفع میں سے قربِ خداوندی کی مسارعت و مسابقت اور مقاماتِ عالیہ کی تحصیل ہونا چاہئے، چنانچہ ان اسلاف کی سوانحِ عمری سے عقل مند یہی حاصل کیا کرتے ہیں، جس سے ان کی ہمتیں عالی ہوتی ہیں:

بلندی بخش ہر ہمت بلندے

بہ پستی افکن ہر خود پسندے

ترجمہ:.... ”ہر بلند ہمت والے کو بلندی بخشتا ہے، اور

ہر خود پسند کو پستی میں ڈالتا ہے۔“

بلند ہمت، نیکوئوں میں مسارعت و مسابقت کرنے والے اور رحمتِ الہی کے مورد، اسلاف و اکابر کے مزارات سے اسباقِ کمالاتِ آخرت اور ”احیاء عند ربہم“ کا حصہ حاصل کرتے ہیں، وہ مقبرہ شہداء و صالحین کی پوجا کرنے، ان سے حاجات مانگنے، مشکلات کی کشائی کرانے اور سجدہ کرنے کے لئے نہیں جاتے، یہ سب وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اور اسی کے آگے گڑ گڑاتے ہیں بس۔

مستحب یہ ہے کہ پنجشنبہ یا سنیچر کے روز شہدائے اُحد کی زیارت کرے، اور

یوں کہے:

”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ.
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ
لَآ حَقُّونَ.“

اور سورۃ اخلاص اور آیت الکرسی پڑھے۔ مستحب ہے کہ ہفتہ کے روز مسجد قبا میں آئے، اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے۔ اور اس طرح دُعا مانگے:

”يَا صَرِيخَ الْمُسْتَضْرِخِينَ وَيَا غِيَاثَ
الْمُسْتَغِيثِينَ، يَا مُفَرِّجَ كَرْبِ الْمَكْرُوبِينَ يَا مُجِيبَ دَعْوَةِ
الْمُضْطَرِّينَ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاكْشِفْ كَرْبِي
وَحُزْنِي كَمَا كَشَفْتَ عَنْ رَسُولِكَ كَرْبَهُ وَحُزْنَهُ فِي هَذَا
الْمَقَامِ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا كَثِيرَ الْمَعْرُوفِ وَدَائِمَ الْإِحْسَانِ
يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.“

مستحب ہے کہ جب تک مدینہ منورہ میں رہے، سب نمازیں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پڑھے، اور جب اپنے شہر کو لوٹنے کا ارادہ کرے تو مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے۔ (کذا فی عالمگیری ناقلًا عن سراج الوہاج)

شامی رد المحتار جلد ثانی صفحہ: ۲۸۰ میں ہے کہ: مسجد نبوی سے رخصت ہوتے ہوئے نماز پڑھنے، اور دُعا کرنے میں سے جو چاہے اختیار کرے، اس کے بعد قبر مبارک پر آئے، سلام کہے، دُعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ مجھے اپنے گھر اہل و عیال میں بھلائی سے پہنچا دے، کوشش کرے کہ اس کے آنسو نکلیں کیونکہ یہ قبول ہونے کی نشانیوں میں سے ہے، اور مناسب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں پر خیرات کرے، پھر بارگاہ نبویہ سے روتے اور حسرت کرتے ہوئے نکلے، اور خروج کی سنتوں میں سے ہے کہ ہر اونچی زمین پر ”اللہ اکبر“ کہے اور یہ پڑھے:

”اَبُوْنَ تَابُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا
حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعَدُّهُ وَنَصَرَ عَبْدُهُ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ
وَحَدَّهُ.“

پھر اپنے اہل و عیال کی طرف اپنے آنے کی اطلاع بھیجے، اچانک اپنے گھر
میں نہ آئے، اور جب وطن میں آجائے تو پہلے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ کی
حمد کرے اور اس نعمت پر زندگی بھر شکر کرتا رہے اور کوشش کرے کہ ایسی نعمت جبط اور
ضائع نہ ہو جائے۔ انتہی ملخصاً۔

قبولیت حج کی علامت:

دینی لحاظ سے پہلی حالت سے اس کی حالت اچھی ہو جائے۔

(کذا فی الشامی ص: ۲۸۰)

نیز یہ کہ احرام، طواف، قربانی، عرفات اور کنکریاں مارنے سے اس کو یہ سبق
حاصل ہو جائے کہ مال، جان، وطن اور آبرو کی قربانی اور اقارب و اموال کی جدائی اس
کے لئے آسان ہو جائے اور اشاعتِ توحید، نشرِ جلال، جمال، کبریائی، عظمت اور ہیبت
ذوالجلال والا کرام، اس کا نظامِ زندگی، فرضِ منصبی اور خلاصہ حیات ہو جائے، اور ”لَا
يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ“ کسی ملامت گر کی ملامت کا اثر نہ کرنا اس کا شعار ہو جائے۔

زیارت فیض بشارت مدینہ منورہ کی قبولیت کی علامات:

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اشاعت، ترکِ بدعت اور حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کی تعلیم و تعلم کی محبت بڑھ جائے، اور اپنے ہر فعل،
قول اور اخلاق کو سنت و طریقہ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق کرنا
شروع کر دے اور اسی دُھن میں لگ جائے، اور شہداء کے حالات، ان کی جان و

مال کی قربانی، اس کو اشاعت و نشرِ قرآن مجید و حدیث شریف اور جان و مال کی قربانی پر ابھاردیں۔ وما علینا الا البلاغ!

مکہ مکرمہ افضل ہے یا مدینہ منورہ؟

اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ تمام بلاد سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ افضل ہیں، زَادَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی شَرَفًا وَتَعْظِيمًا!

پھر ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے، جبکہ بعض مالکیہ اور بعض شوافع فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ شاید یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک مخصوص ہوگا۔

(کذا فی رد المحتار ج: ۲ ص: ۲۷۸)

اس پر بھی اتفاق ہے کہ کعبہ پاک، مدینہ منورہ سے افضل ہے، مگر حضور پُر نور، افضل البشر و افضل الخلاق صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرقد منورہ میں جس جگہ رونق افروز ہیں، وہ مقام مسجدِ حرام اور کعبہ پاک سے بھی افضل ہے، اختلاف اس کے ماسویٰ میں ہے۔ (کذا نقل القاضی عیاض الاجماع علیہ)

ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ مقدس جگہ عرش سے بھی افضل ہے، اور تاج الفاہی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ زمین، آسمانوں سے بھی افضل ہے، اس لئے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں، اور اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی مٹی سے پیدا ہوئے، اور اسی میں مدفون ہیں۔ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تطبیق میں فرمایا ہے کہ آسمان افضل ہے زمین سے، مگر زمین کا وہ حصہ جس میں انبیاء علیہم السلام موجود ہیں (یہ حصہ آسمان

سے بھی افضل ہے۔) (کذا فی الشامی ج: ۲ ص: ۲۷۸)

فائدہ: ... اہل تحقیق حضرات زیارتِ مدینہ منورہ کے لئے علیحدہ سفر کرنے کی تلقین فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ وطن سے خالص روضہ مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کر کے آنا اس سے افضل ہے کہ حج کرنے کے ساتھ زیارت کی بھی نیت کی جائے۔ اسی طرح عارف جامی مولانا عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ زیارتِ مدینہ منورہ کے لئے مستقل سفر فرماتے تھے۔

(ہکذا فی الشامی ج: ۲ ص: ۲۷۹)

آخر دعوانا الحمد لله رب العالمین
والصلوة والسلام علی خیر خلقه محمد وآلہ واصحابہ
واتباعہ اجمعین
اللہم تقبل منا انک انت السميع العليم

قصیدہ مدحیہ بجناب حضرت مرشد ارشد مولانا محمد عبداللہ
صاحب شجاع آبادی مدظلہم العالی علیہا

درِ فیض

فیض کا در ہے جو چاہے دلواتے ہیں یہ اللہ سے
دوڑ کے آؤ مسلم بھائی گر چاہو کچھ اللہ سے
ہاتھ ملاؤ درجے پاؤ رہبر کامل حضرت ہیں
رہب بنا کے تار بناؤ گر چاہو تم اللہ سے
پیر شریعت پیر طریقت پیر حقیقت قانع بدعت
مرشد کامل معطی عارف عشق چاہو گر اللہ سے
ایک نہیں اور دو بھی نہیں سو بھی نہیں دو سو بھی نہیں
مرشد ہیں یہ ہزاروں کے جو چاہتے ہیں رنگ اللہ سے
نیک ہیں خود بھی، نیک ہیں بچے، نیک ہیں ان کے گھر کے سارے
شغل قرآن کا، عشق قرآن کا چاہتے ہیں سب اللہ سے

رات جب ان کی، دن جب ان کا محو تلاوت ہوتا ہے
 پھر نہ ہو کیوں رنگِ الہی فضل نہ ہو کیوں اللہ سے
 آپ بیتی میں کہتا ہوں اور شک نہیں اک ذرہ کا
 شیخ یہ کامل ہیں حضرت بھائی ملنا ہو گر اللہ سے
 شک ہے جس کو اب آزمائے دور نہیں، مشکل بھی نہیں
 اک ہفتہ کل ذکر کرے اور دیکھے فضل پھر اللہ سے
 ابراہیمی پہ فضل خدا کا انہیں کے جوتوں کا صدقہ ہے
 کیا کہوں ہے کیا کیا عنایت رحمت ہے کیا اللہ سے
 (عبدالوہاب ابراہیمی)

آداب اللہ

یعنی

دُعا کے آداب



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رَبِّ يَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، أَمَّا بَعْدُ!

دُعا، اس کے آداب، اوقات اور مقامات کے متعلق چند احادیث پیش خدمت ہیں، گر قبول افتد زہے عز و شرف، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مقبول بنائے، آمین!

پہلی فصل:

دُعا کے متعلق فوائد و منافع:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دُعا ہی عبادت ہے!“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ”وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ.....“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

”جس شخص کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا، اس کے

لئے رحمت کے دروازے کھل گئے، اور خدا تعالیٰ کو اس سے زیادہ

پیاری کوئی اور دعا نہیں کہ اس سے عافیت کی دعا کی جائے۔ اور دعا اس بلا کے لئے بھی مفید (نافع) ہے جو اب تک نازل نہیں ہوئی اور نازل ہونے والی ہو، اور دعا ہی ایسی چیز ہے کہ قضا کو پھیر سکتی ہے، پس تم پر لازم ہے کہ خدا سے دعا کیا کرو۔“

(مشکوٰۃ ص: ۱۹۵ بحوالہ ترمذی)

ترمذی ہی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کو یہ بات اچھی لگے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور غموں کے وقت اس کی دعا قبول کرے، تو اس کو چاہئے کہ وہ شکھ کی حالت میں بہت دعا کیا کرے۔“ (سنن ترمذی ج: ۲ ص: ۱۷۵) حصن حصین میں یہ حدیث مستدرک حاکم سے روایت کی ہے کہ: ”دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے، اور زمین و آسمانوں کی روشنی ہے۔“ (مستدرک حاکم ج: ۱ ص: ۴۹۲) حصن حصین میں صحیح ابن حبان و مستدرک حاکم سے روایت کی گئی ہے کہ: ”دعا کرنے سے عاجز نہ ہونا، اس لئے کہ دعا کرنے کے ساتھ کوئی ہرگز ہلاک نہیں ہوتا۔“ (مستدرک حاکم ج: ۱ ص: ۴۹۴)

دوسری فصل:

ہر دعا قبول ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

”تم میں سے ہر شخص کی دعا قبول ہوتی ہے، جب

تک کہ وہ جلدی نہ کرے اور یہ کہنے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی، لیکن خدا تعالیٰ نے میری دُعا قبول نہ کی (یعنی ایسے شخص کی دُعا قبول نہیں ہوتی)۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۴)

نسائی کے علاوہ صحاحِ خمسہ نے یہ روایت کی ہے، اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

”بندہ (مؤمن) کی دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے، جب تک کہ کسی گناہ یا رشتہ ناتا توڑنے کی دُعا نہ کرے (مثلاً: دُعا کرے کہ فلاں عورت مطلقہ ہو جائے)۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۴ بحوالہ صحیح مسلم)

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ:

”جو شخص خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے، اس کی دُعا قبول ہوتی ہے، یا تو جو چیز مانگتا ہے وہی اس کو مل جاتی ہے، یا اس کی مثل بُرائی دُور کر دی جاتی ہے، جب تک کہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۷۵)

لیکن بات یہ ہے کہ کسی کی دُعا کا نتیجہ خدا تعالیٰ دُنیا ہی میں جلد اس کو دکھا دیتا ہے، اور کسی کے لئے آخرت میں جمع کر کے رکھتا ہے، یعنی اس دُعا کا فائدہ آخرت میں اس کو ملے گا، اور کسی کے دُعا کے اجر کی مقدار گناہ معاف کر دیتا ہے، البتہ وہ دُعا قبول نہیں ہوتی جو کسی گناہ کے لئے (مثلاً فلاں عورت سے کام غلط بن جائے) یا رشتہ توڑنے کی غرض سے کی جائے یا جس دُعا میں جلدی کی جائے (کہ اب تک قبول نہ ہوئی)۔

تیسری فصل:

اپنے اور اپنے متعلقین کے خلاف بددعا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم لوگ اپنے آپ، اپنی اولاد، اور اپنے مال پر بددعا نہ کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دُعا قبول ہوتی ہے، اور تمہاری یہ بددعا قبول ہو جائے۔“
(مشکوٰۃ ص: ۱۹۴ بحوالہ مسلم)

چوتھی فصل:

ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”ہر شخص کو اپنی تمام حاجت اپنے رب تعالیٰ سے مانگنا چاہئے، اگر اپنی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کو بھی خدا تعالیٰ سے مانگے۔“
(مشکوٰۃ ص: ۱۹۶ بحوالہ ترمذی)

پانچویں فصل:

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وسلم نے فرمایا:

”خدا تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مانگنے کو بہت پسند فرماتا ہے، اور دُعا کی اجابت کا انتظار کرنا بہترین عبادت ہے۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۹۷)

چھٹی فصل:

آدابِ دُعا:

دُعا کے آداب تین طرح کے ہیں، بعض وہ ہیں جو رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، بعض شرط کی، اور بعض استحباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

آدابِ دُعا جو رکن کا درجہ رکھتے ہیں:

۱:... کھانے، پینے، پہننے اور کسب میں حرام اور مکروہ تحریمی سے بچے۔

۲:... قصد و ارادہ کے ساتھ دُعا مانگے۔

۳:... رغبت، نیاز اور کوشش سے دُعا کرے۔

۴:... جلدی نہ کرے کہ اب تک دُعا قبول نہ ہوئی۔

۵:... یوں نہ کہے کہ دُعا مانگی اور قبول نہ ہوئی۔

۶:... خالص اللہ تعالیٰ کو پکارے، اس میں کسی کو شریک نہ کرے، اور دُور سے

پکارنا اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

۷:... ریا اور دکھلاوانہ کرے۔

شرط کا درجہ رکھنے والے آداب:

اللہ تعالیٰ دُعا تو کافر کی بھی قبول فرمالیتے ہیں، چنانچہ شیطان کی قیامت تک

- نہ مرنے کی درخواست بھی قبول فرمائی، مگر مؤمن کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں:
- ۱.... اول اللہ تعالیٰ کی حمد، ثناء، مدح اور تعریف کرے، اور آخر میں بھی ثناء کرے۔
 - ۲.... پھر مدح و ثناء کے بعد دُعا کے اول و آخر میں دُرود شریف پڑھے۔
 - ۳.... گناہ، قطع رحم اور رشتہ ناتا توڑنے کی دُعا نہ کرے۔
 - ۴.... جو دُعا مثل محال کے ہے، جیسے کہ: ”مجھے نبی بنادو“ یا ”معراج کرا دو“ یا ”موت سے بچا دو“ وغیرہ، ایسی دُعا نہ کرے۔

استحباب کا درجہ رکھنے والے آداب:

- ۱.... دُعا سے پہلے صفائی، ستھرائی اور پاکی حاصل کرے، یعنی غسل یا وضو کرے۔
- ۲.... وضو کے بعد نماز پڑھے۔
- ۳.... گھٹنوں کے بل بیٹھے۔
- ۴.... دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر سینہ یا مونڈھوں کے برابر تک اٹھائے اور ہاتھ کھلے رکھے۔
- ۵.... اپنا عجز، نیاز، ذلت اور عاجزی ظاہر کرے۔
- ۶.... قافیہ بندی اور تکلف کرنے سے بچے۔
- ۷.... اللہ تعالیٰ کے ہاں پیغمبر، قرآن اور آخرت پر ایمان لانے کو وسیلہ بنائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا

(آل عمران: ۵۴)

مَعَ الشَّاهِدِينَ“

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ہم تیری نازل شدہ

(کتاب) پر ایمان لائے، اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

تابع ہوئے ہیں، پس ہم کو کامل اُمت میں لکھ لیجئے۔“

اس میں اوّل قرآن پر ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع کرنے کو بطور وسیلہ لاکر ”فَاكْتُنَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ“ کی دُعا کی تعلیم دی گئی ہے، کہ ہم کو کامل اُمت میں لکھئے۔
۸:۔۔۔ نیک لوگوں کا وسیلہ لائے، اس طور پر کہ یہ لوگ میرے خیال میں تیرے نیک اور فرماں بردار ہیں، اس اعتقاد و خیال کے سبب میرا مطلب حل فرمادے۔
۹:۔۔۔ آواز کو پست کرے۔

۱۰:۔۔۔ اپنے گناہ کا اقرار کرے۔

۱۱:۔۔۔ وہ دُعا میں اختیار کرے جو احادیث میں ہیں۔

۱۲:۔۔۔ اپنے لئے، اپنے ماں باپ کے لئے، اساتذہ، مشائخ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مرحومہ، تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لئے دُعا کرے تو بہت بہتر ہے۔ بار بار دُعا مانگے، کم سے کم تین بار تو ہونی چاہئے۔

دُعا کہتے ہیں عرض کرنے اور درخواست دینے کو، اور اس کے لئے ہاتھ اُٹھانا نہ تو اس کا رکن ہے اور نہ شرط بلکہ مستحب ہے، کیونکہ التحیات کے بعد دُعا کی جاتی ہے، اسی طرح ”آمین“ کہنا بھی دُعا ہے، سجدہ و رکوع میں بھی دُعا کی جاتی ہے، مگر ان تمام جگہوں میں ہاتھ نہیں اُٹھائے جاتے، وغیر ذالک من الآداب۔

ساتویں فصل:

دُعا قبول ہونے کے مقامات:

طواف میں، ملتزم کے نزدیک، میزابِ رحمت (کعبہ کے پرنا لے) کے نیچے، کعبے کے اندر، مسعی (صفا و مروہ میں دوڑنے کی جگہ) میں، مقامِ ابراہیم کے پیچھے، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں، صفا و مروہ پر، جمرات (شیطان کو کنکریاں)

مارنے کے بعد، اور روضہ مبارک کے نزدیک۔

(کذا فی الحسن الحسین)

آٹھویں فصل:

اجابتِ دعا کے اوقات:

لیلة القدر میں، عرفہ یعنی حج کے دن، ماہ رمضان میں، جمعہ کی رات اور دن میں، آدھی رات کے بعد، سحر کے وقت، اذان نماز کے وقت، اذان و اقامت کے درمیان اور بعد، اس کے لئے کہ جس کو غم اور سختی واقع ہو، فرض نمازوں کے بعد، سجدہ میں، ختم قرآن کے بعد، زمزم کا پانی پینے کے وقت، مجالس ذکر میں، بارش کے وقت، اور مرغ کی اذان کے وقت، وغیر ذالک۔

(کذا فی الحسن الحسین)

نویں فصل:

کن لوگوں کی دعا قبول ہوتی ہے؟

مضطرب، یعنی مجبور و بے چارے کی، مظلوم کی گو کافر ہو، ماں باپ کی، عادل بادشاہ کی، نیک بخت یعنی صالح کی، ماں باپ کے فرماں بردار کی، مسافر کی، روزہ دار کی جب وہ روزہ کھولتا ہے، اور مسلمان بھائی کی مسلمان بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے۔

(کذا فی الحسن الحسین)

دسویں فصل:

دعا کس طور کرے؟

”فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعا مانگتے ہوئے

سنا کہ وہ دعا مانگ رہا تھا اور اس نے دُرود نہیں پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ: اس نے جلدی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا، اسے یا کسی اور کو فرمایا: جب کوئی نماز پڑھے، اس کو پہلے حمد و ثنا کرنی چاہئے، پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنا چاہئے، اس کے بعد جو چاہے دُعا مانگے۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۸۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”دُعا آسمان اور زمین کے درمیان اس وقت تک معلق رہتی ہے اور اوپر نہیں چڑھتی، جب تک کہ مجھ پر دُرود نہ بھیجا جائے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۸۷ بحوالہ ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے، جب میں (نماز سے فارغ ہو کر) بیٹھا تو پہلے میں نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجا، پھر میں نے اپنے لئے دُعا مانگنا شروع کی، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سَلْ تُعْطَہ!“ مانگو، دیئے جاؤ گے! مانگو دیئے جاؤ گے!“ (مشکوٰۃ ص: ۸۷ بحوالہ ترمذی)

ابو مصحح مقری ابی زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”ہم ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے، تو ہمارا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت ہی عاجزی اور الحاح سے دُعا مانگ رہا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے

ہو کر اس کی دُعا سننے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس کی دُعا ضرور قبول ہوگی، اگر اس نے ختم کیا“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ: کس چیز پر ختم کرے گا تو دُعا قبول ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آمین سے!“ وہ شخص یہ سن کر اس شخص کے پاس آیا جو دُعا کر رہا تھا اور کہا کہ: تم اپنی دُعا کو آمین پر ختم کرو اور خوش ہو جاؤ۔“ (ابوداؤد ج: ۱ ص: ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی شخص دُعا کرے تو اس طرح دُعا نہ کہا کرے کہ اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، بلکہ قطعی طور سے دُعا کرو، (یعنی یوں کہو کہ ”رحم کر“ اور ”اگر چاہے“ کا لفظ نہ کہو)، کیونکہ خدا تعالیٰ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۴ بحوالہ بخاری)

گیارہویں فصل:

جن اسماء کے وسیلہ سے دُعا جلد قبول ہوتی ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا، وہ کہہ رہا تھا:

”یا ذا الجلال والاكرام! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم مانگو! تمہاری دُعا قبول ہوگی۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۹۱)

حصن حصین میں مستدرک حاکم سے روایت ہے:
 ”اللہ تعالیٰ کے فرشتے متعین ہیں اس شخص کے ساتھ
 جو کہے: ”یا ارحم الراحمین!“ پس جس نے تین بار اس کلمہ کو
 کہا، فرشتہ اس کو کہتا ہے کہ: ”مانگ! بے شک ارحم الراحمین تجھ
 پر متوجہ ہوا۔“

مستدرک حاکم (ج: ۱ ص: ۵۰۵) کی روایت ہے کہ: وہ اسم اعظم جس کے
 ساتھ دُعا کی جائے تو قبول ہو اور مانگا جائے تو مل جائے، یہ آیت کریمہ ہے:
 ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ
 الظَّالِمِينَ“ (الانبیاء: ۸۷)
 ترجمہ:.... ”(سوائے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں،
 پاکی تجھ کو، بے شک میں ہوں ظلم کرنے والوں میں سے (یعنی
 اپنے آپ پر بہ سبب نافرمانی کرنے کے)۔“
 ترمذی میں یہ روایت ہے کہ: وہ اسم اعظم کہ جس سے جو مانگا جائے ملے،
 جو دُعا کی جائے قبول ہو، یہ ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ
 الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا
 أَحَدٌ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۸۵)

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ سے،
 اس وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں اس کی کہ تو یگانہ ہے، سب
 تیرے محتاج ہیں، کہ نہیں جنا تو نے اور نہیں جنا گیا تو، اور تیرا
 کوئی ہمسر نہیں۔“

اس کے بعد دُرود پڑھ کر اپنے مقصد کی دُعا مانگے۔
 اصحابِ سننِ اربعہ نے اسمِ اعظم، جس کے وسیلے سے دُعا قبول ہوتی ہے:
 ”یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ“ کو فرمایا ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی (ج: ۲ ص: ۱۸۶) میں ان دو آیتوں میں اسمِ اعظم فرمایا ہے:
 الف:.... ”وَاللّٰهُمَّ اِلٰهَ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
 الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ.“ (البقرہ: ۱۶۳)
 اور آلِ عمران:

ب:.... ”اَلَمْ يَلٰہُ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ.“

(آل عمران: ۱)

ان آیتوں کو دُعا کے قبول ہونے کا وسیلہ بنائے، یعنی ان کو دُعا کے اوّل و
 آخر میں پڑھے، تو دُعا قبول ہوگی۔

طبرانی کبیر و اوسط میں ان کلمات کو اسمِ اعظم فرمایا گیا ہے، کہ جو کوئی ان
 پانچ کلمات کے ساتھ دُعا کرے، تو جو سوال کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو وہی دے گا:

”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہُ

الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، وَلَا

حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.“ وغیر ذالک من الادعیۃ!

بارہویں فصل:

جب قبولیتِ دُعا دیکھے تو کیا پڑھے؟

مستدرک حاکم اور عمل الیوم واللیلہ میں ہے کہ: ”جب کسی نے اپنے لئے یا
 کسی کے لئے دُعا مانگی، اور اس کی قبولیت معلوم ہو جائے، مثلاً: مریض کو شفا ہو جائے،

یا سفر سے واپس آجائے، تو اس کو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ وہ یہ کہے:
 ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَعَزَّتْهُ وَجَلَّالَهُ تَتِمُّ
 الصَّالِحَاتِ“ (مستدرک حاکم ج: ۱ ص: ۵۴۵)

ترجمہ:.... ”سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ اس
 کی عزت اور جلال کے سبب پورے ہوتے ہیں اچھے کام۔“
 یعنی دعا کے قبول ہونے پر یہ دعا پڑھے، تاکہ شکر یہ ادا ہو جائے۔

تیرھویں فصل:

وہ دعائیں جو صبح و شام پڑھنی چاہئیں:

نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“
 اور سو مرتبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ پڑھے، اس کے گناہ بخش دیئے
 جائیں گے، اگرچہ دریا کے جھاگ کے برابر ہوں۔“

(سنن نسائی ج: ۱ حدیث نمبر: ۱۳۵۵)

صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے:

”چند معقبات یعنی نماز کے بعد پڑھی جانے والی
 دعائیں ہیں، جن کے پڑھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا: ”سُبْحَانَ
 اللَّهِ“ ۳۳ بار، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ۳۳ بار، اور ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ ۳۴ بار یعنی
 ہر نماز کے بعد پڑھتا رہے۔“ (مشکوٰۃ ص: ۸۹ بحوالہ مسلم)

اگر صبح و شام تین بار یہ دُعا پڑھتا رہے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا:
 ”بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَیْءٌ فِی
 الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۹ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ:.... ”خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ، کہ اس کے نام
 کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، (نہ
 زمین کی کوئی چیز نقصان پہنچاتی ہے، نہ آسمان سے کوئی بلا آتی ہے)
 وہی ہے سننے والا (ہر بات کا) اور جاننے والا (ہر چیز کا)۔“

چودھویں فصل:

گھر سے نکلتے اور داخل ہوتے وقت کی دُعا:

ابوداؤد (ج: ۲ ص: ۳۳۹) اور ترمذی (ج: ۲ ص: ۱۸۰) میں حضرت انس رضی

اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دُعا پڑھے: ”بِسْمِ اللّٰهِ

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔“ تو اس سے کہا

جاتا ہے: هُدِيتْ وَكُفِّيتْ وَوُقِيتْ فَيَتَنَحَّى لَهُ الشَّيْطَانُ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۱۵ بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ:.... ”کافی ہے تیرے لئے تو راہِ راست پر لایا

گیا، تو کفایت کیا گیا، اور تو بچا لیا گیا ہر فتنہ سے، اور اس سے

شیطان دُور ہو جاتا ہے۔“

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب گھر میں داخل ہو تو یہ کہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللَّهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللَّهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلَى أَهْلِهِ.“ (ابوداؤد ج: ۲ ص: ۳۳۹)

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں گھر کے اندر جانے اور گھر سے نکلنے کی بھلائی کا، اللہ کے نام کے ساتھ اندر جاتا ہوں، اور اللہ کے نام کے ساتھ باہر نکلتا ہوں، اور اللہ پر جو ہمارا پروردگار ہے، سہارا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے اہل و عیال پر السلام علیکم کہے۔“

پندرھویں فصل:

غم اور سختی سے نجات کی دعائیں:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے ذی النون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا: ”لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“، جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی، اللہ سے دعا مانگی، اس کی دعا قبول ہوئی۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۰۰ بحوالہ ترمذی)

اس سے دعا کرنا ہر شدت و غم کے دفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ بعد عشاء یا صبح ۳۱۳ بار یہ آیت اور اول و آخر دُرود شریف سات سات بار پڑھ کر دعا کرے تو

اللہ تعالیٰ غم جلدی رفع فرمادیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ غم و سختی کے وقت یہ دُعا کیا کرتے تھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ
الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ.“

(مشکوٰۃ ص: ۲۱۲ بحوالہ بخاری و مسلم)

دو رکعت نماز پڑھ کر یا ہر نماز کے بعد دُعا میں ان کلمات کو سات بار یا پانچ بار اور اوّل و آخر دُرود شریف پڑھ کر اپنے غم کے دفعیہ اور مطلب کے پورے ہونے کا تصور کرے، یا زبان سے درخواست کرے، تو ان شاء اللہ مشکل کشائی یا مطلب براری ہو جائے گی، بفضلہ تعالیٰ۔

سولہویں فصل:

نیک اولاد ملنے کی دُعا:

اگر ہر نماز کے بعد صبح و شام سو بار:

”رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ

(آل عمران: ۳۸)

سَمِيعُ الدُّعَاءِ.“

اور اوّل و آخر دُرود شریف تین، تین بار، بہ نیت درخواست و دُعا پڑھا کرے، تو اللہ تعالیٰ نیک بچہ عطا فرمائیں گے۔

اسی طرح اس ترکیب سے یہ آیت پڑھتا رہے:

”رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ.“

(الانبیاء: ۸۹)

تو بھی اللہ تعالیٰ نیک اولاد بخشیں گے، بفضلہ و کرم۔

سترھویں فصل:

گناہوں کی مغفرت کی دُعا:

ترمذی میں ہے کہ جس نے کہا:

”أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. غُفِرَ لَهُ وَإِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ.“

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۵ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:....”بخشش مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ اس کے

سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ سے زندہ ہے، اور قائم رہنے والا ہے،

اور توبہ کرتا ہوں اس کی طرف۔ تو اس کو بخش دیا جائے گا، گو کفار

کے مقابلے میں جنگ سے بھاگ گیا ہو۔“

اور دوسری روایت میں ہے:

”اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۸۴)

نہ ہوں۔“

اس دُعا کو پانچ بار پڑھے، اور استغفار میں معنی کا تصور ضروری ہے، اگر معنی

(کذا فی الحصن الحصین)

کا تصور نہ کیا تو لغو ہو جاتا ہے۔

اٹھارھویں فصل:

وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

”دو کلمے ایسے ہیں، جو زبان پر بہت آسان ہیں، اور
(قیامت کے دن) میزانِ عمل میں بہت ہی بھاری ہیں، اور خدا
تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں:

”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۸۴)

الحمد لله الذي بعزته وجلاله تتم الصالحات
اللهم تقبل منا انك انت السميع العليم
لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم

کتاب الادعیه والتعوذات

... یعنی ...

تعوذات و دعاؤں کی کتاب



قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ مہلوی قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 رَبِّ یَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَیْرِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الدُّعَاءَ لِرَدِّ الْقَضَاءِ
 وَالْبَلَاءِ وَكَمَا أَنْزَلَ دَاءً بِدُنُوبِنَا جَعَلَ لَهَا دَوَاءً وَدُعَاءً
 لِرَحْمَتِنَا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَتْقِيَاءِ وَالْأَنْبِيَاءِ
 مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَىٰ وَآلِهِ الْمُؤْتَصِّلِينَ وَأَصْحَابِهِ الْمُجْتَبَىٰ
 دَائِمًا أَبَدًا، أَمَّا بَعْدُ!

عارض ہوں کہ ہمارے وقت میں تعویذات و دوسرے عملیات کا ایسا غلبہ اور زور ہو گیا ہے کہ عالم و جاہل، دیہاتی و شہری، غریب و امیر، ان حالات میں اتنا گرفتار و سرگرداں اور حیران و پریشان ہے کہ نہ ترک کر سکتا ہے اور نہ برداشت کر سکتا ہے، کرے تو کیا کرے؟ عورتوں کے جن بغیر مجاوروں کے نہیں نکل سکتے، وہاں کی بیہودگی، بے حیائی اور بے شرمی سے کون واقف نہیں؟ اور جن عورتوں کے بچے مہینہ، دو مہینے اور سال، چھ مہینے میں مرجاتے ہیں، ان کے زندہ رہنے اور بڑے ہونے کے بعد بھی وہی پیر و مجاور ان کے ٹھیکے دار ہیں، جن کی بیماری مہینوں نہیں جاتی، ان کی شفا، اور جس کو بچہ نہیں ہوتا، اس کو بچہ دینے کی باگ ڈور بھی اُن ہی حضرات کے قبضے میں سمجھتے ہیں، اور جس کا نکاح نہیں ہوتا، مقدمہ فتح نہیں ہوتا، معاش فراخ نہیں، اور

دُشمنوں کی زد میں ہے، اور نیز کسی دُوسری گرفت میں ہیں، ان سب کے درد کا دَرماں بھی وہی مرشد ہیں، خدا تعالیٰ کو تو کوئی کم پوچھتا ہے، طبِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف رُجوع کرنا کوسوں دُور ہے، اور تعویذ گنڈے کرنے والے قرآن مجید اور سورتوں کو نقش لکھنے میں استعمال کرنے کو اعلیٰ ولایت، کرامت اور رَّبِّ تعالیٰ کی مقبولیت سمجھتے ہیں، اور لوگ بھی ان کو اسی فن و ہنر پر ولی، قطب اور غوث مانتے ہیں، سبحان اللہ! سورتوں کو مؤکلات سے پڑھنا، اوّل سورت، درمیان سورت اور آخر سورت میں ان کا نام چپنا، اور فرشتوں کے نام اور بزرگوں کے نام ملا دینا، ان کے نزدیک کوئی گناہ، کفر اور شرک نہیں، بلکہ طلبِ وسیلہ، محمود اور قرب کا موجب ہے، سبحان اللہ! پس جب عام و خاص ایسی حالت و مصیبت میں دل گرفتہ ہو کر بھی خوش و خرم اور نازاں ہیں، تو مناسب سمجھا کہ اپنی اولاد و احباب کے لئے ایسی صحیح چیزیں جو احادیث، اخبار اور بزرگوں سے منقول ہیں، جمع کی جائیں، تاکہ فاسد سے بچ کر صحیح پر عمل کر کے گناہ سے محفوظ رہیں، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ! اس میں چند فصول ہیں۔

فصلِ اوّل

وہ چیزیں اور دعائیں جن کے پڑھنے سے تمام دن عافیت رہے اور مصیبت سے بچے۔

۱۔۔۔ اگر صبح سویرے درج ذیل دعا کو تین بار پڑھ لیا جائے تو تمام دن آرام و عافیت میں رہے گا، اور اگر شام کو پڑھ لیا جائے تو ساری رات امن و امان میں گزرے گی:

”بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَیْءٌ فِی

الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔“

ترجمہ:۔۔۔ ”پناہ لیتا ہوں اس خدا تعالیٰ کے نام کے

ساتھ، کہ نہیں ضرر کرتی اس کے نام کے ساتھ کوئی چیز زمین اور

آسمان میں، اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ہر چیز کا۔“

اس کے ساتھ اگر اوّل آخر دُرود شریف ایک، ایک بار پڑھ لے تو بہتر ہے۔

فائدہ:۔۔۔ جو چیز اس رسالہ میں پیش خدمت ہوگی، اس کے اوّل آخر دُرود

شریف تین، تین بار یا ایک، ایک بار پڑھنا بہتر و افضل ہے، اور زیادہ مقبولیت اور

تأثیر کا موجب ہے۔

اسی طور اگر یہ دعا صبح یا شام کو پڑھ لے تو سارا دن اور ساری رات امان

میں رہے گا، نیز جس مکان اور منزل میں رہے گا، ہر جن، انس اور جانور وغیرہ سے

امن و امان میں رہے گا:

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.“

ترجمہ:.... ”پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے کلموں اور

نازل شدہ کتابوں کے ساتھ، جو پوری اور کامل ہیں، نقصان اور

برائی اس چیز سے جو پیدا کی ہے۔“

تین بار صبح کو اور تین بار عصر کی نماز کے بعد اول آخر تین، تین بار درود

شریف پڑھے۔ (کذا فی مشکوٰۃ)

اسی طرح آیۃ الکرسی، معوذتین، سورۃ مؤمن کی پہلی آیت ”إِلَيْهِ الْمَصِيرُ“

تک، سورۃ انعام کی پہلی تین آیتیں اور سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے سے جیسے

آفات سے حفاظت کا فائدہ ہے، ویسے ہی فرشتوں کی دُعا اور ثوابِ آخرت کا بھی

فائدہ ہے۔

ہر ملاقاتی سے خیر حاصل ہونے کا وظیفہ:

جو شخص صبح کو یہ دُعا پڑھے، اس دن اس کے ساتھ جو بھی ملاقات کرے گا،

اس کے حق میں خیر ہوگا:

”اللَّهُمَّ إِنْ مَنْ يَدْخُلُ عَلَيْنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ إِنْ

كَانَ خَيْرًا فِي حَقِّنَا فَادْخُلْهُ وَإِنْ كَانَ فِي حَقِّنَا شَرًّا

فَاصْرِفْهُ عَنِّي.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! جو اس دن بھی ہم پر آئے، اگر

اس کا آنا ہمارے حق میں بہتر ہے، تو آئے اور اگر اُس کا آنا

ہمارے لئے بُرا ہے، تو اُس کو ہم سے پھیر دے۔“

مجلس سے ناگوار آدمی کے اٹھانے کا طریقہ:

اگر مجلس میں کوئی ناگوار آدمی آجائے اور اس کا اٹھانا مطلوب ہو، تو دل میں چند مرتبہ یہ آیت پڑھے:

”تَذْرُوهُ الرِّيحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

مُقْتَدِرًا.“

غیبت سے حفاظت کا نسخہ:

حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر شروع مجلس میں:

”بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي

الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَصَلَّى اللَّهُ

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“

تین بار پڑھے تو غیبت سے محفوظ رہے گا۔

خط یا قاصد آنے سے پہلے یہ دُعا پڑھے:

جب کوئی خط یا قاصد آئے تو پہلے یہ دُعا پڑھ لے، عافیت سے رہے گا:

”أَعُوذُ بِكَ اللَّهُمَّ مِنْ طَارِقٍ لَا يَطْرُقُنَا إِلَّا

بِخَيْرٍ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! ہر آنے والے کے شر سے، تیری

پناہ لیتا ہوں، جب آئے، اگر آئے تو خیر کو لائے۔“

صبح کو یہ دُعا پڑھے:

اگر کوئی فجر کی نماز سے پہلے یا بعد یہ دُعا پڑھ لے، تو گویا اس نے تمام دن

کا شکریہ ادا کر لیا، اور اچھے کاموں سے موافق رہے گا، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ:
 ”اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ
 خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ، فَلَكَ
 الْمُلْكُ وَلَكَ الْحَمْدُ.“

اسی طرح اگر شام کو یہ دُعا پڑھ لے تو تمام رات کا شکریہ کر لیا، مگر شام کے
 وقت ”أَصْبَحَ“ کے بجائے ”أَمْسَى“ پڑھے۔

صبح و شام کی بڑے فائدے والی مختصر دُعا:

اگر نماز فرض فجر اور فرض مغرب کے سلام کے بعد سات بار ”اللَّهُمَّ اجِرْنِي
 مِنَ النَّارِ“ پڑھ لے تو اس دن یا اس رات میں اگر اس پر موت آگئی تو عذابِ دوزخ
 سے محفوظ رہے گا۔

فالج، جذام، نابیناپن سے نجات کی دُعا:

کتاب ترغیب و ترہیب میں ہے: جب صبح کی نماز پڑھ لے تو تین بار کہے:
 ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ“ بفضلہ تعالیٰ مرضِ فالج، عمی، یعنی اندھے ہونے اور
 جذام سے محفوظ رہے گا۔

قیدی کی رہائی اور دفعِ غم کے لئے:

اگر کوئی شخص دفعِ غم، رہائی اور قید سے نجات پانے کے لئے: ”لَا حَوْلَ
 وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ ۵۷ بار اور اول آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھتا رہے،
 تو اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ! غم کا فور ہو جائے گا اور قید سے نجات ملے گی، بشرطیکہ بلا جرم قید
 ہو، اور اگر اتنا پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو ۳۱۳ بار پڑھے، کذا فی الترغیب والترہیب،

ہاں! عدد بزرگوں سے مروی ہے۔

غم و سختی دُور کرنے کا نسخہ مجرب:

اگر غم و فکر میں پریشان اور حیرت و قلق میں ہو، تو یہ دُعا پڑھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ.“

طریقہ: ہر رات اوّل آخر سات، سات بار دُرود شریف اور ایک سو گیارہ بار
یہ دُعا پڑھے، تو نجات ہوگی، اگر یہ دُعاے معظم قیدی کی رہائی کے لئے پڑھے تو اسم
اعظم کا حکم رکھتی ہے۔ (کذا فی العینی شرح البخاری)

ہر بلا اور مصیبت کے لئے امن و امان کی چیز:

جو شخص یہ دُعا پڑھتا رہے، ہر بلا، دُکھ اور غم سے امن و امان میں رہے گا:

”اللَّهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَاجْعَلْنَا
مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ.“

طریقہ: ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود

شریف پڑھے۔

ایمان کی سلامتی کی دُعا:

اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد تین بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود

شریف پڑھتا رہے، تو مرتے دم اور قبر تک ایمان سلامت رہے گا:

”يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَاهْلِهِ ثَبِّتْنِي بِهِ حَتَّى الْقَاكَ.“

گناہوں کی مغفرت کی دُعا:

ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو گناہ معاف ہو جائیں گے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَخَطِيئِي وَعَمْدِي.“

ثوابِ عظیم حاصل کرنے کا طریقہ:

اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کو ہر مومن مرد و عورت کی گنتی کے مقدار ثواب ملے، تو یہ دُعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ.“

طریقہ: سو بار یہ دُعا اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھتا رہے، تو تمام مومنین کے برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا، اور اس کی ہر مشکل آسان ہوگی۔

مغفرت کے لئے اعلیٰ نسخہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ: کوئی مختصر کلمات عطا فرمائیں، تو آپؐ نے فرمایا: ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ دس بار، اور ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ دس بار پڑھو، کیونکہ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ: یہ میرے لئے ہیں۔ اسی طرح جو شخص ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ دس بار پڑھے گا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: یہ تیرے لئے ہیں اور میں نے بخش دیا، اگر اس کے اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف ہو تو بہتر ہے۔

عافیت کے لئے دُعا:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَتَحَمَّلُ عَلَى نِعْمَةِ الْمَرَضِ فَأَبْدِلْهُ

بِنِعْمَةِ الْعَافِيَةِ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میں نعمتِ مرض برداشت نہیں

کر سکتا، اس کے بدلے نعمتِ عافیت عطا فرما۔“

اگر یہ دُعا بیمار پڑھتا رہے تو عافیت ہو جائے گی، اور عافیت والا پڑھے تو

دُکھ سے محفوظ رہے گا۔ نیز عافیت کے لئے یہ دُعا بھی پڑھ سکتا ہے:

”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّينِ

وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ

حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.“

طریقہ: ہر نماز کے بعد تین بار یہ دُعا پڑھے اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود

شریف پڑھے۔

وہ متبرک دُعا میں جو صالحین سے منقول ہیں:

حضرت علیؓ کی دُعا:

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے یہ دُعا منقول ہے:

”اللَّهُمَّ احْمِلْنِي عَلَى عَفْوِكَ وَلَا تَحْمِلْنِي عَلَى

عَذَابِكَ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میرے ساتھ عفو کا معاملہ فرما، اور

عدل و انصاف کا معاملہ نہ فرما۔“

حضرت ابراہیم بن ادہم کی دُعا:

”اللَّهُمَّ انْقُلْنِي مِنْ ذُلِّ مَعْصِيَتِكَ إِلَى عِزِّ

طَاعَتِكَ.“

ترجمہ:...”اے اللہ! مجھے گناہوں کی رُسوائی سے نکال

کر اپنی طاعت کی عزت کی طرف لے جا۔“

حضرت امام احمد بن حنبل کی دُعا:

”اللَّهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِي عَنِ السُّجُودِ

لِغَيْرِكَ فَصُنْهُ عَنِ ذُلِّ السُّؤَالِ لِغَيْرِكَ.“

ترجمہ:...”اے اللہ! جیسے تو نے میرے منہ کو غیر کے

سامنے سجدے سے محفوظ رکھا ہے، اسی طرح غیر سے سوال کرنے

کی ذلت سے بھی محفوظ فرما۔“

حضرت عبدالسلام بن مشیش کی دُعا:

”اللَّهُمَّ اجْمَعْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَحُلْ بَيْنِي وَبَيْنَ

غَيْرِكَ.“

ترجمہ:...”اے اللہ! مجھے اپنے پاس رکھ لے، اور آپ

ہی میرے اور اپنے غیر کے درمیان حائل ہو جا۔“

یعنی مجھے شاہی دربار میں حاضری دے اور غیر سے بچالے۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب کی دُعا:

”اللَّهُمَّ كُنْ لِي كَمَا كُنْتَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میرے لئے ایسا (مہربان) ہو جا
جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مہربان) تھا۔“

امام الحرمینؒ کی دُعا:

”اللَّهُمَّ لَا تَمْنَعْنِي عَنْ قُرْبِكَ مَنَاعٌ.“
ترجمہ:.... ”اے اللہ! مجھے اپنے قرب سے کسی روکنے
والی چیز کے سبب نہ روک۔“

حضرت مجدالدین بغدادیؒ کی دُعا:

”اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيَّ حَتَّى أَتُوبَ وَأَعِصْمَنِي حَتَّى لَا
أَعُودَ وَحَبِّبْ إِلَيَّ الطَّاعَاتِ وَكَرِّهْ إِلَيَّ الْخَطِيئَاتِ.“
ترجمہ:.... ”اے اللہ! مجھ پر رحمت سے رُجوع کر، تاکہ
میں تائب ہو جاؤں، اور مجھ کو بچا تاکہ گناہ کی طرف نہ پھر
جاؤں، اور اپنی بندگی کو میری طرف محبوب اور گناہوں کو مکروہ
کردے۔“

دوسری دُعا:

”اللَّهُمَّ إِنِّي لَا أَقْوِي عَلَى شَرَائِطِ التَّوْبَةِ فَاغْفِرْ
لِي بِلَا شَرَائِطِ التَّوْبَةِ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میں شرائطِ توبہ پر قوی نہیں ہوں،
مجھے بلا شرائطِ توبہ کے بخش دے۔“

تیسری دُعا:

”اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ مَطْعَمِي حَرَامٌ وَمَلْبَسِي

حَرَامٌ وَمَشْرَبِي حَرَامٌ فَاسْتَجِبْ دُعَائِي بِلَا شَرَايِطَ
الْإِسْتِجَابَةِ۔“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! تو بے شک جانتا ہے کہ میری
خوراک حرام ہے، میری پوشاک حرام کی ہے، اور میرا پینا ناجائز
چیزوں سے ہے، پس شرائط قبولیت کے نہ ہوتے ہوئے بھی
میری دعا قبول فرما۔“

ایک کامل بزرگ کی حکایت اور تعویذ:

ایک بزرگ تھے، جب ان سے کوئی دعا کی درخواست کرتا یا تعویذ لکھواتا، تو
یہ کہتے اور لکھتے:

”اللَّهُمَّ لَا تُعَذِّبْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِذُنُوبِي۔“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
امت کو میرے گناہوں کے باعث عذاب نہ دے۔“

ایک اور کامل بزرگ کا تعویذ:

جب وہ بزرگ (غالباً معروف کرخی) کوئی تعویذ لکھتے تو یہ لکھا کرتے: ”ہر
چند کند خدا کند، بندہ عاجز چہ کند و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔“ ہر چیز کے لئے یہی لکھ
دیتے (اور کام ہو جاتا)۔

ایک بزرگ جب صبح اُٹھتے تو یہ پڑھتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَخْسِفْنِي فِي الْأَرْضِ وَلَمْ
يُغَيِّرْ وَجْهِي فِي صُورَةِ الْخَنَزِيرِ وَالْكَلْبِ۔“

ترجمہ:.... ”اے اللہ (تعالیٰ) کا شکر ہے جس نے
(میرے گناہوں کے سبب) مجھے زمین میں نہیں دھنسا یا اور
میرے منہ کو خنزیر اور کتے کی صورت میں نہیں بدلا۔“

حضرت علی خواصؓ سے منقول دُعا:

جب آپ کو کوئی نعمت ملتی یا کوئی نیکی کرتے تو یہ دُعا کرتے:
”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَا اَسْتَحِقُّ ذَرَّةً وَّاحِدَةً مِّمَّا اَنْعَمْتَ
بِهٖ عَلَیَّ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! میں کسی ایک ذرہ کا بھی مستحق
نہیں ہوں جو کچھ کہ تو نے میرے پر نعمت کی ہے۔“
اس کے پڑھنے سے بڑے درجات حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت علی کریم اللہ وجہہ سے منقول دُعا:

”کَفٰی بٰی عِزًّا اَنْ تَكُوْنَ لِیْ رَبًّا، وَکَفٰی بٰی
فَخْرًا اَنْ اَكُوْنَ لَکَ عَبْدًا، اَنْتَ لِیْ کَمَا اُحِبُّ، فَوَقِّفْنِیْ
لِمَا تُحِبُّ.“

ترجمہ:.... ”(اے اللہ) مجھے یہ عزت کافی ہے کہ تو میرا
رَب ہے، اور مجھے یہ فخر کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا
ہے جیسا کہ میں چاہتا ہوں، پس مجھے ان کاموں کی توفیق دے
جن کو تو پسند فرماتا ہے۔“

نیند کم کرنے کی دُعا:

نیند کم ہونے کے لئے یہ دُعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَيْنٍ لَا تَشْعُ مِنَ

النُّومِ.“

ترجمہ:.... ”اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں، ایسی آنکھ سے جو

نیند سے سیر نہ ہو۔“

برے خیال اور وسوسے کا نسخہ:

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی وسوسہ یا بُرا خیال
دل سے نہ مٹے، تو اپنے بائیں پستان کے نیچے ہاتھ رکھ کر یہ آیت اکتالیس مرتبہ
روزانہ پڑھتا رہے، وہ خیال اور وسوسہ دُور ہو جائے گا، یہ بڑی اہم چیز ہے:

”فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْتَهُ

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ.“

ترجمہ:.... ”پس دُور کرتا ہے اللہ جو کچھ ڈالا ہے شیطان

نے، پھر محکم و مضبوط کرتا ہے اپنی نشانیوں کو، اور اللہ تعالیٰ جاننے

والا اور حکمت والا ہے۔“

عقیدہ پختہ کرنے کی بہترین دُعا:

حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: جو شخص یہ دُعا نماز

کے بعد پڑھتا رہے گا، اس کا عقیدہ پختہ رہے گا:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَوْحِيدًا لَا يَشُوبُهُ ضِدٌّ

وَيَقِينًا لَا يُخَالِطُهُ شَكٌّ.“

ترجمہ:.... ”اے اللہ! آپ سے سوال کرتا ہوں ایسی

توحید کا جس کے خلاف کی ملاوٹ نہ ہو، اور ایسے یقین کا جس

میں شک نہ ہو۔“

سفر کے حوادث سے بچنے کی دُعا:

جو شخص چاہے کہ ریل، موٹر اور جہاز وغیرہ تمام سواریوں کے حوادث سے بچے، اس کو چاہئے کہ جب کسی جانور، موٹر، ریل، ہوائی جہاز اور کشتی وغیرہ پر سوار ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھے، اِنْ شَاءَ اللہ حوادث سے محفوظ رہے گا:

”سُبْحَنَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ

وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ.“

ترجمہ:.... ”پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کیا، حالانکہ ہم نہ تھے اس پر طاقت پانے والے، اور تحقیق ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔“ اور پھر یہ پڑھے:

”اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا صَاحِبًا فِي سَفَرِنَا وَخَلِيْفَةً فِي

اَهْلِنَا وَاطْمِسْ عَلٰی وُجُوْهِ اَعْدَاۤئِنَا.“

اِنْ شَاءَ اللہ تمام حوادث سے محفوظ رہے گا۔

ہر تنگی سے بچنے کی دُعا:

اَللّٰهُمَّ نَجِّنِيْ مِنْ كُلِّ ضَيِّقٍ

بِجَاهِ الْمُصْطَفٰى مَوْلٰى الْجَمِيْعِ

فَهَبْ لِيْ فِيْ مَدِيْنَتِهِ قَرَارًا

حَيَاتًا ثُمَّ دَفْنًا فِي الْبَقِيْعِ

طریقہ: ہر نماز کے بعد سات بار یہ دُعا پڑھے اور اوّل آخر ایک، ایک بار

دُرود شریف پڑھا کرے۔

مقدمہ میں کامیابی کا نسخہ:

یہ شعر صبح، شام ایک سو ایک بار پڑھے اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھا کرے:

تعالی اللہ زہے قیوم و دانا

توانائی دہ ہر ناتوانا

اس سے مقدمہ بھی فتح ہوگا، دشمن بھی ردّ ہوں گے، اور پڑھنے والے کو غلبہ بھی رہے گا۔

محبتِ الہی اور دفعِ شرمساری کے لئے:

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے

دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

مرا شرمساری ز رُوئے تو بس

دگر شرمسارم مکن پیش کس

طریقہ: بعد نمازِ عشاءِ اکیس بار یہ اشعار پڑھے اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھتا رہے۔

محبتِ الہی کا دوسرا نسخہ:

”اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حَرَكَاتِي وَسَكَنَاتِي كُلَّهَا فِي

مَحَبَّتِكَ وَتَقْوَاكَ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے ہر چلنے پھرنے اور آرام کو

اپنی محبت کے لئے اور اپنے قانون پر عمل کرنے کے لئے بنا۔“

طریقہ: صبح و شام سات بار یہ دُعا اور اوّل آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے:

صبح کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس بار درج ذیل دُعا اور اوّل آخر تین، تین بار دُرود شریف پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے طریق کو اس کے لئے آسان فرمائے گا:

”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ
تُحْيِيَ قَلْبِي بِنُورِ مَحَبَّتِكَ وَمَعْرِفَتِكَ أَبَدًا يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ.“

ترجمہ: ”اے ہمیشہ سے زندہ رہنے والے! اے تمام
دُنیا کے حافظ و رزاق! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سے سوال
کرتا ہوں کہ میرے دل کو اپنی محبت و معرفت کے نور سے زندہ
فرمادے، ہمیشہ کے لئے، اے اللہ! اے اللہ!“

نیز ذکر کی کثرت محبت کے غلبہ کا سبب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا
شمار بھی زیادتی محبت کا موجب ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی کا تدبر و تفکر،
زیادتی محبت کا موجب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اپنے وجود کے حالات میں تفکر
بھی غلبہ محبت کا موجب ہے۔

فصل دوم

نظر لگ جانے کا علاج:

معوذتین کی خاصیت: ... قرآن مجید کی آخری تین سورتیں تین بار اور

اول آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھ کر جس کو نظر بد لگی ہے یا نظر بد لگنے کا خوف ہے، تین دن تک دَم کرتا رہے، اگر جانور ہو تو اس پر بھی دَم کرے، اور گھاس وغیرہ پر دَم کر کے کھلائے بھی، اگر نمک پر دَم کر کے تین دن کھلاتا رہے تو بہتر ہے۔ اور سحر و جادو کے دفع کے لئے پانی پر دَم کر کے پلاتے رہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سورتیں رات کو پڑھ کر اپنے اوپر دَم کرے تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

جس مکان میں سوئے، اگر سوتے وقت ان سورتوں کو پڑھے گا تو اس کے حوادث سے محفوظ رہے گا۔

اگر جنگل میں جاتے ہوئے ان کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دَم کر کے اپنے تمام بدن پر پھیر کر چھڑک دے اور تین بار ایسا کرے تو ہر بلا سے امن میں رہے گا۔
اگر حاکم کے پاس جائے تو گیارہ، گیارہ مرتبہ پڑھ کر حاکم کی طرف اور اپنے پر بھی پھونک مارے، تو اس کے رعب، دہشت اور خطرہ سے محفوظ رہے گا۔

سورہ فاتحہ کے خواص:

سر کے درد کے لئے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اگر سورہ فاتحہ پڑھے اور اول آخر ایک، ایک بار دُرود شریف پڑھ کر دَم کرے، اور تین بار ایسا کرے تو ہر قسم کے دردِ سر اور دردِ شقیقہ کے لئے مفید ہے، تین دن ایسا کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔
اسی طرح پیٹ کے درد کے لئے نمک پر دَم کر دے، اور مریض تھوڑا تھوڑا چکھا کرے تو شفا ہوگی۔ بخار اور حرارت کے لئے اس کو سات بار پانی پر دَم کر کے پلاتا رہے۔

مسخرات (رزق کی فراخی، لوگوں کے مطیع اور محب ہو جانے کا نام

”مسخرات“ ہے) کے لئے سنت فجر کے بعد اور فرضوں سے پہلے اکتالیس بار سورہ فاتحہ اور اول آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھ کر بحرِ وزاری سے دُعا کیا کرے، پھر کامیابی کے لئے گیارہ بار فاتحہ پڑھ کر اپنے کام کو جاری کرے، اور مشکل کشائی کے لئے اکیس بار پڑھتا رہے۔

اگر زوجین کے درمیان محبت نہیں، تو اکیس بار کسی شیرینی وغیرہ پر پڑھ کر چند ایام زوجین کو کھلائے۔

زوجین میں سے جس کو محبت نہیں، اس پر ”بسم اللہ“ کے ساتھ تین بار سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہے، اس کو محبت ہو جائے گی، مگر اول آخر دُرود شریف ہر کام کے ساتھ ہے، سورہ فاتحہ ہر دکھ کی دوا ہے، بفضلہ تعالیٰ۔

سورہ لہب کے خواص:

دُشمن کے شر کو دفع کرنے کے لئے روزانہ اول آخر دُرود شریف اور اکتالیس بار سورہ لہب پڑھے اور لفظ ”اَبِیْ لَہْبِ“ پر اپنے دُشمن کا تصور کرے، ہاں! اگر معصیت میں پڑھے گا تو قیامت میں گرفتار ہوگا۔

سورہ کوثر کے خواص:

اگر ہزار بار سورہ کوثر اور اول آخر گیارہ، گیارہ بار دُرود شریف اس نیت سے پڑھا کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و اُمی کی زیارت نصیب ہو، تو ان شاء اللہ تعالیٰ زیارت فیض بشارت سے سرفراز ہوگا، اور اگر دفع دُشمن کے لئے پڑھے تو تین سو تیرہ (۳۱۳) بار اور اول آخر دُرود شریف پڑھے اور آیت: ”اِنَّ شَانِکَ هُوَ الْاَبْتَرُ“ پر دُشمن کے دفع کا تصور کرتا رہے، تو ان شاء اللہ دُشمن دفع ہو جائے گا۔

سورہ فیل کے بعض خواص:

اگر دفعِ دشمن کے لئے تین سو تیرہ بار سورہ فیل اور اول آخر سات، سات بار دُرود شریف پڑھے، اور ”بِأَصْحَابِ الْفِيلِ“ کے کلمہ پر اپنے دشمن کا تصور کرتا رہے تو دشمن دفع ہوگا۔

سورہ قریش کے بعض خواص:

اگر قافلے والوں کو رہنوں سے خطرہ ہو، یا کسی کو سخت دشمن سے ڈر ہو، یا دشمن اچانک سامنے آگیا ہو، تو اچانک خطرہ کے وقت جتنا ہو سکے سورہ قریش پڑھے، اور دوسرے معاملے میں اول آخر تین، تین بار دُرود شریف اور ایک سو ایک بار یہ سورہ پڑھ کر عاجزی سے دشمن کے دفع ہونے کی دعا کرے، اِنْ شَاءَ اللہ دفع ہو جائے گا، مگر لفظ ”اَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ“ پر اس کا تصور کرے۔

اور اگر غریب و بے روزگار ہے تو اول آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکتالیس بار یہ سورہ پڑھے، اور کلمہ ”اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ“ پر اپنی بھوک، غربت اور افلاس کے دفع کا تصور کرتا رہے، اگر سنتوں میں پڑھتا رہے، تو ہر بلا سے امن و امان میں رہے، اِنْ شَاءَ اللہ!

سورہ نصر اور فتح کے بعض خواص:

اگر فتح یابی کے لئے اول آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکہتر بار اس کو پڑھا کرے تو اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ فتح یاب ہوگا، اگر کوئی بے یار و مددگار ہے تو اول آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکیس بار اس کو پڑھتا رہے، اور ”يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا“ پر تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے مددگار بنادے۔

سورہ واقعہ کے خواص:

اگر اس کو مغرب کی سنتوں میں پڑھتا رہے تو فاقہ سے نجات پائے گا، اور عیش سے معیشت پائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، مجرب ہے۔

سورہ منزل کے خواص:

اگر اول آخر تین، تین بار دُرود شریف اور اکتالیس بار اس کو پڑھا کرے تو دولت سے مالا مال ہوگا، اور جن و انس پر اس کی دہشت بیٹھ جائے گی، اور اگر گیارہ بار ہر روز پڑھتا رہے تو مصیبت سے امن و امان میں رہے گا، اور کسی بیمار پر دم کرتا رہے، تو اس کو شفا ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

سورہ یس کے بعض خواص:

اگر صبح و شام ایک، ایک بار اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے گا، تو رضا اور محبت الہی نصیب ہوگی، اگر شفا کے لئے پڑھے گا، تو شفا ہوگی، اگر ایمان کی سلامتی کے لئے پڑھے گا، تو ایمان سلامت رہے گا، اگر رفعِ سکرَاتِ موت کے لئے پڑھے گا، تو آسانی ہوگی، دولت کے حاصل کرنے کے لئے تین بار پڑھتا رہے، تو دولت مند ہو جائے گا، اور دفعِ دشمن کے لئے پڑھے گا، تو دشمن دفع ہوں گے، غرض جس کام کے لئے پڑھے گا، وہی کام آسانی سے ہوگا، ان شاء اللہ!

سورہ یوسف کے خواص:

اگر دولت کے حصول، ترقی درجات، دفعِ دشمن، عورتوں کے مکر کے دفع کرنے، یا دشمن کے دوست بن جانے کے لئے اول آخر سات بار دُرود شریف اور تین بار یہ سورہ پڑھتا رہے تو اللہ کی رحمت سے تمام مقاصد حاصل ہوں گے۔

فائدہ عجیبہ:۔۔۔ جس کام میں جو نیت کرے گا، اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو وہی مطلب، عطا فرمائے گا، اگر اسمائے الہی تعالیٰ، قرآن مجید، کلمات احادیث اور اولیاء اللہ سے منقول دُعاؤں میں آخرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت ہوگی تو آخرت اور دُنیا کے مطلب بھی ملیں گے، اگر رضائے الہی یا آخرت کے ثواب کی نیت نہیں، بلکہ دُنیا کی نیت ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو دُنیا کا مطلب حاصل ہو جائے گا، اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب، جزا اور بدلہ نہ ملے گا، بلکہ آخرت کے اعتبار سے اکارت و بے فائدہ ہو جائے گا، کیونکہ:

”مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ،
وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ
مِنْ نَّصِيبٍ“ (الشوریٰ)

ترجمہ:۔۔۔ ”جو کوئی چاہتا ہے کھیتی آخرت کی، زیادہ دیتے ہیں ہم اس کو بیج کھیتی اس کے، اور جو کوئی چاہتا ہے کھیتی دُنیا کی، دیتے ہیں ہم اس کو کچھ اس میں سے اور آخرت میں اس کے واسطے کچھ حصہ نہیں۔“ (موضح القرآن)

پس چاہئے کہ مومن مسلمان جو چیز بھی پڑھے، لکھے یا پہنچائے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی خیر مانگے، اس کے دُنیا و آخرت کے دونوں مطلب پورے ہوں گے، اور اگر محض دُنیا کے مطلب کو چاہا تو آخرت میں ناکام رہے گا، بر رسولان بلاغ است و بس!

فوائد سورہ بقرہ و آل عمران:

جس گھر میں تین دن رات یہ دونوں سورتیں پڑھی جائیں، جن و شیطان

اس گھر میں داخل نہ ہوں گے، اور یہ پڑھنے والے پر قیامت کے دن سایہ کریں گی۔
اور جس پر سحر ہو چکا ہے، ان سورتوں کی کثرت سے تلاوت پر سحر دفع
ہو جائے گا، اور پڑھنے والے پر سحر و جادو نہیں چل سکتا۔

آیۃ الکرسی کے فوائد:

یہ کتاب اللہ میں بوجہ فضیلت سب سے بڑی آیت اور تمام آیات کی سردار
ہے، جس مال و اولاد میں یہ آیت لکھ کر رکھی یا پڑھی جائے، اس کے پاس جن نہیں
آسکتے، اگر راستہ بھول جائے تو آیۃ الکرسی اور کلمات اذان و اقامت پڑھ کر دُعا
کرے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ راستہ پالے گا۔

”اَمِّنَ الرَّسُوْلُ“ کے فائدے:

جس مکان میں سورۃ بقرہ کی آخری یہ دو آیتیں تین رات تک پڑھی جائیں،
اس میں شیطان اور جن قریب نہیں آتے، اگر رات کو پڑھی جائیں اور اُس رات اس
کو موت آگئی تو اس کی مغفرت ہوگی، اور چور وغیرہ کی بلا سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ کہف کے فائدے:

سورۃ کہف کے پڑھنے والے کو قیامت کے دن نور ملے گا، اور وہ دجال کے
مکر و فریب سے بچا رہے گا، اور اس کی اوّل و آخر کی دس آیتیں پڑھنے سے بلا و
مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

سورۃ ملک کے فائدے:

اس کا ہر روز پڑھنا عذابِ قبر سے نجات کا سبب ہے، اور مریض پر صبح و شام
تین مرتبہ پڑھنے اور دم کرنے سے شفا نصیب ہوگی۔

فصل سوم

دفعِ آسیب کے لئے:

جس کے بارے میں شبہ ہو کہ اس پر جن کا اثر ہے تو اُس پر سورہ فاتحہ اور ”خَلْدُون“ تک آیۃ الکرسی، ”اَمِّنَ الرَّسُوْلُ“ سے آخر سورت تک، آیت ”شَهِدَ اللّٰهُ“ سے ”عَزِيزٌ حَكِيْمٌ“ تک، سورہ صافات کی پہلی دس آیات، سورہ جن کی پہلی پانچ آیتیں، سورہ حشر کی آخری تین آیتیں، چاروں قل، کلماتِ اذان و اقامت ایک، ایک بار، اور اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار، اس طرح دم کریں کہ تھوک کے کچھ قطرات بھی اس پر گریں۔ اگر ہر نماز کے وقت ہو تو بہتر ہے، صبح و شام ہو، یا دن میں ایک بار پڑھیں اور پانی پر دم کر کے پلا دیں، اگر فرصت کم ہو تو آیۃ الکرسی، کلماتِ اذان و اقامت اور چاروں قل پڑھ کر دم کریں، اگر ”فرعون، ہامان، قارون، شداد، نمرود، ابلیس علیہم اللعنة و اتباع ایشان دفع شوند و گرنہ سوختہ شوند“ لکھ کر بتی بنا کر کالے کپڑے میں لپیٹیں، پھر آگ لگا کر اس کا دُھواں تمام بدن پر پہنچا دیں تو یہ آخری علاج ہے، چند دن کریں، اس وقت کریں جب دُوسرے علاج سے کفایت نہ ہو، اور یہ تعویذ گلے میں ڈالیں:

”اَعِيْذُ حَامِلٌ هٰذِهِ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ
وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ
يَّحْضُرُوْنَ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ
وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ.“

اور: ”يَا اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ“ کا تعویذ ہر روز پلاتے رہیں اور یہ تعویذ

بہت سے لکھ دیں، تاکہ ہر روز پیتے رہیں، اگر سات کنوؤں کے پانی میں پلائیں تو بہتر ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہو جائے گی۔

بخار کے لئے تعویذ:

اگر بخار اور حرارت بڑھ جائے تو یہ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالیں:

”بِسْمِ اللّٰهِ الْکَبِیْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ عَرْقٍ نَّعَارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ.“

اور ”یا اللہ یا رَحْمَنُ یا رَحِیْمُ“ کے تعویذ سات یا اس سے زیادہ لکھ دیں، ان میں سے ایک، ایک ہر روز پیتا رہے، اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائیں گے، اگر یہ آیت لکھ کر پلائیں تو بہتر ہے: ”وَقُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰهَیْمَ.“ اس سے شفا ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

جانوروں کی بیماری کے لئے:

یہ تعویذ تین بار لکھ کر جانور کے گلے میں ڈالیں: ”اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ وَ الْکُفْرُ بَاطِلٌ“ نیز ”اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ“ کے کلمے کو چند بار لکھ دیں، تاکہ ایک، ایک ہر روز پلاتے رہیں، اگر جانوروں میں عام بیماری پڑ جائے تو یہ تعویذ لکھے: ”ہرچہ کند خدا کند بندہ عاجز چہ کند“ اس کو تین بار لکھ کر تعویذ بنائے، کسی جانور کے گلے میں لٹکا دے یا ایسی جگہ باندھ دیں کہ نیچے سے جانور گزرتے رہیں، رحمت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

دردِ زہ کی آسانی کے لئے:

جب تھوڑا تھوڑا درد شروع ہو تو ”یا وَّاسِعُ“ سات مرتبہ لکھ دیں، ایک، ایک، دو دو گھنٹے کے بعد خاتون پیتی رہے، اور سخت درد کے وقت یہ تعویذ لکھ دے،

جلدی آسانی ہوگی:

مرا جاشد و خر مرا نیز جاشد
زن دہقان بزاید یا نہ زاید
اس شعر کو تعویذ بنا کر دے، جو ران کی جڑ میں باندھ دیں، آسانی سے اور
جلد ولادت ہو جائے گی۔

حفاظتِ حمل کے لئے:

”فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَفِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِمِيْنَ“ کو تین بار لکھ کر آخر میں: ”وَصَلَّى
اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ“ لکھ کر تعویذ بنا دے، عورت کمر میں باندھ لے
اور ”يَا اَللّٰهُ يَا حَفِیْظُ“ کے چند تعویذ بھی لکھ دے، حاملہ خاتون ایک تعویذ صبح اور ایک
شام چند دن پیتی رہے، رحمت ہو جائے گی، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی!

بچہ زندہ نہ رہنا:

اجوائن اور کالی مرچ ڈیڑھ، ڈیڑھ پاؤ لے لیں، اس پر پیر کے دن دوپہر
کے وقت چالیس بار سورہ والشمس اس طرح پڑھیں کہ ہر دفعہ کے ساتھ اوّل آخر دُرود
شریف پڑھیں، جب چالیس بار ہو جائے، پھر ایک دفعہ دُرود شریف پڑھے، ایسی
خاتون جس کا بچہ زندہ نہ رہتا ہو، وہ دودھ چھڑانے تک روزانہ ان دونوں چیزوں میں
سے تھوڑا تھوڑا کھالیا کرے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی اولاد زندہ رہے گی۔

ہمیشہ لڑکی ہونا:

جس عورت کا لڑکا نہ ہو، اس کا خاوند یا کوئی دوسری عورت اس کے پیٹ پر
انگلی سے ۷۰ بار دائرہ بنائے، اور ہر دفعہ میں ”يَا مَتِيْنُ“ کہے، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لڑکا پیدا ہوگا۔

بچے کو نظر لگ جانا یا سوتے میں ڈرنا:

قرآن مجید کی آخری دو سورتیں تین، تین بار پڑھ کر اس پر دم کرے، اور یہ
دعا لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے:

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ

شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَعَيْنٍ لَّامَةٍ.“

ان شاء اللہ تعالیٰ سب آفتوں سے حفاظت رہے گی۔

چیچک کے لئے:

ایک نیلا دھاگا جس کے سات تار ہوں، لے کر اس پر سورہ رحمن پڑھے اور
آیت: ”فَبَآئِيَ الْآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ“ پر آکر دھاگے پر پھونک مار کر ایک گرہ لگائے،
سورت کے ختم ہونے تک ۳۱ گرہیں ہو جائیں گے، پھر وہ دھاگا بچے کے گلے میں
ڈال دے، اگر چیچک سے پہلے ڈال دیں تو ان شاء اللہ چیچک سے حفاظت رہے گی،
اور چیچک نکلنے کے بعد ڈالیں گے تو زیادہ تکلیف نہ ہوگی، مونگ کے دانے پر گیارہ بار
سورہ اخلاص اور اول آخر درود شریف ایک، ایک بار دم کر کے، ہر چیچک والے کو طاق
عدد کھلاتا رہے، مثلاً: ایک، تین، پانچ، اگر مریض بالکل چھوٹا ہے کہ خود نہیں کھا سکتا تو
پیس کر کھلاتا رہے، رحمت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

ہر طرح کی بیماری کے لئے:

چینی کی طشتری پر سورہ الحمد اور یہ آیتیں لکھ کر روزمرہ بیمار کو پلایا کریں،
بہت ہی تاثیر کی چیز ہے، وہ آیتیں یہ ہیں:

”وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ، وَإِذَا مَرَضْتُ فَهُوَ

يَشْفِينِ، وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ، وَهُدًى وَرَحْمَةٌ

لِّلْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا، قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ
آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً.

اگر اس کے ساتھ دُرود شریف بھی لکھے تو بہتر ہے، شفا ہوگی، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ!

برکت اور دفعِ قرض کے لئے:

بعد نمازِ عشاء سو بار ”يَا مُعِزُّ“ اور اوّل آخر گیارہ، گیارہ بار دُرود شریف
پڑھے، نیز ”يَا وَهَّابُ“ چودہ سو چودہ مرتبہ (۱۴۱۴) اور اوّل آخر دُرود شریف سات،
سات بار پڑھتا رہے، یا بعد نمازِ عشاء یہ عمل کر کے سو بار یہ دُعا پڑھے:
”يَا وَهَّابُ هَبْ لِي مِنْ نِّعْمَةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.“

اس کو بزرگِ کیمیاے درویشاں فرماتے ہیں۔

نیز سنتِ فجر کے بعد اور فرض سے پہلے ”يَا مُغْنِي“ گیارہ سو بار اور اوّل آخر
دُرود شریف سات، سات بار پڑھتا رہے۔ اور ہر نماز کے بعد اکتالیس، اکتالیس بار
اور اوّل آخر دُرود شریف ایک، ایک بار پڑھا کرے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ فراغت اور
برکت ہوگی اور قرض دفع ہوگا۔

آسیب کا لپٹ جانا:

سورۃ مؤمنون کی آخری آیات: ”أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا“ سے آخر
تک پڑھ کر کان میں دَم کرنا، سورۃ ”وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ“ کو سات بار کان میں دَم
کرنا، اور داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہنا بھی آسیب کو دفع کرتا اور
بھگا دیتا ہے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ!

اگر گھر میں آسیب کا اثر معلوم ہو:

اگر گھر میں آسیب کا شبہ ہو تو یہ آیت:

”إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا. فَمَهْل

الْكُفْرَيْنِ أَهْلُهُمْ رُويْدًا.“

پچیس بار چار کیلوں پر پڑھ کر گھر کے چاروں کونوں میں گاڑ دیں، اور زیادہ گھر ہوں تو ہر گھر کے لئے چار کیلیں پڑھ کر گاڑ دیں، آسیب دفع ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

دفعِ مرگی:

آیات ذیل لکھ کر گلے میں ڈال دینا چاہئے:

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، رَبِّ أَنْتَ مَسْنَى

الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ، رَبِّ أَنْتَ مَسْنَى الضُّرِّ وَأَنْتَ

أَرْحَمُ الرَّحِمِينَ، رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ

وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُون.“

نیز مذکورہ بالا کو کاغذ پر یا پانی پر دم کرے اور اس پانی میں مساوی مقدار میں تیل ملا کر نہایت ہی ہلکی آگ پر اس پانی کو خشک کرے، جب پانی خشک ہو جائے اور صرف تیل رہ جائے تو اس تیل کو ہر روز سر میں بھی ڈالے اور بدن کی مالش بھی کرتا رہے، دو چار مہینے میں رحمت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

دفعِ تپِ لرزہ و ہر قسم کے بخار کے لئے:

نقش ذیل کو لکھ کر مریض کے گلے میں ڈالیں، افضل یہ ہے کہ ”بِسْمِ اللَّهِ“

کو چار بار لکھ کر پھر ”صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم“ لکھیں۔

بِسْمِ	اللّٰہ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِیْمِ
اللّٰہ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِیْمِ	بِسْمِ اللّٰہ
الرَّحْمٰنِ	الرَّحِیْمِ	بِسْمِ	اللّٰہ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ	بِسْمِ	اللّٰہ	الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نیز ”یا اللّٰہُ یا رَحْمٰنُ یا رَحِیْمُ“ چند بار لکھ کر دیں، مریض ان میں سے ہر روز ایک ایک پیا کرے۔

ماہواری کی کمی:

آیات ذیل کو لکھ کر گلے میں اس طرح ڈالیں کہ تعویذ رحم پر پڑا رہے:

”بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَجَعَلْنَا فِیْہَا جَنَّتِ
مِّنْ نَّخِیْلِ وَّاَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِیْہَا مِنَ الْعُیُونِ لَیَّا کُلُوْا مِنْ
ثَمَرِہِ وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْہُمْ اَفْلا یَشْکُرُوْنَ. اَوْ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفْلا یُؤْمِنُوْنَ.“

ماہواری کی زیادتی:

اگر کسی عورت کو ایام ماہواری زیادہ آتے ہوں، اور اس سے تکلیف ہو تو
آیات ذیل لکھ کر گلے میں ڈالیں، اس طور کہ تعویذ رحم پر پڑا رہے:

”بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، وَقِیْلَ یَا اَرْضُ

اَبْلَعِي مَا اَكَّ وَيَا سَمَاءُ اَقْلِعِي وَغِيْضَ الْمَاءِ وَقْضِي
الْاَمْرُ وَاسْتَوْتُ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ
الظَّالِمِيْنَ.

باجھ ہونا:

چالیس لونگ لے لیں، اور ہر ایک پر سات، سات مرتبہ یہ آیت پڑھیں،
اور جس دن عورت پاکی کا غسل کرے، اس دن سے روزانہ رات کو سوتے وقت ان
میں سے ایک لونگ کھاتی رہے، مگر اس پر پانی نہ پیئے اور کبھی کبھی میاں کے پاس اٹھے
بیٹھے، وہ آیت یہ ہے:

”اَوْ كَظَلَمْتَ فِيْ بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِه
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِه سَحَابٌ، ظَلَمْتَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، اِذَا
اَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكْذِبْ رِهَا، وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُوْرًا فَمَا
لَهُ مِنْ نُّوْرٍ.“

ان شاء اللہ تعالیٰ اولاد ہوگی۔

دماغ کا کمزور ہونا:

پانچوں نمازوں کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار ”یَا قَوُّی“ پڑھتے رہیں،
ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔

نگاہ کی کمزوری:

پانچوں نمازوں کے بعد ”یَا نُوْر“ گیارہ بار پڑھ کر دونوں ہاتھوں کے

پوروں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیرتے رہیں، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ! رحمت ہوگی۔

عقل کے بڑھنے کے لئے:

روزمرہ ایک بسکٹ پر سورہ فاتحہ یعنی ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ لکھ کر چالیس روز تک کھانے سے ذہن بڑھ جاتا ہے، بفضلہ تعالیٰ۔

دل کے ہول کے لئے:

یہ آیت ”بِسْمِ اللّٰہ“ سمیت لکھ کر گلے میں اس طرح باندھیں کہ تعویذ دل پر پڑا رہے، یاد رہے کہ دل بائیں پستان کے نیچے ہے:

”الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰہِ، اِلَّا
بِذِكْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“

رَوَّ غَائِب:

اگر کسی کا لڑکا لاپتا ہو کر کہیں چلا گیا، تو اس کو واپس لانے کے لئے آیات ذیل لکھ کر چرنے کے ساتھ باندھیں اور تین دن تک صبح و شام پندرہ، پندرہ منٹ، چرخا لٹا گھمائیں، پھر کسی پھل دار درخت پر لٹکا دیں، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ گھر سے غائب واپس آجائے گا یا اس کا پتا چل جائے گا، وہ آیات یہ ہے:

”اِنَّا رَاٰدُوْهُ الْیَکِ، فَرَدَدْنٰہُ اِلٰی اُمِّہِ کٰی تَقَرَّ
عَیْنُہَا، اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی
مَعَادٍ۔“

پھر اس غائب کا نام اور اس کے والد کا نام لکھ دے۔

محبت زوجین کے لئے:

آیات ذیل اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھے:

”وَالْقَيْثُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ وَيَا مُسَخِّرَ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَالْأَرْضَيْنِ السَّبْعِ قَلْبُ (فُلَانَةَ قَلْبُ فُلَانٍ) بِالْخَيْرِ لَا ذَاءَ الْحَقُوقِ يَا وَدُودُ حَبِّ حَبِّ يَا وَدُودُ.“

”فُلَان“ کی جگہ اس کا نام لکھے جس کو محبت نہیں اور ”فُلَانَةَ“ کی جگہ اس کا نام لکھے جس کے لئے محبت کرانی ہو، اور ”يَا لَطِيفُ يَا وَدُودُ“ گیارہ سو بار، گیارہ عدد کالی مرچ پر پڑھ کر اکتالیس روز تک بلا ناغہ جلتی آگ میں ڈالتا رہے، اگر دوسرا چلہ بھی پڑھے تو عمدہ ہے، بے محبت کو محبت ہو جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ!

سانپ یا بچھو کاٹ لے:

سانپ یا بچھو کاٹ لے تو آیات ذیل:

”سَلِّمْ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ، سَلِّمْ عَلَىٰ نُوحٍ فِي

الْعَلَمِينَ.“

اکتالیس بار نمک پر دم کریں اور نمک کو پانی میں گھول کر دیر تک اس جگہ ملتے رہیں، اور ملتے وقت سورہ فاتحہ و معوذتین بھی پڑھتے رہیں۔

سانپ کے لئے:

حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات میں سے یہ اعلیٰ چیز ہے، چنانچہ جس کو خلافت دیتے ہیں، اس کو ہی اس کی اجازت دیتے ہیں، ہر کسی کو اجازت نہیں دیتے، اول آخر سات بار دُرود شریف، سات بار فاتحہ شریف، سات بار آیۃ

الکری، سات بار چاروں قل، ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کے ساتھ پڑھ کر نمک پر دم کرے، اور: ”الہی بحرمت دوست محمد قذہاری رحمۃ اللہ علیہ، الہی بحرمت شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ“ بھی سات بار پڑھ کر اس نمک پر دم کرے، کاٹنے کی جگہ پر تین دن تک ملتا رہے، اور اس نمک کو چکھتا بھی رہے، اس دوران کوئی جھاڑ پھونک اور دوانہ کرائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت ہوگی۔

باؤلے کتے کے کاٹے کے لئے بھی یہی چیز ہیں، مگر یہ کہ آیۃ الکری اُس میں نہ ملائے۔

اگر کسی جگہ سانپ رہتا ہو اور وہاں چھڑک دیں گے، تو سانپ بھاگ جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

اسی طرح سورۃ الطارق کی آخری آیت: ”اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ“ سے ”رُوَيْدًا“ تک، ایک روٹی یا بسکٹ کے چالیس ٹکڑوں پر لکھ کر ایک ٹکڑا روزانہ اُس شخص کو کھلائیں، تو جس کو باؤلے کتے نے کاٹا ہے، اس کو ہڑک نہ ہوگی۔

بچھو، بھڑ وغیرہ درد کے لئے:

”حَمِّ، عَسَق، كَهْيَعَص، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْيَلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.“

اے درد کثر دم مثلاً رفع شو، ورنہ: ”اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ“ پڑھ کر دم کرے اور درد کی جگہ سے ہاتھ پھیرتے ہوئے نیچے لائے، بہتر ہے کہ کسی لوہے کی چیز کے اشارے سے اس پر دم کرے اور لوہے کی چیز متاثرہ جگہ سے نیچے کی طرف اس طرح ہٹائے جیسے درد کو وہاں سے دُور کیا جا رہا ہو، ان شاء اللہ شفا ہوگی۔

پھوڑا پھنسی:

قرآن کریم کی آیت: ”سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ“ کو اکتالیس بار ملتانی مٹی اور مکھن پر دم کرے، متاثرہ جگہ پر پہلے دم شدہ مکھن لگائے، پھر ملتانی مٹی کو پانی سے گिला کر کے اس جگہ پر لگائے، اوپر سے نیم کے پتے باندھے، چند دن اس طرح کریں، شفا ہوگی، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ!

اسی طرح آیت ذیل:

”لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ.“

اکتالیس بار اور اوّل آخر دُرود شریف تین، تین بار پڑھ کر یہ کہے: ”ای بلا بیرونی و درونی خشک شو، خدائے ما بزرگ است تو بزرگ مشو و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازیں جا ہجرت کردہ است تو نیز ہم برو، ”أَمْ أَمْرُؤَا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ“، امر حق بشنو“ تین بار پڑھے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ تکلیف رفع ہو جائے گی اور شفا نصیب ہوگی۔

ہیضہ، ہر قسم کی وبا اور طاعون وغیرہ:

وبا اور طاعون کے دنوں میں جو چیز کھائیں پیئیں، اس پر تین بار سورۃ ”اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ“ پڑھ کر دم کر لیا کریں، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ حفاظت رہے گی، اور جس کو ایسا مرض لاحق ہو جائے، اس کو بھی کسی چیز پر دم کر کے کھلائیں یا پلائیں، اِنْ شَاءَ اللہ شفا ہوگی۔

تلی بڑھ جانا:

یہ آیت: ”ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ“ بسم اللہ سمیت لکھ کر تلی کی جگہ باندھیں، شفاء ہوگی، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ!

فائدہ عجیبہ:.... جاننا چاہئے کہ تعویذ لینے دینے، لکھنے پڑھنے کے لئے مشقت، محنت، اس کے رواج، چرچے، عام، خاص کی چاہت، شوق اور محبت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی تحصیل گویا فرض کی تعمیل و تکمیل ہے، اور خدا تعالیٰ کے حکم کے لئے کمر بستگی ہے، حالانکہ تعویذ کا عمل مربع، محس، مثلث وغیرہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا معمول رہا ہے، صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اتنا منقول ہے کہ: ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ.... الخ“ کو لکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیا، اس کے سوا بھی کچھ روایت میں آتا ہے، مگر یہ نہیں کہ اس کو سنت صحابہؓ کہا جاسکے، کیونکہ سنت طریقہ مروجہ کا نام ہے، نہ یہ کہ ایک، دو سے کچھ نقل مل جائے کہ یوں کیا گیا تھا، لہذا زیادہ سے زیادہ اس سے اتنا استدلال ہو سکتا ہے کہ یہ چیز مباح ہے، حرام نہیں، وہ بھی اسی مقدار میں کہ معوذات میں سے کوئی چیز کسی بچے کی گردن میں لٹکانا درست ہے، حرام نہیں، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لٹکانا ضروری یا مستحب ہو، پھر مربع، محس، مثلث کا عمل تو دور کی بات ہے، لہذا اگر وہ عدد جائز میں کیا جائے تو جائز، مگر اس کو قرآن مجید پڑھنے یا دم کرنے سے زیادہ سمجھنا اور اس پر زیادہ اعتناء کرنا قرین قیاس نہیں۔ حاصل یہ کہ تعویذ کے استعمال کو عدم گناہ یا جواز کے درجہ میں رکھنا چاہئے، اور اس کی تحصیل میں قدر جواز تک تندہی ہونی چاہئے، اس میں زیادہ اعتقاد و اعتناء یا کوشش کرنا حد شرعی سے تجاوز کرنا ہے، وَاللَّهُ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ وَعِلْمُهُ أَتَمُّ!

نافل جانا:

”ہرچہ کند خدا کند بندہ عاجز چہ کند، الہی بحرمت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ناف بجائے خود روڈ“ اس جملے کو جو کہ ایک بزرگ سے منقول ہے، تعویذ بنا کر ناف کی جگہ باندھ دے، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ شفا ہوگی۔

ہر کام و مطلب کے لئے:

اللہ	اللہ	اللہ	اللہ
اللہ	اللہ	اللہ	اللہ
اللہ	اللہ	اللہ	اللہ
اللہ	اللہ	اللہ	اللہ

یہ تعویذ لکھ کر دے اور ضرورت مند اس کو اپنے ساتھ رکھے اور پیئے اور افضل یہ ہے کہ لفظ ”اللہ، اللہ“ سترہ بار لکھ کر ”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ لکھیں، مگر اس کو نقش کے طور لکھنا مروی نہیں، اگر زیادہ ضرورت ہو تو ”اعمالِ قرآنی“، ”شفاء العلیل“ اور ”الداء والدواء“ وغیرہ کو دیکھے۔

تنبیہ:۔۔۔ قرآن مجید کی آیت کو نہانے کی ضرورت کی حالت میں نہ لکھو، اور بے وضو بھی مت لکھو۔ اور جس کاغذ پر قرآن مجید کی آیت ہو، اس کو تعویذ بنا کر اس پر دوسرا کاغذ لپیٹ دو، تاکہ تعویذ لینے والا اگر بے وضو ہو تو اس کو ہاتھ میں لینا درست ہو، اور جب چینی کی طشتری پر آیت لکھو، تو اس کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگاؤ، جب تعویذ سے کام نہ رہے تو اس کو پانی میں گھول کر کسی ندی یا نہر یا کنویں میں چھوڑ دو۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ

واصحابہ اجمعین

محمد عبداللہ عفی عنہ

۵/رجب ۱۳۷۷ھ

اسماء الحسنیٰ کے خواص و فوائد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

وَعَلٰی اِلٰهَ الْمُجْتَبٰی، اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے کہ اسماء الحسنیٰ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ورد بنانا چاہئے، اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو دارین کی فلاح و بہبود اور سرفرازی و آبادی نصیب ہو جائے گی،
وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ!

”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ“ کے خواص:

جو شخص اس کو ایک سو ایک دفعہ باطہارت و یکسوئی یومیہ بلا ناغہ پڑھتا رہے تو
بفضلہ تعالیٰ مخلوق میں پر جلال و باہیت ہوگا، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی!

”السَّلَامُ الْمُؤْمِنِ الْمُهِیْمِ“ کے خواص:

جو شخص ”سُبْحَانَ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهِیْمِ يَا اللّٰهُ يَا سَلَامُ يَا مُؤْمِنُ يَا مُهِیْمُ“ کو ایک سو اکیس دفعہ یومیہ پڑھتا رہے، ہر قسم کے خوف و خطر سے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ امن و امان میں رہے گا، اوّل آخر دُرود شریف ہونا چاہئے۔

”الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ“ کے خواص:

جو شخص ہر روز تین سو تیرہ بار ”سُبْحَانَ الْعَزِیْزِ الْجَبَّارِ الْمُتَكَبِّرِ يَا عَزِیْزُ يَا

جَبَّارُ یَا مُتَكَبِّرُ“ کو ہر روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا رہے، دشمن کے مکر و کید اور مضرتِ رسانی سے اِن شاء اللہ محفوظ رہے گا، دُرود شریف اوّل آخر پڑھنا چاہئے۔

”الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیدُ“ کے خواص:

جو شخص ان اسماء کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پانچ سو پچھتر بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، یا ”سُبْحَانَ“ کا کلمہ پہلے ملا کر ”سُبْحَانَ الْبَارِئِ الْمُصَوِّرِ الْمُبْدِئِ الْمُعِیدِ“ صبح شام ایک سو گیارہ بار، دُرود شریف اوّل و آخر کے ساتھ پڑھتا رہے، اللہ تعالیٰ اس کو نرینہ اولاد، نیک، عمر دراز عطا فرمائے گا، بفضلہ و کرمہ، اور اپنی معرفت و محبت بھی عطا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

”الْغَفَّارُ الرَّءُوفُ الرَّحِیمُ“ کے خواص:

جو شخص ان اسماء کو اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ ایک سو بار اس طور سے پڑھے: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْغَفَّارُ الرَّءُوفُ الرَّحِیمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ“ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے گناہ معاف فرمائیں گے، رزق فراخ ہوگا اور برکاتِ جسمانی و روحانی بھی عطا ہوں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ!

”الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ“ کے خواص:

جو شخص ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، اس کو رضائے مولیٰ کریم نصیب ہوگی اور دولت عام ہوگی، حق و سچ کا ظہور اور باطل بھی کافور و نابود ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ! ترکیب یہ ہے: ”لَا وَهَّابُ اِلَّا اللّٰهُ لَا رَزَّاقُ اِلَّا اللّٰهُ لَا فَتَّاحُ اِلَّا اللّٰهُ“ ایک سو بار، اوّل آخر دُرود شریف، بعد صبح و عشاء یا ایک وقت۔

”الْعَلِيمُ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“ کے خواص:

جو شخص صبح و شام یا ایک وقت اللہ کی رضا کے لئے اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ ایک سو بار یہ الفاظ پڑھے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَلِيمِ السَّمِيعِ الْبَصِيرِ“ اُس کو علم کامل بعمل صالح نصیب ہوگا، اور کشفِ حقائق و اسرارِ قرآنی و احکام اور کشفِ کونی اس کی استعداد کے مناسب نصیب ہوں گے، اور قرآن مجید بھی جلد یاد کر لے گا، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ!

”الْجَلِيلُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ“ کے خواص:

جو شخص ان اسمائے گرامی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک ایک سو بار صبح و شام اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، نفس و شیطان پر بھی اور دُشمنوں پر بھی غالب رہے گا، اور لوگوں میں اس کی ہیبت مقبول ہوگی، ترکیب یہ ہے: ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ سات بار، ”اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرُ“ سات بار، اور ”يَا جَلِيلُ يَا عَلِيُّ يَا كَبِيرُ“ ایک سو بار اور اوّل آخر دُرود شریف پڑھے۔

”الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْكَرِيمُ“ کے خواص:

جو شخص اس کو ہر نماز کے بعد اللہ کی رضا کے لئے اکتالیس بار یا اکتیس بار اوّل آخر دُرود شریف کے ساتھ پڑھا کرے، اس کی عبادت قبول ہوگی، گناہ معاف ہوں گے، مراتب میں ترقی ہوگی، دُنیوی ہوں یا دینی یا جسمانی یا رُوحانی، ترکیب پڑھنے کی یہ ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْكَرِيْمُ“۔

”الْحَفِیْظُ الرَّقِیْبُ الْمُقِیْتُ“ کے خواص:

ان ہر دو کا معنی ہے: نگاہ رکھنے والا، قوت دینے والا، اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ: ”حَسْبِيَ اللّٰهُ الْحَفِیْظُ الرَّقِیْبُ الْمُقِیْتُ“ اوّل آخر دُرود شریف کے

ساتھ سات راتیں یا ستائیس راتیں ستر بار پڑھے، ہر دشمن و حاسد سے محفوظ رہے گا، بلکہ اس پر غالب ہو جائے گا، اور جس رات پڑھے گا، اس رات چور سے محفوظ رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! جمعہ کی رات سے شروع کرے۔

”الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمَجِيدُ“ کے خواص:

جو شخص بوقت نصف شب اول آخر درود شریف کے ساتھ ایک سو ایک بار پڑھتا رہے، خلقت میں برگزیدہ ہو جائے گا، بفضلہ تعالیٰ! بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، اس سے پہلے: ”سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ“ اکتالیس بار اور آخر میں: ”سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ“ اکتالیس بار پڑھے، پھر عجز و نیاز سے دُعا کرے اور اس طور پڑھے: ”يَا اللَّهُ يَا رَافِعُ يَا مُعِزُّ يَا مَجِيدُ“۔

”الْوَدُودُ اللَّطِيفُ الْمُجِيبُ“ کے خواص:

اگر کوئی شخص فلفل سیاہ گیارہ عدد پر گیارہ سو بار بعد عشاء دم کر کے جلتی آگ میں جلاتا رہے، تو دشمن کی دشمنی رفع ہو جائے گی، بلکہ محبت ہو جائے گی، اگر اکہتر بار شیرینی پر دم کر کے کھلائے، تو میاں بیوی میں محبت ہو جائے گی، اور وضو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے حصول کے لئے تین سو تیرہ بار اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھتا رہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جائے گی، بفضلہ و کرمہ!

”الْحَيُّ الْقَيُّومُ“ کے خواص:

اکثر علماء نے اس کو اسم اعظم فرمایا ہے، ترکیب پڑھنے کی یہ ہے کہ: ”يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ“ سجدہ میں پڑھے، تو دُعا قبول ہوگی، رحمت بر سے گی، اور اگر دُعا کے اول آخر میں پڑھے تو زیادہ اجابت دُعا کا موجب ہے، اور اگر ”اللَّهُ لَا“

إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ“ کا ورد ایک سو اکیس بار، اول آخر دُرود شریف تین، تین بار کے ساتھ کرے تو دُنیا و آخرت کے مطالب پورے ہوں گے، عزت و عظمت بڑھے گی، رزق میں فراخی ہوگی، قربِ خداوندی نصیب ہوگا، اور قبر کی تنگی دُور ہوگی، اس کے فوائد بے شمار ہیں، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے۔

”أَحَدُ، صَمَدُ“ کے خواص:

اگر سو الاکھ بار اس طور سے پڑھے: ”يَا اللَّهُ يَا أَحَدُ يَا صَمَدُ“ اور اول آخر سات بار دُرود شریف پڑھ کر چند دن نفل میں پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی تمام حاجات پوری ہوں گی۔

ترکیب: جب پڑھنے بیٹھے تو پہلے دُرود شریف پڑھے، پھر ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدُ. اللَّهُ الصَّمَدُ“ (تا آخر سورت) پڑھ کر پھر: ”يَا اللَّهُ يَا أَحَدُ يَا صَمَدُ“ پڑھتا رہے، جب ختم کرے تو پوری سورۃ پڑھ کر تمام کرے، پھر ہر نماز کے ساتھ پچیس بار اول آخر پڑھتا رہے۔

”مَالِكِ الْمُلْكِ وَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ کے خواص:

صبح و شام اول آخر ایک، ایک بار دُرود شریف کے ساتھ اکیس بار: ”اللَّهُمَّ مَالِكِ الْمُلْكِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ أَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَالْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ“ پڑھا کرے، دُنیا میں بھی عزت و دولت بڑھے گی، اور آخرت میں بھی عزت و عظمت سے رہے گا، اور قربِ رَبِّ تعالیٰ سے نوازا جائے گا، اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ بفضلہ!

”الْهَادِي النَّافِعُ النُّورُ“ کے خواص:

اگر بے نمازی یا گناہوں میں دُوبا ہوا شخص ان اسماء کو صبح و شام

اکتالیس بار، اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنی ہدایت و صلاح کے لئے عجز و نیاز سے دُعا کیا کرے، بشرطیکہ سچ مچ صالح و نیک بننے کی نیت ہو تو اس کو توفیق دی جائے گی، بفضلہ تعالیٰ و کرمہ! اور اس کا دل روشن ہوگا، دین و مال میں نقصان سے بچے گا، ”يَا اَللّٰهُ يَا هَادِيْ يَا نَافِعُ يَا نُوْرُ“ پڑھا کرے۔

”الْقَهَّارُ الْمُنتَقِمُ الْجَبَّارُ الْقَادِرُ“ کے خواص:

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھے، مگر ڈرے کہ کسی کا نقصان نہ ہو جائے، اگر کسی ظالم، زبردست اور بدمزاج کی گرفت سے سخت خوف ہو تو کھنگر کی اینٹ کنکریوں پر تین سو تیرہ بار بلحاظ معنی، دفعِ دشمن کی غرض سے ہر روز پڑھ کر دُعا کیا کرے، جلد از جلد اللہ تعالیٰ کے فضل سے نجات پائے گا، پڑھنے کی ترکیب یہ ہے:

”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْقَهَّارُ الْمُنتَقِمُ الْجَبَّارُ الْقَادِرُ، اَعُوْذُ

بِكَ مِنْ شَرِّ (فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ) وَاتَّبَاعِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ

وَ الْاِنْسِ بِقُدْرَتِكَ يَا رَحْمٰنُ۔“

”فلاں بن فلاں“ کی جگہ ظالم دشمن اور اس کے باپ کا نام لے۔

”الْبَاقِيُ الْبَدِيْعُ الْبَاسِطُ“ کے خواص:

اگر دشمنوں سے نجات چاہتا ہے اور رزق کی تنگی سے بچنے اور مصارف و مدارج دائمی کا طلب گار ہے، تو اس کو اکیس بار مع اول آخر درود شریف ہر نماز یا صبح و عصر کی نماز کے ساتھ بلحاظ معنی بصد نیاز پڑھا کرے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کرامات و کمالات دیکھے گا کہ جس کا بیان تحریر سے نہیں ہو سکتا۔

”الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ“ کے خواص:

اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اکتالیس بار اول آخر درود شریف کے

ساتھ ہر نماز کے بعد یا صبح و شام پڑھتا رہے، تو اس پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا، دوستوں اور خویشوں میں محبت و اُلفت بڑھے گی، اور غربت و افلاس بھی دفع ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

”يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ“ کے خواص:

جس قدر زیادہ پڑھے گا، اسی قدر رحمتِ دارین سے نوازا جائے گا، دُعائیں قبول ہوں گی، دُکھ درد دور ہوں گے، مطالب پورے ہوں گے، کم از کم اکتالیس بار اول آخر درود شریف کے ساتھ صبح و شام پڑھے، اس کے فیوضات بے حد ہیں۔

”الْوَكِيلُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ“ کے خواص:

جو شخص دینی یا دنیوی، جسمانی اور روحانی دُکھ درد سے درماندہ اور بے حال ہو چکا ہو، قلق و اضطراب میں پریشان ہو، وہ ان اسمائے گرامی کو ایک سو اکتالیس بار اول آخر درود شریف کے ساتھ بلحاظ معنی عجز و نیاز سے صبح و شام پڑھ کر گڑگڑا کر دُعا کیا کرے، جلدی مشکل کشائی اور حاجت روائی ہوگی، نیز محبت و معرفت کے دروازے بھی کھلیں گے، بفضلِ و کرمِ تعالیٰ، پڑھنے کی ترکیب: ”يَا اللَّهُ يَا وَكِيلُ يَا حَمِيدُ“ پڑھے۔

وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِأَسْرَارِ أَسْمَاءِ الْحُسْنَى، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ! جاننا چاہئے کہ جو فوائد و ثمرات تین تین اسماء یا اس سے کم و بیش کے عرض کئے گئے ہیں، ایک ایک کے بھی وہی ثمرات ہیں، مگر شرطِ اول یہ ہے کہ اخلاصِ نیت، رضا اور ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ ہو، اسماء کا معنی پیشِ نظر ہو، پھر دُعا عجز و نیاز سے ہو، اور با وضو ہو، ہو سکے تو پڑھتے وقت قبلہ رخ ہو، اور محنت کرے، اور ہمیشہ فضلِ الہی پر زیادہ زیادہ اُمید ہوتی جائے، گو اسبابِ مطلب کے خلاف نظر آنے لگیں۔ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

وَعَلَيْهِ التَّكْلَانُ وَالْآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

فائدہ:

یاد رکھنا چاہئے کہ رحمانی اثرات، مقبولیت اعمال کے ثمرات ہیں، اور مقبولیت اعمال، اخلاص نیت، عمل سنت اور وتقویٰ من اللہ پر موقوف ہیں، اور ان تینوں چیزوں کا مدار طہارت ظاہری و باطنی پر ہے، اور طہارت کی بہت سی اقسام ہیں:
۱.... طہارة الابدان: جسم کی پاکیزگی، مسائل فقہ، کنز، قدوری وغیرہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

۲.... طہارة الارواح: یعنی دل اور رُوح کی پاکی، دل کی پاکی اخلاقِ رذیلہ، مثلاً: حسد، کبر و ریا اور شہوات وغیرہ سے، اور رُوح کی پاکی غفلت سے۔

۳.... طہارة العقول: یعنی عقل کی طہارت جہالت سے۔

۴.... طہارة النفوس: یعنی نفس کی پاکیزگی کفریات سے۔

۵.... طہارة الاسرار: یعنی سر کی طہارت ردی خطرات سے، اور بعض کا ملین نے فرمایا کہ: طہارت کاملہ طہارت الاسرار ہے، یعنی اغیار کی میل کچیل سے، کہ غیر اللہ سے تعلق، اعتماد و اعتقاد مطلقاً نہ رہے۔

ان طہارتوں کی تحصیل کا اکسیر نسخہ، بغرض اصلاح صحبت کا ملین ہے، بشرطیکہ وہ صالح مرشد، عالم، عامل بالسنۃ، تارک بدعت، مجاز از صالح اور مجاہد ہو، اس کے اکثر ہم رُکاب و ہم صحبت لوگوں میں صلاحیت، صلوٰۃ، عمل، سنت کا اثر نمودار ہو، جو خدمت میں آتا ہو، چند دن میں اس کے حالات مبدل بصلاحیت ہوتے جاتے ہوں، یعنی گناہوں سے نفرت، عبادت کی رغبت، قرآن مجید کی عزت و عظمت آنا شروع ہو جاتی ہو، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع دل پذیر ہوتا جاتا ہو، ایسے لوگ کبریت احمر

ہیں، اگر ایسوں کی صحبت نصیب ہو جائے، تو اس کی محبت، صحبت اور فرمانِ شرعی کی تعمیل کو صداہا دولت و عزت سے غنیمت جانے۔

وَذَاكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِكَ وَبِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

عَلَيْكَ يَا رَبَّابِ الصُّدُورِ فَمَنْ غَدَا

مُضَافًا لِأَرْبَابِ الصُّدُورِ تَصَدَّرًا

ترجمہ:.... ”صاحبِ دل کی صحبت کو لازم پکڑ، جو

صاحبِ دل کی طرف منسوب ہوا، بڑا بن گیا۔“

إِيَّاكَ أَنْ تَرْضَى صَحَابَةَ نَاقِصٍ

فَتَنْحِطُ قَدْرًا مِمَّنْ عَالَكَ وَتَحَقَّرًا

ترجمہ:.... ”ناقص کی صحبت سے بچ، ورنہ اپنی قدر کو

بلندی سے گرائے گا، اور حقیر ہو جائے گا۔“

وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ

وَاتَّبَاعَهُ أَجْمَعِينَ مِنَ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ أَفْضَلُهُمَا

وَإِكْمَلُهُمَا وَادْوَمُهُمَا

اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، لَا حَوْلَ وَلَا

قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

۱۴/شوال ۱۳۸۴ھ